ربا

مولف
جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم کے محققین

معراج کمپنی

ربا

ربا (یعنی سود) کی تاریخ ، ربا ۔۔۔ قرآن وسنت میں،
ربا کی اقسام اور ۔۔۔ ربا سے فرار کے حیلے

مؤلف

جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم کے محققین

زیر نظر

حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ شبیر حسن میثمی

مترجم

غلام حسن مفتی

الصادق انسٹیٹیوٹ

آف اسلامک بینکنگ، فائنس اینڈ تکافل

ناشر

معراج کمپنی لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مشخصات کتاب

کتاب کا نام	:	رِبا
مصنف	:	جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم کے محققین
زیرنظر	:	حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ شبیر حسن میثمی
مترجم	:	غلام حسن مفتی
تصحیح	:	علی محمد رحمانی
کمپوزنگ	:	مفتی شگری
اشاعت اول	:	2015ء
باتعاون	:	زہراء (س) اکیڈمی کراچی
ناشر	:	معراج کمپنی
قیمت	:	

ملنے کا پتہ

◉ معراج کمپنی بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 0321-4971214, 042-37361214

◉ محمد علی بک ایجنسی، اسلام آباد فون: 0333-5234311

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

maablib.org

پیش لفظ

باسمہ تعالیٰ

اسلام ہی زندگی گزارنے کا راستہ ہے۔ اس پر چلنے والے کامیاب ہیں۔ اس کے راستے کو چھوڑنے والے ناکام۔

اسلام نے عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات، اجتماعیات، اقتصادیات، انتظامات و ..... غرض زندگی کے ہر شعبے کو مدنظر رکھتے ہوئے قوانین کو بیان کیا ہے۔

اسلامی قوانین یا احکام شرعی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) تعبدی: شریعت کی اصطلاح میں ان امور کو تعبدی کہا جاتا ہے جن کے لئے اسلام نے تمام جزئیات کو بیان کیا ہے اور اس میں کمی یا زیادتی کی اجازت نہیں، جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ یہ تعبدی امور ہیں، نہ کسی نماز میں رکعت کا اضافہ کیا جاسکتا ہے نہ کسی دن روزے کو جان بوجھ کر نیت کے ساتھ طول دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی حج میں سات کے بجائے طواف کے ۸ چکر لگائے جاسکتے ہیں اور نہ مشعر میں اپنی مرضی کے وقت میں قیام کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام امور میں قصد قربت شرط ہے۔

(۲) غیر تعبدی: ان امور کو کہا جاتا ہے کہ جن کے کلیات کو شریعت نے بیان کیا ہے لیکن جزئیات کو زمان و مکان کے تقاضوں پر چھوڑ دیا ہے۔ جیسے تجارت، کھیتی باڑی، اجارہ، رہن، ضمانت اور اس طرح کے بہت سے امور جو روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان اصولوں میں جہاں واجبات کو بیان کیا وہاں محرمات کو بھی واضح کر دیا تاکہ لوگ روزمرہ کی زندگی میں ان امور کو نظر میں رکھ کر آگے بڑھتے رہیں۔

اگر شریعت میں ایسا نہ ہوتا تو آج ہم تجارت نہ کرسکتے اس لئے کہ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ تجارت نے بھی اپنی صورتوں کو تبدیل کیا۔

جہاں تجارت کے لئے ہزاروں میل سفر کرنا پڑتا تھا، وہاں ایک بٹن دبا کر ہزاروں ٹن مال تجارت

خرید ایا بیچا جا سکتا ہے۔ ایک زمانے میں سونے کے سکے لاد کر لے جائے جاتے تھے، اب صرف انٹرنیٹ کے ذریعے اربوں روپے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے پر سیکنڈوں میں منتقل ہوتے ہیں۔

اجتہاد کے باب کے کھلے رہنے کی برکت ہے کہ ہم آج بھی اسلامی قوانین کو روزمرہ کی زندگی پر تطبیق کر سکتے ہیں اور دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہیں رہتے۔

آج تجارت کی دنیا میں ایک عنوان بہت زیادہ زیر بحث آ رہا ہے، وہ ہے "ربا"۔ اردو میں اسے سود اور انگریزی میں interest/usuary کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نص قرآنی سے ربا کی حرمت ثابت ہے۔ قرآن مجید کی آیات و اقوال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اصل ربا کو بالکل واضح طور پر حرام قرار دیتے ہیں اور اس بارے میں کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

جب تک درہم و دینار رائج تھے' ربا کا مفہوم بہت آسانی سے ان پر منطبق ہو جاتا تھا اور لوگ پوری طرح اس پر عمل کرتے تھے۔

درہم و دینار کی خاصیتوں میں:

(۱) ان کی مالیت ذاتی تھی، کسی کے معین کرنے سے معین نہیں ہوتی تھی۔

(۲) درہم و دینار' اسے مال سمجھا جاتا تھا اور کوئی اس کے اعتبار کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔

(۳) مال ہونے کے ناطے سے وارثوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔

لیکن آج کرنسی نوٹ کا زمانہ ہے جو حقیقت میں درہم و دینار سے ماہیت کے لحاظ سے بالکل الگ ہے:

(۱) یہ ایک اعتباری نوٹ ہے۔

(۲) اس کی قیمت یا ارزش ذاتی نہیں ہے۔

(۳) اہل فن اس بات میں اختلاف کرتے ہیں کہ آیا یہ مال ہے یا عوض حق ہے؟

اس طرح کے بہت سے امور نے علمائے اقتصاد کو اس بات پر مجبور کیا کہ ربا کی گفتگو کو از سر نو شروع کیا جائے اور یہ جانا جائے کہ آج کے دور میں جہاں:

(۱) بینک اقتصاد کا اہم حصہ ہے،

(۲) کرنسی انسانی زندگی کا لازمی جزو بن گئی ہے،

(۳) کاروبار میں سونے چاندی کے سکوں کو کنارے پر رکھ دیا گیا ہے،

(۴) منٹوں میں ہزاروں ٹن سامان، اربوں روپے کے عوض خریدا اور بیچا جاتا ہے،

(۵) لوگ اپنے سرمائے کو کسی طرح سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں،
(۶) اکثر ممالک کی کرنسی کی قیمت برف کی طرح پگھل رہی ہے،
(۷) اقتصادی قوانین جیسے افراط زر وغیرہ جہاں انسانی زندگی کے لئے ایک مصیبت بنے ہوئے ہیں' وہاں اسلام کے کلیات' جیسے ربا، غرر وغیرہ کس طرح سے تطبیق کیے جاسکتے ہیں؟

موجودہ کتاب ''ربا'' کے موضوع پر ایک اچھی تحقیق ہے جو جمہوری اسلامی ایران میں تدوین ہوئی ہے اور اسے سال ۲۰۰۳ء کی بہترین کتاب کا انعام بھی دیا گیا ہے۔

زہرا (س) اکادمی نے جس طرح مکتب اہل بیتؑ سے منسلک رہ کر اسلامک بینکنگ کا پاکستان میں سب سے پہلا ادارہ قائم کیا، اسی طرح ان اقتصادی موضوعات پر تحقیق کے کاموں کو بھی آگے بڑھایا لیکن چونکہ ربا کے موضوع پر اس کتاب میں جامعیت کے ساتھ تحقیق کی گئی ہے اس لئے بہتر سمجھا گیا کہ پہلے مرحلے پر اسے ترجمہ کرکے اہل علم حضرات کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ اس موضوع پر اجتہاد کرنے والے علماء و طلاب اس سے استفادہ کرسکیں۔

آخر میں' میں شکر گزار ہوں جناب غلام حسن مفتی صاحب کا جنہوں نے کتاب کے ترجمہ کو نہایت محنت کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ میں اپنی ٹیم کے ان تمام حضرات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس اہم ذمہ داری کو پورا کرنے میں میرا بھرپور ساتھ دیا، بالخصوص:

﴿۱﴾ حجۃ الاسلام سجاد حسین قائمی صاحب
﴿۲﴾ جناب سید ذوالفقار علی زیدی صاحب
﴿۳﴾ جناب سید علی عباس عابدی صاحب
﴿۴﴾ جناب سید افتخار حسین صاحب
﴿۵﴾ جناب جاوید اقبال صاحب
﴿۶﴾ اور' جناب سید جواد حسین رضوی صاحب۔

اللہ تعالیٰ سے مزید توفیقات کی استدعا ہے۔

شبیر حسن میثمی (لاکھانی)، فاضل قم،
چیئرمین زہرا (س) اکادمی،
سابق شریعہ ایڈوائزر:
اسٹیٹ بینک آف پاکستان۔

مقدمه

ربا پر تحقیق اور گفتگو کی ضرورت

ربا پر تحقیق اور گفتگو دو طریقوں سے کی جا سکتی ہے:

(الف): ربا (کے موضوع) کی اہمیت

(ب): ربا کے بارے میں مختلف شبہات اور ان کے جوابات

الف: ربا (کے موضوع) کی اہمیت

مغربی اقتصادی ماہرین منافع کو پیسے (Currency Notes) کی قیمت سمجھتے ہیں جسے قرض کے عوض میں ادا کیا جاتا ہے۔ اور پیسے (Currency Notes) کو ایک نفع بخش اقتصادی اور تجارتی مال شمار کرتے ہیں جس کے حصول کے لئے صارفین مطلوبہ قیمت ادا کرنے پر تیار ہوتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے سے اپنی من پسند چیز حاصل کر سکیں۔

اسلامی اقتصادی نظام اور مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کے درمیان واضح فرق سودی معاملات ہیں۔ سود کی بحث پیچیدہ ترین اقتصادی مباحث میں سے ایک ہے اور اقتصادیات کی کتابوں کا ایک قابل توجہ حصہ اس کے منافع کی شرح، اثرات اور اس کے طریقہ کار وغیرہ کے ابحاث پر مشتمل ہے۔ حقیقت میں منافع ہی سرمایہ دارانہ نظام میں ریڑھ کی ہڈی شمار ہوتا ہے۔

مغرب کے اقتصادی ماہرین ربا (سود) کو اقتصادی نظام کی بقاء کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اس کی بے شمار خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس اسلامی اقتصادی نظام میں شدت کے ساتھ سود سے منع کیا گیا ہے اور مومنوں کو اس سے باز رکھنے کے لئے جو سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، بہت کم

گناہوں میں سے حد تک سخت گیری کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور سود خوروں کو سخت ترین عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہاں تک کہ خداوند عالم قرآن مجید میں سود خوری کے جاری رکھنے کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ کھلی جنگ قرار دیتا ہے۔ اور احادیث میں ایک درہم سود کو خانہ کعبہ میں اپنے محارم (ماں، بہن، بیٹی وغیرہ) کے ساتھ ستر مرتبہ زنا کرنے کے برابر جرم قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے تمام شیعہ اور سنی فقہاء متفقہ طور پر سود کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقتصاد اسلامی اور سرمایہ دارانہ نظام میں ایک بنیادی فرق شرح منافع (شرح سود) کا نہ ہونا ہے۔

مسلم ماہرین اقتصادیات سودی نظام کی کئی ایک خامیوں کی نشاندہی کرتے ہیں، مثلاً:

۱۔ سودی نظام میں "سود" سرمایہ گذاری کی حد معین کرنے کا باعث بنتا ہے جس کی وجہ سے سرمایہ منجمد ہو جاتا ہے۔

۲۔ سود، اقتصادی بحران اور دیوالیہ ہونے (Bankruptsy) کا باعث بنتا ہے۔

۳۔ سود، بالقوہ (Potentially) افراط زر (Inflation) کا باعث بنتا ہے۔

۴۔ سود، اقتصادی معاملات پر سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔

ب: ربا کے بارے میں مختلف شبہات اور ان کے جوابات

ربا پر تحقیق کی دوسری وجہ اس کے بارے میں پائے جانے والے کچھ شبہات ہیں جس کی وجہ سے بہت سے لوگ سود کے حرام ہونے پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔ دنیا کے اقتصادی معاملات پر مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے تسلط اور اسلامی ممالک میں اس کے نفوذ کی وجہ سے بہت سے امیر اور مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام سے متاثر بعض نام نہاد روشن خیال لوگوں نے اسلامی ممالک میں بھی اس کو فروغ دینے کی کوششیں کیں، مگر کئی رکاوٹیں ان کے آڑے آئیں۔ ان میں سرفہرست اسلامی فقہ میں ربا کی شدت کے ساتھ ممانعت تھی۔ لہٰذا انہوں نے مذہبی عقائد اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ایک نئے انداز سے کوششیں شروع کیں۔

اسلامی ممالک میں سود کی حرمت پر نظر ثانی سب سے پہلے سنی ممالک میں کی گئی۔ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے فریفتہ کچھ نام نہاد لوگ علماء کو اپنے شیطانی افکار سے متاثر کر کے سود کی حرمت کی شدت کم کرنے اور اس کی حرمت کے دائرے کو محدود کرانے کی تشویق دلانے میں کامیاب ہو گئے۔

ان کی کوششیں بالآخر رنگ لائیں اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں شرح سود کو معین کرنے کے لیئے تجاویز پیش ہونے لگیں۔ نظر ثانی کی حمایت کرنے والے لوگوں نے معاملات میں ردّ و بدل اور

شبہات پیدا کر کے سود کی حرمت کو ختم کرنے یا کم از کم اس کی حرمت کی شدت کو کم کرانے کے لئے مختلف حربے استعمال کرنے شروع کیے۔

سود کی حرمت کے خلاف انہوں نے لوگوں کے ذہنوں میں مختلف قسم کے ابہام اور شبہات ڈالے ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں صرف قرض کی مہلت میں اضافہ کے عوض سود لینا حرام ہے۔ لہذا مہلت میں اضافہ کئے بغیر اصل سرمایہ پر سود لینے میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ اسلام میں جو چیز حرام کی گئی ہے وہ زیادہ مقدار میں سود لینا ہے جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ واجب الادا رقم قرض کی حقیقی رقم سے کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔

۳۔ اسلام صرف غریبوں اور محتاجوں کی طرف سے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے لئے جانے والے قرضوں پر سود کو حرام قرار دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اپنے سرمایہ میں اضافہ یا کاروبار کے لئے قرض لیتا ہے تو قرض دینے والے کا نفع کے ساتھ قرضہ واپس لینا جائز اور حلال ہے۔ یعنی اصولاً سود صرف غریبوں سے لینا حرام ہے۔ جبکہ صنعتکار اور سرمایہ داروں سے سود کا معاملہ کرنا جائز ہے۔

ہم ان سود خوروں اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے حامیوں کے پیدا کردہ شبہات اور سود خوری کے حیلے بہانوں کو ختم کرنے کے لئے قرآن وسنت اور اسلامی فقہ کی روشنی میں سود کی مکمل تعریف وتشریح کریں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ:

۱۔ جس سود کو اسلام حرام قرار دیتا ہے اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

۲۔ سود کی حرمت کی حدود کیا ہیں؟

۳۔ سود کی حرمت کی علت اور حکمت کیا ہے؟

پہلا باب:

رِبا کا تاریخی پس منظر

پہلی فصل:

ربا ــــــ گذشتہ ادیان اور معاشروں میں

ماضی میں انسان دو بڑی مشکلات کا شکار تھا ایک یہ کہ ہر شخص اپنی تمام ضروری اشیاء خود تیار نہیں کر سکتا تھا، دوسرا یہ کہ اگر کوئی اپنی یہ ضروریات مہیا کر بھی لیتا تو ان کی حفاظت کرنا اس کے لئے بہت پریشان کن تھا۔اس کا مال و متاع اور وسائل عام طور پر گلنے سڑنے اور حیوانات اور چوروں کی نذر ہو جاتے۔ کسان اپنی فصل، سبزیوں اور میوہ جات کی طویل مدت تک حفاظت نہیں کر پاتے تھے۔اسی طرح شکاری، شکار کے اضافی گوشت کو کئی ایک دن تک گلنے، سڑنے سے نہیں بچا سکتے تھے۔ان مشکلات سے چھٹکارا پانے کے لئے اس دور کے انسانوں نے ایک دوسرے کو چیزیں بطور قرض دینا اور لینا شروع کر دیں۔

شکاری اور کسان اپنی اضافی اشیاء اپنی ضرورت کے وقت واپس لینے کی شرط کے ساتھ دوسروں کو ادھار دیتے تھے۔ چنانچہ بغیر کسی اضافی شرط کے مطالبہ پر واپس کرنے کے وعدہ کے ساتھ قرض دینا اس دور میں قرض دینے والے اور قرض لینے والے دونوں کے لئے قابل قبول اور مطلوب کام تھا۔

دنیا کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانوں نے اپنی ضرورت کی چیزوں اور اشیائے خورد ونوش کی حفاظت اور جمع آوری کا ہنر سیکھ لیا اور غیر مشروط طور پر چیزیں عاریتاً دینے کے رجحان میں کمی آتی گئی اور لوگوں نے ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل مال سے کچھ زیادہ مال کے ساتھ لوٹانے کی شرط کے ساتھ ایک دوسرے کو مال دینا اور لینا شروع کر دیا۔ اس طرح معاشرے میں سود کا رواج عام ہوتا گیا۔ آگے چل کر جب سکوں اور نوٹ کے ذریعے معاملات اور کاروبار ہونے لگے تو بڑے پیمانے پر سودی معاملات بھی پھیلتے چلے گئے۔

سودی مالیاتی نظام آج دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک میں ایک لازمی اور قانونی مشغلہ بن چکا ہے اور اُن کی معیشت کا ڈھانچہ اسی نظام پر قائم ہے۔

ا۔ربا ماضی کے معاشروں میں

ربا سومر میں :

سومریوں میں سودی لین دین کا رواج عام تھا۔ وہ اجناس ، سونا اور چاندی ادھار لیتے اور اسی جنس پر چندرہ سے تینتیس فی صد تک قرض خواہ کو منافع دیتے تھے۔ سومریوں نے سب سے پہلے دنیا میں تجارت اور قرضہ لینے اور دینے کے قوانین وضع کیے اور سونا اور چاندی کو پہلی بار'' قیمت کی کسوٹی'' کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا جو آج بھی دنیا میں رائج ہے۔

ربا مصر میں :

قدیم مصر میں لین دین کے معاملات میں سکوں کا رواج نہیں تھا وہ لوگ اجناس کی صورت میں حکومت کو مالیات (Taxes) دیتے اور حکومت بھی اپنے ملازمین کو تنخواہ اجناس ہی کی صورت میں دیتی تھی۔حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے قبل مصر کے بادشاہ ''بوخوریس'' نے ایک قانون بنایا جس میں اس نے سود کی کل مقدار کے اصل سرمایہ سے زائد ہونے کو ممنوع قرار دیا۔''بوخوریس'' نے جس قانون کو تین ہزار سال پہلے وضع کیا تھا اس کی وضاحت اور تشریح بیسویں صدی میں بھی مصر کے آئین کی شق (۲۳۲) میں یوں ہوتی ہے:'' سود کی کل مقدار کسی طرح بھی اصل سرمایہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔''

قدیم مصری فلسفی ''سولون'' نے بھی ضروری اصلاحات کے عنوان سے سود کو کالعدم قرار دینے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

ربا قدیم ایران میں :

قدیم ایرانی ' تجارت کو حقیر پیشہ اور پست کام بلکہ بازار کو جھوٹ اور فریب کا مرکز سمجھتے تھے جس کی وجہ سے تجارتی لین دین اور کاروباری مراکز کی باگ ڈور بابلیوں، فنقیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں میں تھی۔

ایران میں سکہ کے رائج ہونے سے پہلے لوگ مزدوروں کی مزدوری، قرض اور سرمایہ کا منافع وغیرہ اجناس کے ذریعے ادا کرتے تھے۔ایران میں پہلی مرتبہ ''داریوش'' نے اپنے نقش کے ساتھ سونے اور چاندی کے سکے جاری کیے۔اس نے سونے اور چاندی کی قیمت میں ایک اور ساڑھے تیرہ کا فرق معین کیا جو کہ سونے اور چاندی کے سکوں کے درمیان فرق کا نقطہ آغاز ہے۔

سود کا رواج ایرانیوں میں پہلے سے نہیں تھا، وہ قرضہ لوٹانے کو واجب اور مقدس کام سمجھتے تھے۔(۱)

ربا ہندوستان اور چین میں:

قدیم ہندوستان میں بینکوں کا رواج نہیں تھا۔ لوگ اپنے قیمتی اشیاء کو گھروں اور زیر زمین دفن کر کے چھپاتے تھے یا پھر اپنے کسی قریبی عزیز کے پاس امانت رکھواتے تھے۔ بودا کے زمانے اعتبار نامہ (Surety Letter) کا رواج فروغ پایا جس کی وجہ سے کاروبار اور لین دین میں کافی آسانیاں پیدا ہوئیں۔ قدیم ہندوستان میں شرح سود اٹھارہ فی صد تھی۔(۲)

برہمنوں کی مخالفت کے باوجود قرض دینے کی رسم آہستہ آہستہ رواج پانے لگی۔ سود کی شرح ذات پات اور فرقوں کے اعتبار سے بارہ سے ساٹھ فیصد تک رائج تھی۔ عام طور پر سود کی شرح بیس فیصد سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ قرضوں سے جان چھڑانے کے لئے دیوالیہ ہونے (Bankruptsy) کا اعلان کرنا جائز نہیں تھا۔ مقروض اگر تنگدست ہو کر مر جاتا تو چھ نسلوں تک اس کی اولاد قرض ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی تھی۔(۳)

قدیم چین میں سند اعتبار (Surety Certificates) اور سکوں کے ذریعے لین دین کا رواج پہلے سے تھا جس کی وجہ سے تجارت اور کاروباری لین دین میں آسانی رہتی تھی۔ چینی تاجر اور کاروباری حضرات چھتیس (۳۶) فیصد شرح سود کے ساتھ قرض اور اعتبار نامے (Surety Letters) ایک دوسرے کو دیتے تھے۔ سود لینے والے اپنی جان پر کھیل کر بھی قرضداروں سے سود کا مطالبہ کرتے تھے۔ چینی صرف قرض دیتے وقت لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن قرضہ کی سود سمیت واپسی میں بہت سختی برتتے تھے۔(۴)

---

(۱) تاریخ تمدن، ویل ڈیورانٹ، ترجمہ احمد آرام، جلد۱، ص۱۵۱، ۱۹۲، ۲۲۲، ۳۳۴، ۳۰۹، ۳۱۰، ۵۲۸، ۵۴۳؛ موسوعۃ الاقتصاد الاسلامی، عبدالسمیع المصری، ص۳۸۵؛ الربا فی تشریع الاسلامی، مسلم ملکوتی، ص۶۵، ۷۰

(۲) تاریخ تمدن، جلد۲، ص۵۸۶، ۵۸۷

(۳) تاریخ تمدن، جلد۲، ص۶۸۶

(۴) تاریخ تمدن، جلد۲، ص۱۰۵۱

ربا یونان میں :

یونان کے تمام فلاسفہ سودی لین دین کو ناپسندیدہ فعل قرار دیتے تھے۔ افلاطون (Plato) نے سود کو حرام قرار دیا اور اپنی کتاب '' قانون '' میں لکھا کہ '' اپنے بھائی کو سود پر قرضہ دینا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ''۔ وہ مقروض کے دیوالیہ (Bankrupt) ہونے کی صورت میں اسے قرضہ ادا کرنے سے بری الذمہ سمجھتے تھے۔ (۱)

افلاطون (Plato):

افلاطون پیسے اورانسان کے کمالات کوایک ترازو کے دو پلڑے سمجھتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ممکن نہیں کہ ایک پلڑہ نیچے آئے بغیر دوسرا اوپر جائے ۔ وہ مال ودولت کی محبت اور سود کو بہت قبیح فعل سمجھتے تھے اور لوگوں کواپنی اولاد کے لئے سونا چاندی کے بجائے تقویٰ اور فضیلت کی میراث چھوڑنے کی نصیحت کرتے تھے۔

ارسطو (Aristotle):

ارسطو' افلاطون کے شاگرد اور طبیعی اقتصاد کے زبردست حامی اور نقدی معاملات کے سخت مخالف تھے۔ وہ تولید کو'' طبیعی اقتصادیات '' اور تجارت کو''نقدی اور قابل مذمت معاملہ قرار دیتے تھے۔ ارسطو (Aristotle) بھی سودخوری کے سخت مخالف تھے۔اس کی نظر میں پیسہ لین دین کا ایک ذریعہ ہے جس کا مقصد معاشرے میں معاملہ اورلین دین کوآسان کرنا ہے۔پیسہ بذات خود کوئی چیز نہیں اس لئے اس کے بدلے کوئی چیز لینا خلاف طبیعت ہے۔کیونکہ پیسہ طبیعی طور پر بانجھ ہے ۔ (۲)

قدیم یونان میں روزمرہ کی ضروریات کے لئے قرضوں پر سود کا رواج نہیں تھا۔اس کے برعکس تجارت اور کاروباری مقاصد کے قرضے سودی ہوتے تھے۔ ایسا رواج صرف عوام میں نہیں تھا ، بلکہ حکومت بھی جنگ کے دوران اپنی فوری ضروریات پوری کرنے کے لئے سود پر قرضے لیتی تھی۔اس حقیقت سے کوئی انکارنہیں کرسکتا کہ لوگوں کوسود کا عادی بنانے میں اس وقت کے مذاہب کی مجرمانہ خاموشی کا زیادہ کردار رہا ہے ۔اس وقت کے مذاہب اگرسودی قرضوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے تواس طرح کے معاملات کا رواج نہ پڑتا۔

---

(۱) سیر اندیشہ اقتصادی، باقر قدیری اصلی، ص۹ ؛ بحوث فی الربا، محمد ابوزہرہ، ص۱۲؛ مصرف التنمیۃ الاسلامی، رفیق یونس مصری، ص ۸۳

(۲) الربا فقہیا واقتصادیا، ص۲۲۲،۲۲۳؛ بحوث فی الربا، ص ۱۲، ۱۳؛ سیر اندیشہ اقتصادی، ص ۱۱، ۱۲

یونانیوں میں سودی قرض کی دو قسمیں رائج تھیں:

۱۔ بری یا عام قرضے ۲۔ دریائی قرضے

۱۔ بری یا عام قرضے:

یونانیوں کے مطابق بری یا عام قرضوں میں قرضہ دینے والے کو صرف ایک خطرہ، یعنی مقروض کے دیوالیہ ہونے کا خوف لاحق رہتا ہے، چنانچہ وہ ان قرضوں پر بارہ فیصد سالانہ سود لیتے تھے۔

۲۔ دریائی یا بحری قرضے:

سمندر اور دریا میں نقل و حمل کے ذریعے تجارت کیلئے لئے جانے والے قرضوں میں قرضہ دینے والے کو وہ تمام خطرات لاحق رہتے تھے جو سمندر میں چلنے والی کشتی کو درپیش ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ ایسے قرضوں پر بیس (۲۰) سے چالیس (۴۰) فیصد تک سالانہ سود لیتے تھے۔ کبھی یہ شرح بڑھ کر ساٹھ (۶۰) فیصد تک پہنچ جاتی تھی۔ دریائی قرضوں کے نفع میں خطرہ کی نوعیت، کشتی کی حالت، بحری سفر کی مدت اور اقتصادی و سیاسی حالت کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔

قدیم روم میں سودی لین دین:

قرض لینا اور دینا رومیوں کا قدیمی مشغلہ تھا۔ قدیم رومی قوانین کے مطابق مقروض اگر مقررہ مدت تک قرضہ نہ لوٹا سکے تو قرضہ دینے والا مالک اسے ساٹھ (۶۰) دن تک قید کر سکتا تھا۔ اسی طرح اسے اپنے قرضہ کی وصولی کے لئے مقروض کو بازار میں فروخت کرنے کا حق بھی حاصل تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ قدیم روم کے آئین کے مطابق قرضہ لوٹانے سے انکار کی صورت میں مقروض کو قتل بھی کیا جا سکتا تھا۔

بعد میں جمہوریت (Democracy) کے رائج ہونے کے ساتھ ان قوانین میں ردّ و بدل کی گئی اور ۴۵۰ ء میں ''بارہ لوح'' کے نام سے ایک قانون بنا جس میں ساڑھے آٹھ (۸.۵) فیصد سے زیادہ سود لینے کو ممنوع قرار دیا گیا۔ سن (۴۲۶-۵۶۵ء) کے دوران، جوسٹی نیان کی بادشاہت کے آغاز میں کسانوں کے لئے چار فیصد، ضمانت کے ساتھ قرض لینے والوں کے لئے آٹھ فیصد اور کاروباری و تجارتی مقاصد کے قرضوں پر بارہ فیصد شرح سود معین ہوئی۔ اس وقت اس طرح کا قانون دنیا میں کہیں بھی رائج نہیں تھا۔ (۱)

---

(۱) تاریخ تمدن، جلد ۱۰، ص ۲۰۱

۲۔ مختلف ادیان میں ربا کی حرمت

یہودیت میں ربا کی حرمت:

یہودیت اپنے دور میں ایک جامع اور کامل ترین دین تھا۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے احکام کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ حضرت موسی علیہ السلام پر نازل ہونے والی آسمانی کتاب ''تورات (Torah)'' آج اپنی اصلی شکل میں دنیا میں موجود نہیں، یہودیوں کے پاس آج جو تورات ہے وہ انکے علماء کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے باوجود تورات کے موجودہ نسخوں میں بھی دوسرے الٰہی ادیان کی طرح سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور سود کھانے والے کے لئے قیامت کی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی روزے رکھنے، کفارہ ادا کرنے اور کوڑے کی سزائیں درج ہیں۔ ہم اپنے قارئین کی خدمت میں موجودہ تورات سے سود کے متعلق چند اہم اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

''تم جب کسی غریب یہودی کو قرض دو تو اس کے ساتھ تمہارا روّیہ سود خوروں جیسا نہ ہو اور اس سے سود کا مطالبہ نہ کرنا۔'' (۱)

'' تمہارا بھائی اگر غریب ہوجائے اور تمہارے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوجائے تو اس کی مدد کرنا، چاہے وہ غریب الوطن ہو یا تمہارا ہم وطن۔ اس کی اتنی مدد کرو کہ وہ تمہارے ساتھ گزر بسر کرسکے۔ اور اس سے سود مت لینا اور خدا سے ڈرنا۔'' (۲)

'' اپنے بھائی سے نہ نقد رقوم، نہ کھانے پینے کی اشیا اور نہ قرض کے طور پر دی جانے والی چیزوں پر سود طلب کرنا، البتہ غیروں کو تم سود پر قرض دے سکتے ہو۔'' (۳)

تورات کے اس جملہ کو بنیاد بناتے ہوئے یہودی کہتے تھے کہ غیر یہودیوں سے سود لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہودیوں کی فقہی کتب " سلمونیك اور شولحان عادوخ " میں سود کی اقسام بیان کرنے کے بعد تحریر ہے کہ: ''سود خور کی گواہی قابل قبول نہیں اور اس کا یہ عمل شرک کے برابر گھٹیا اور حیوانی ہے۔'' (۴)

مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودیوں کی شریعت میں بھی سود خوری حرام تھی ۔ بنی اسرائیل ایک عرصے تک ان احکامات پر عمل پیرا رہے مگر حرص اور مال و دولت کی محبت میں

---

(۱) عہد قدیم، سفر خروج، باب ۲۲، آیہ ۲۵ صفحہ ۱۱۹ (۲) عہد قدیم، سفر لاویان، باب ۲۵، آیات ۳۵ ـ ۳۷

(۳) عہد قدیم، سفر تثنیہ، باب ۲۳، آیات ۱۹ـ۲۰ (۴) شفائی، ربا از نظر دینی و اجتماعی، ص ۳۲

گرفتار ہوکر آہستہ آہستہ سودی معاملات کی لعنت کے عادی ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جب کوئی مقروض غربت اور تنگدستی کی وجہ سے قرض نہ لوٹا سکتا تو وہ اسے یا اس کے بچوں کو مال کے بدلے اپنا غلام بنا لیتے تھے، تورات میں اپنے ہم مذہب لوگوں کے ساتھ کی جانے والی یہودیوں کی ایسی بدسلوکی کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

"صد افسوس! یہودی مردوں اور عورتوں پر جو اپنے ہی یہودی بھائیوں کے خلاف ہو گئے، ان میں کچھ لوگ کہتے تھے کہ: ہم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو گروی رکھوا کر اپنی بھوک مٹانے کے لئے گندم حاصل کرتے ہیں۔ کچھ کا کہنا تھا کہ: بھوک مٹانے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کی خاطر ہم اپنے باغ، کھیت، گھر اور زمینیں گروی رکھواتے ہیں۔ ایک اور گروہ فریاد کرتا تھا کہ: بادشاہ کو ٹیکس ادا کرنے لئے ہم نے کچھ چاندی قرض لی ہے۔ اس وقت ہماری حالت اپنے ان بھائیوں جیسی ہے جو سب کے سب کمزور اور تنگ دست ہیں، ہمارے بچے قید کر لئے گئے ہیں اور ہمارے پاس کوئی چیز باقی نہیں بچی ہے۔" (۱)

کیا یہودیوں کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنے ہم مذہب یہودیوں پر رحم نہیں کیا بلکہ سود کی حرمت کے حکم کو پاؤں تلے روندتے ہوئے ان سے سود لینے کے ساتھ مقروض یہودیوں کو گرفتار کر کے دوسری قوموں کے ہاتھوں فروخت کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔

لوگوں کی کسمپرسی اور فریاد سن کر سود خوروں کی مذمت کرتے ہوئے نحمیا کے نبی کہتے ہیں: "جس وقت میں نے ان کی فریاد سنی تو مجھے بے حد غصہ آیا اور ان کے بزرگوں اور سرپرستوں کو ڈانٹتے ہوئے میں نے کہا کہ تم کیوں کر اپنے بھائیوں سے سود لیتے ہو؟ اس کے بعد لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ: ہم اپنی استطاعت کے مطابق ان یہودیوں کو خرید لیں گے جنہیں دوسری قوموں کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا ہے؛ اور اگر تم اپنے بھائیوں کو فروخت کرتے ہو تو ہم انہیں دوبارہ خرید لیں گے، ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا اس لیے وہ خاموش رہے۔" (۲)

اس کے بعد بھی یہودی سود خوری کی اپنی پرانی روش سے باز نہ آئے اور سودی لین دین میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ آج دنیا کے اکثر تجارتی و کاروباری مراکز پر وہی چھائے ہوئے ہیں۔

سود عیسائیت میں:

انجیل (Bible) کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا بیشتر

---

(۱) عہد قدیم، سفر نحمیا، باب ۵، آیات ۱-۶ (۲) عہد قدیم، سفر نحمیا، باب ۵، آیات ۶

حصہ پند و نصائح اور اخلاقیات پر مبنی تھا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کے احکامات وقوانین کی ترویج زیادہ کی اور نئے احکامات وقوانین بہت کم بیان کیے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ: ''گمان بھی نہ کرنا کہ میں گذشتہ انبیاء کے ادیان اور صحیفوں کو باطل قرار دوں گا، بلکہ میں توان کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔'' (۱)

چنانچہ سود کی حرمت کا جو حکم تورات میں موجود تھا وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی دستور تھا، جس کی تائید انجیل کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے: ''اگر کسی ایسے شخص کو قرضہ دو جس سے واپس ملنے کی تمہیں امید ہو تو اس میں تمہارے لئے کتنی فضیلت ہے، گنہگار لوگ ایک دوسرے کو سود پر قرض دیتے ہیں تاکہ وہ اسے سود خوروں کو لوٹائیں۔'' (۲)

کلیسا کے پادریوں کا نظریہ:

رنسانس، کے دور تک عیسائی دانشوروں نے کتاب مقدس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے سود کی حرمت کو باقی رکھا اور سود کے حرام ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لوگوں کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔

قدیس گریگوار دونیس، سود کو دوسروں کے مال ہڑپ کرنے کے مترادف قرار دیتا تھا وہ سود کے متعلق کہتا ہے:

''سود ایک ایسے ملاپ کا نتیجہ ہے جو خلاف فطرت وطبیعت ہے کیونکہ نمو پانا فطرتاً ذی حیات اشیاء کے ساتھ مختص ہے جبکہ رقوم بانجھ ہوتی ہیں'' وہ مزید کہتا ہے: ''جو بھی سود لینے کے لئے قرض دیتا ہے وہ مقروض کی محتاجی میں مزید اضافہ کرتا ہے، اس کے علاوہ خود بھی پریشان رہتا ہے کہ کہیں مقروض قرض لوٹانے سے انکار نہ کردے۔'' (۳)

سکوبار، سود کے بارے میں کہتا ہے کہ: ''سود کو گناہ نہ سمجھنے والا کافر ہے۔''

پدریونی کہتا ہے کہ: ''سود خور دنیا میں اپنی شرافت کھو دیتا ہے اور مرنے کے بعد کفن دفن اور دوسرے دینی مراسم کا استحقاق نہیں رکھتا۔'' (۴)

---

(۱) انجیل متی، فصل ۵، آیات ۱۷ تا ۱۹، صفحہ ۸۰

(۲) انجیل لوقا، فصل ۶، آیات ۳۵ تا ۳۶، صفحہ ۱۰۲

(۳) معرف التنمیہ الاسلامی، ص ۹۲

(۴) ابراہیم زکی الدین بدوی، نظریہ الربا المحرم، ص ۵

سن توما، معتقد تھا کہ: ''مقروض بغیر کسی پیشگی شرط کے کوئی چیز اگر قرض خواہ کو بخش دے تو کوئی حرج نہیں'' (۱)

بارہویں صدی عیسوی میں جب انسانی حقوق نے ''سود'' کے حق میں تجاویز دینا شروع کیں تو ''لاتران'' کی تیسری شوریٰ نے قرض پر سود لینے کو حرام قرار دیا اور طے کیا کہ جو بھی سود کا پیشہ اپنائے گا وہ دینی مراسم میں شرکت کا حقدار نہیں ہوگا اور ان کے صدقات قبول نہیں کئے جائیں گے اور اگر توبہ کئے بغیر مرجائے تو مسیحی قبرستانوں میں انہیں دفن کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ (۲)

عیسائیت میں سودخوری کی ابتدا:

کئی صدیوں تک عیسائی ممالک کے قوانین اور کلیسا کی جانب سے سود ممنوع رہا۔ کلیسا سود کھانے والے عیسائیوں کو یہودیوں سے تشبیہ دیتے اور انہیں سزائیں دیتے تھے۔ مگر بارہویں اور پندرہویں صدی کے درمیان جب مشرق و مغرب کے درمیان تعلقات بڑھے اور اقتصادی سرگرمیاں تیز ہوئیں تو عام لوگوں میں سود کا رواج فروغ پاتا گیا اور تیزی سے ہونے والی اقتصادی و سیاسی ترقی کے بعد کلیسا، سود کو حرام اور ممنوع قرار دینے والے اپنے فتوے سے پیچھے ہٹ گیا اور سود کے دائرہ کو محدود کرنے کے متعلق غور و فکر کرنا شروع کردیا۔

پھر پندرہ سے اٹھارہویں صدی عیسوی کے درمیان اٹھنے والی سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی تحریکوں کی وجہ سے سود کی حرمت کے متعلق کلیسا کی آخری تجویز نے بھی دم توڑ دیا اور یورپی ممالک میں رونما ہونے والی سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی تبدیلیوں، اقتدار سے کلیسا کی بے دخلی، امریکہ کی دریافت، مشرق و مغرب کے درمیان تجارتی و کاروباری روابط میں وسعت، سرمایہ دارانہ نظام کی آمد اور دوسرے کئی اسباب کی وجہ سے اقتصادی ماہرین نے سود کی حرمت کے خلاف آواز بلند کی اور باقاعدہ سودی نظام رائج کرنے کا مطالبہ زور پکڑتا گیا۔

اس دوران سودی نظام کے حامی ایک دوسرے زاویے سے اس مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرنے لگے کہ: ایک آئیڈیل دنیا میں سود سے پاک اقتصادی نظام کا تصور اگرچہ ممکن ہے۔ مگر زمینی حقائق یہ ہیں کہ لوگ سود کو نہیں چھوڑ سکتے اس لئے بہتر یہی ہے کہ سود کی حرمت سے کسی حد تک

---

(۱) الربا فقہیا و اقتصادیا، ص ۳۲۷، سیر اندیشہ اقتصادی، ص ۱۵، ۱۶

(۲) معرف الفقیہ اسلامی، ص ۹۵، ۹۶

چشم پوشی کی جائے۔

سود کو جائز قرار دینے کے لئے بہت سے دانشوروں نے دلیلیں تراشیں جن میں سے چند ایک کے نظریات ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

کالوین:

اس نے سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس کام کو بڑی احتیاط کے ساتھ شروع کیا۔ کالوین کا کہنا تھا کہ اخلاقی اعتبار سے سود جب حد اعتدال سے بڑھ جائے یا پھر غریبوں سے وصول کیا جائے تو حرام ہے۔ تورات میں آنے والی حرمت کا حکم صرف یہودیوں کے ساتھ مختص ہے، عیسائیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ سود یہودیت میں حرام ہے نہ کہ مسیحیت میں۔ وہ کہتا ہے کہ: ''فطرتاً یہ ضروری نہیں کہ قرض سے کوئی منفعت حاصل نہ ہو، قرض میں نقد رقوم کا وہی مقام ہے جو دوسرے معاملات میں مکانات اور باغ وغیرہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح کسی مکان کے در و دیوار اور چھت کی الگ سے منفعت نہیں ہوتی، مگر اس گھر میں رہائش کو جب مال کے ساتھ مبادلہ کرتے ہیں تو مشروع منفعت کا امکان پیدا ہوتا ہے اسی طرح نقد رقوم سے بھی جب ہم زمین وغیرہ خریدتے ہیں تو اس میں بھی مشروع منفعت کا امکان پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ رقم نقد کی طرح ہی ہے جو زمین و مکان کی صورت میں ہمیں حاصل ہوتی ہے اور یہ ہر سال الگ فائدہ دیتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نقد رقوم بانجھ ہوتی ہیں مگر یہ صرف اس وقت بانجھ ہوتی ہیں جب ہم انہیں استعمال میں نہیں لاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص کسی سے قرض لے کر کاروبار شروع کردے اور اس کے نتیجہ میں اسے نفع حاصل ہو جائے اور اس نفع کا ایک حصہ قرض دار کو دے تو اس وقت یہ ظلم نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ایک مالدار شخص --جس کے پاس زمینیں اور دوسرے ذرائع آمدن بہت زیادہ ہیں۔ کو نقد رقم کی ضرورت پڑتی ہے تو مجبوراً کسی ایسے شخص سے بطور قرضہ لیتا ہے جو مال و دولت کے اعتبار سے اس سے کمتر حیثیت کا مالک ہے مگر نقد رقوم اس کے پاس زیادہ ہیں۔ قرض خواہ اگر چاہتا تو وہ خود بھی زمین خرید سکتا تھا یا پھر اس زمین کو جسے مقروض نے اس سے قرض لیکر خریدی ہے قرض کی رقم کے ملنے تک اپنے پاس ضمانت کے طور پر رکھ سکتا تھا اور اس کی آمدنی سے استفادہ کر سکتا تھا۔ مگر اس کے بجائے وہ اپنی رقم سے ملنے والی منفعت پر اکتفا کرتا ہے تو کیا اس کے اس عمل کو ہم ناپسندیدہ قرار دے سکتے ہیں؟ جبکہ بہت سے دوسرے معاملات ایسے بھی ہیں جو ظالمانہ ہیں اس کے باوجود شرعاً جائز ہیں''۔

دیمولان :

کالوین، پہلے مسیحی دانشور ہیں جنہوں نے سود کی حرمت پر تنقید کرتے ہوئے اور اس پر نظر ثانی کی۔ اس موضوع پر اس کی پہلی کتاب ۱۵۴۶ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کا نظریہ تھا کہ "تقریباً ہر قسم کے قرضوں میں مال اپنی دسترس میں نہ ہونے کی وجہ سے قرض دینے والے کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ لہٰذا انصاف اور اقتصادی ضرورت کا تقاضا ہے کہ قرض کے عوض میں قرض دینے والے کو اصل زر سے کچھ زیادہ ادا کیا جانا چاہئے اور یہ وہی سود ہے۔ پس اصل سود کو جائز قرار دینے اور اس کے نرخ کو محدود کرنے والے ژوستینیوں کے قوانین ظالمانہ نہیں ہیں"۔

دیمولان، پیسے کو بانجھ کہنے والوں کے استدلال کا جواب یوں دیتے ہیں: "لین دین کے روزمرہ کے تجربات بتاتے ہیں کہ ایک بڑی رقم کے ذریعے تجارت کا بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے، جسے حقوق کی اصطلاح میں "نقد رقم کا فائدہ" کہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ نقد رقم فائدہ مند نہیں ہوتی، غلط ہے کیونکہ زمین بھی خود سے فائدہ نہیں دیتی یعنی بغیر کسی زحمت اٹھائے زمین انسان کو فائدہ نہیں پہنچاتی ہے۔ نقد رقم میں بھی انسان کی کوششوں سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ دیمولان، آخر میں واضح طور پر کہتا ہے کہ: "ہر چیز سے پہلے سود کی حدود معین کرنا ضروری اور مفید ہے"۔(۱)

بوزولد :

بوزولد کا شمار سولہویں صدی عیسوی کے ان دانشوروں میں ہوتا ہے جنہوں نے سود کے جائز ہونے کا دفاع کیا۔ بوزولد نے ۱۵۹۸ء میں اپنے ایک مقالے میں سود کو حرام قرار دینے کے متعلق کلیسا کے حکم پر شدید تنقید کی۔

بوزولد، بھی دیمولان کی طرح کہتا ہے: "سودی قرض اور عقد اجارہ میں اس حد تک مشابہت ہے کہ پہلے کو دوسرے پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اور جو نسبت سودی اور غیر سودی قرض میں ہے وہی اجارہ اور عاریہ میں موجود ہے۔ جیسے مالک اپنے مال کو بغیر کسی اجرت کے عاریۃً کسی کو استعمال کے لئے دے سکتا ہے اسی طرح سے قرض خواہ بھی اگر چاہے تو مقروض سے اپنے منافع کا جو اس کا حق ہے، مطالبہ کرسکتا ہے اور اگر چاہے تو اسے معاف بھی کرسکتا ہے"۔

---

(۱) مصرف التنمیہ الاسلامی، ص ۱۱۱

maablib.org

ان کا کہنا ہے کہ سود ہمیشہ سرمایہ کی منفعت - جو کہ منافع کا اصل سرچشمہ ہے - کے تناسب سے ہونا چاہیے۔ چنانچہ سرمایہ سے زیادہ منافع حاصل ہونے کی صورت میں قرض دینے والے کے لئے بھی زیادہ سود لینا جائز ہونا چاہئے۔ (۱)

سالمازیوس:

۱۶۴۰ء سے پہلے سالمازیوس کی متعدد تصنیفات اور مقالے منظر عام پر آگئے تھے جس میں انہوں نے سود کی کھل کر حمایت کی تھی۔ سود کی حمایت میں اس کی تصنیفات پہلے نمبر پر تھیں۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود سود کو جائز سمجھنے والے آج بھی اس کے نظریات سے مدد لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جدید نظریات میں بھی اس کے افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔ سالمازیوس کہتا تھا کہ سود وہی اجرت ہے جسے قرضہ لی گئی رقم کے استعمال کے بدلے ادا کیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

"قرض کو حقوقی معاملات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ جس کے ذریعے مالک مقروض کو اسے استعمال کرنے اور دوسری چیز سے بدلنے کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ چیز استعمال سے ختم ہونے والی نہ ہوں، جیسے گھر، گاڑی وغیرہ اور مالک اس کے استعمال کے عوض کوئی اجرت نہ لے تو یہ معاملہ عاریہ کہلاتا ہے۔ اور اگر اس کا استعمال مفت نہ ہو تو وہ اجارہ کہلاتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ چیز اگر مصرفی ہو، یعنی استعمال سے ختم ہوجاتی ہو اور اس کے استعمال کے بدلے میں مالک مقروض سے کچھ نہ لے تو یہ قرض بلا عوض کہلاتا ہے۔ اور اگر اس کا استعمال مفت نہ ہو تو یہ سودی قرض کہلاتا ہے۔ یہ سودی قرض جائز ہے"۔

وہ مزید کہتا ہے کہ: "قرضہ لینے والے کے استعمال کے ساتھ ہی قرض پر لی گئی چیز ختم ہوجاتی ہے یہی قرض میں سود کے جواز کا سبب بنتا ہے۔ جبکہ اجارہ میں مالک جب چاہے اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔ کیونکہ اجارہ میں مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے جبکہ قرض میں مالک کی ملکیت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جسے وہ قرض پر دیتا ہے اس کے استعمال کی وجہ سے وہ چیز ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ قرض دینے والے کو مختلف نقصانات کا خوف رہتا ہے مثلاً:

☆ قرض کی مدت طے ہونے کی وجہ سے وہ ضرورت کے وقت اس سے استفادہ نہیں کرسکتا۔

☆ ممکن ہے کہ اسے اپنا قرض واپس نہ ملے یہ ڈر بھی اسے ہمیشہ رہتا ہے۔

---

(۱) مصرف التنمیہ الاسلامی، ص ۱۱۲، ۱۱۳

ان کے علاوہ دیگر نقصانات کا بھی امکان ہوتا ہے۔ اسی لئے قرض پر سود مقرر کرنا عدل و انصاف کے زیادہ قرین ہے۔" (۱)

ان دلائل کی وجہ سے سالمازیوس کے حامیوں (یعنی سود کو جائز سمجھنے والوں) کی تعداد میں اضافہ اور سود کو حرام کہنے والے کلیسا کے حامیوں کی تعداد میں تیزی سے کمی آئی۔ اور جرمنی کے نظریہ اصلاح کے حامی پروٹسٹنٹ افراد نے اس نظریہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا جبکہ لاطینی زبان بولنے والے کیتھولک مذہب کے ممالک میں اس نظریہ کو آہستہ آہستہ پذیرائی ملی۔

یوں ۱۵۴۵ عیسوی میں انگلستان میں ہنری ہفتم (Henry IIV) نے سود کی مطلق حرمت کے قانون کی بجائے محدود پیمانے پر سود کے جواز کا قانون وضع کیا مگر اس کے زمانے میں سود کو دوبارہ ممنوع قرار دیا گیا۔ جسے ۱۵۷۱ء میں ملکہ الزبتھ نے مکمل طور پر ختم کر دیا۔ (۲)

اٹلی میں لوگوں نے صرّافی کے معاملات، اور پیسہ بیکار پڑا رہنے کے عوض اور دیگر شرعی حیلوں کے ذریعے سود کی حرمت کے قانون کو عملی طور پر ناکارہ کر دیا۔ گالیانی، کہتا تھا کہ: "سود جو کہ نقد رقم کی قیمت ہے دراصل قرض دینے والے کے دل کی دھڑکن کی قیمت ہے"۔ (۳)

سود کے متعلق فرانس کے قانون کو یورپ کا سخت ترین قانون مانا جاتا تھا، جب ہر جگہ "ازالہ نقصان" کے عنوان سے سود کا کھانا جائز سمجھا جاتا تھا اس وقت بھی لوئی چہاردہم (XIV)، تجارتی منافع کو بھی حرام سمجھتا تھا۔ اس کے باوجود سترہویں صدی عیسوی میں فرانس میں تجارتی قرضوں پر سود لینے کا رواج عام تھا اور تاجر حضرات ایک معین مدت کے لئے قرضہ لیتے تھے جبکہ کیتھولک پادری ان کے مقابلے میں سود کے خلاف تقاریر کرتے تھے۔ پیرس کی یونیورسٹی بھی سود کے خلاف بولنے میں پادریوں کے شانہ بہ شانہ تھی۔ یہاں تک کہ لوکورور جو خود بھی سود کو حرام سمجھتے تھے نے ایک نیا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

"مصرفی قرضے مفت اور بغیر منافع کے ہونے چاہئیں، مگر تجارتی قرضوں پر سود لینا جائز ہے"۔

لوئی شانزدہم (XVI) کا وزیر مالیات تورگو، سود کو جائز سمجھتا تھا۔ مگر ۱۷۸۹ عیسوی تک سود کو جائز قرار دینے کا رسمی طور پر کوئی قانون موجود نہیں تھا۔ اسی سال سود کی حرمت کا قانون رسمی طور پر ختم ہوا اور سود کا نرخ پانچ فیصد معین ہوا۔ فرانس کے ملکی آئین میں - جسے اکتوبر ۱۷۸۹ء کے انقلاب کے بعد نپولین کے دور میں ۱۸۰۴ء میں لکھا گیا تھا - سود کے متعلق درج ہے کہ:

---

(۱) مصرف التنمیہ الاسلامی، ص ۱۱۳

(۲) مصرف التنمیہ الاسلامی، ص ۱۱۵

(۳) مصرف التنمیہ الاسلامی، ص ۱۱۵

☆ سادہ قرضے خواہ وہ نقد رقم کی صورت میں ہوں یا اوراق اور منقول اشیاء کی شکل میں سود کی شرط کرنا جائز ہے۔ شق نمبر ۱۹۰۵

☆ شرح سود یا تو قانونی ہے یا پھر قراردادی۔ قانونی سود کا نرخ قانون کے ذریعے معین ہوتا ہے جبکہ قراردادی سود کا نرخ قرارداد کے مطابق ہوگا جو کہ قانون کی اجازت سے قانونی نرخ سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ قراردادی نرخ ہمیشہ لکھی (Written) صورت میں ہونا چاہئے۔ شق نمبر ۱۹۰۷

☆ فرانس کے آئین کے تحت تجارتی معاملات میں قراردادی سود چھ فیصد سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ شق نمبر ۱

☆ حقوقی معاملات میں قانونی سود پانچ فیصد اور تجارتی معاملات میں چھ فیصد ہے۔ شق نمبر ۲ اس قانون میں سود کے متعین نرخ سے تجاوز پر سزائیں بھی درج ہیں۔

ربا کے خلاف آخری جنگ:

اٹھارہویں صدی عیسوی میں سودی نظام کے حامیوں کی بہت بڑی جماعت تشکیل پائی جو سودی معاملات میں مکمل آزادی اور سود کی محدودیت پر مبنی ہر قسم کے قانون کے خاتمہ کی خواہاں تھی۔ چنانچہ مولون نے کھلم کھلا کہا کہ سود ایک اجتماعی ضرورت ہے۔ جبکہ منتسکیو کا کہنا تھا کہ: دوسروں کو مفت قرض دینا اچھا کام ہے، چونکہ اس کام کا حکم دین نے دیا ہے مگر قانون کی رو سے اس پر عمل کرنا ضروری نہیں۔

سود کے طرفداروں کی اکثریت کی وجہ سے بہت کم افراد نے ان کا مقابلہ کرتے ہوئے سود کی حرمت کے قانون کا دفاع کیا۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عیسائیوں کو سود کی لعنت میں گرفتار کرنے میں کلیسا کا نامناسب کردار زیادہ موثر رہا ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق کلیسا کے افراط وتفریط پر مبنی کردار کی وجہ سے لوگوں کو اعتراضات کرنے کا موقع ملا۔

ڈاکٹر عیسیٰ عبدہ اس سوال "اہل مغرب نے سود کی حرمت کے حکم سے روگردانی کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اسے کیوں جائز قرار دیا؟" کے جواب میں کہتے ہیں کہ: "قرون وسطیٰ میں کلیسا نے تجارت کی شدت سے مخالفت کی اور تجارت کو حرام قرار دیا، تجارت سے وابستہ افراد کو ابدی لعن طعن کا مستحق کہا۔ کلیسا کسی چیز کو اس کی قیمت خرید سے زیادہ پر فروخت کرنے کو بھی سود قرار دیتا تھا، لاٹ پادری تجارت کے ذریعے حاصل ہونے والی منفعت کو بھی سود کی طرح حرام سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ کلیسا سے لوگوں کا اعتماد اس وقت اٹھ گیا جب انہیں یہ علم ہوا کہ کلیسا کو نذورات اور عطیات کی مد میں ملنے والی رقوم اور اموال سے پادری مخفیانہ تجارت کرتے ہیں۔ اور جب ۱۸۰۵ عیسوی میں نپولین نے کلیسا کے امور کی چھان بین

کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی تو یہ انکشاف ہوا کہ تجارت اور سود کو حرام کہنے والے کلیسا کے بڑے بڑے پادری، تاجروں اور بحری راستوں کے ذریعے تجارت کرنے والوں کے ساتھ خفیہ لین دین کرتے تھے اور ان کی تجارت میں حصہ دار تھے۔

فلسفیوں اور اقتصادی ماہرین کو جب لاٹ پادریوں کی چوری چھپے تجارت کا علم ہوا تو کلیسا کی طرف سے سود اور تجارت کی حرمت کے حکم کو انہوں نے مسترد کردیا اور بتدریج یورپ میں تجارت کے ساتھ سود کی لعنت بھی عام ہوئی۔

دوسری فصل:

ربا ــــ جزیرۃ العرب میں

یمن میں داخلی جنگوں سے تنگ آکر وہاں کے یہودیوں کے ایک گروہ نے جزیرۃ العرب کے مرکزی شہروں طائف، مکہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اسی طرح فلسطین اور شام میں اندرونی خلفشار کی وجہ سے وہاں کے یہودیوں نے بھی ان شہروں میں رہائش کو ترجیح دی، دولت مند یہودیوں نے ان شہروں میں قرض کے ساتھ تجارتی کے معاملات میں بھی سود لینا شروع کردیا۔ عربوں کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان لالچی یہودیوں کا شمار انتہائی مختصر عرصے میں جزیرۃ العرب کے اہم دولت مندوں میں ہونے لگا اور وہ اقتصادی لحاظ سے عربوں پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

یہودی عربوں کو اجناس اور درہم ودینار بطور قرض دیتے اور ضمانت کے طور پر رہن کا مطالبہ کرتے اور اگر ان کے پاس گروی رکھنے کے لئے کوئی چیز نہ ہوتی تو یہودی قرض لوٹانے تک ان کے بیوی بچوں کو اپنے پاس گروی رکھتے تھے اور مقررہ مدت تک قرض اور اس کا سود ادا نہ کرسکتے تو وہ ان کے بیوی بچوں کو کنیز اور غلام بنا کر فروخت کرتے تھے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ: ایک مرتبہ محمد بن مسلمہ نے ایک مالدار یہودی کعب بن اشرف کے پاس جا کر اپنے اہل وعیال کی خاطر کچھ کھانے پینے کی چیزیں بطور قرض دینے کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ: ہم تمہارے پاس زر ضمانت رکھوانے کے لئے تیار ہیں۔

یہ سن کر کعب کہنے لگا: کیا تم اپنی عورتوں کو گروی رکھواؤ گے؟

محمد بن مسلمہ نے جواب میں کہا: ہم ایسا کیسے کرسکتے ہیں، جبکہ تم یثرب کے خوب صورت ترین مردوں میں سے ہو۔

کعب نے پوچھا: تو کیا تم اپنے بیٹوں کو گروی رکھواؤ گے؟

محمد بن مسلمہ نے کہا: معلوم ہوتا ہے تم ہمیں ذلیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو اور چاہتے ہو کہ لوگ

ہمیں کھانے کے بدلے بیٹوں کو گروی رکھوانے کا طعنہ دیں۔ (۱)

جزیرۃ العرب میں صرف یہودی ہی نہیں بلکہ عیسائی بھی سودی لین دین کرتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کے بعد نجران کے عیسائیوں کے ساتھ اپنے صلح نامے میں یہ شرط رکھی تھی کہ عیسائی آج کے بعد سود نہیں کھائیں گے۔ مگر عیسائی اپنی اس مذموم عادت سے باز نہ آئے یہاں تک کہ خلیفہ ثانی نے انہیں مدینہ سے باہر نکال دیا۔ (۲)

عربوں میں سود کو رواج دینے والے یہودی اور عیسائی تھے۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں کی دیکھا دیکھی آہستہ آہستہ وہ مسلمان خود بھی اس لعنت میں گرفتار ہوئے اور جزیرۃ العرب کے بیشتر شہروں، مکہ، مدینہ، طائف، خیبر اور وادی قریٰ میں اسے فروغ دیا۔ عربوں میں سود اتنا عام ہوا کہ ہر بڑے تجارتی قافلے کا ایک بڑا حصہ ضرور سودی لین دین کے سرمایہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ عربوں میں سود کی کمائی کا رواج اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جب اسلام نے سود کو حرام قرار دیا تو وہ بے ساختہ بول اٹھے کہ: اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا "تجارت بھی تو نفع کے لحاظ سے سود جیسی ہے" یعنی ان کا کہنا تھا کہ تجارت اور سود ایک چیز ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ سود کو اقتصادی معاملات سے جدا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سود اس سرمایہ کی اجرت ہے جو ہم تاجر کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ (۳)

البتہ عرب کے سو فیصد لوگ سود خوری کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خود بھی کبھی سودی معاملات کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود اسے ایک ناپسندیدہ فعل سمجھتے تھے۔ مثال کے طور پر جب خانہ کعبہ کی دیواریں خراب ہوئیں تو قریش نے صرف ان لوگوں سے مدد طلب کی جن کے اموال سود سے پاک تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حرام مال سے خانہ کعبہ کی تعمیر نہیں کرنی چاہئے۔ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں محمد بن اسحاق سے اور وہ چند واسطوں سے ابو وہب بن عائذ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے موقع پر کہا:

"اے قبیلہ قریش! کعبہ کی تعمیر صرف پاک اور حلال سے کرنا اور جو مال تم اس کی تعمیر میں خرچ کر رہے ہو وہ مہر یہ، سود، غصبی اور زبردستی چھینا ہوا مال نہ ہو۔" (۴)

---

(۱) صحیح بخاری، جلد ۲، جزء ۳، ص ۱۱۶

(۲) الاموال، ابو عبید، ص ۲۰۲، فتوح البلدان، بلاذری، ص ۷۶، ۷۷

(۳) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جلد ۷، ص ۴۲۶

(۴) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۰۵

جزیرۃ العرب کے مشہور سودی لین دین کے مراکز

(۱) مکہ:

مکہ میں قریش کے دولت مند اپنی دولت میں اضافہ کے لئے، عام لوگ اپنی روزمرہ کی ضروریات پورا کرنے اور تاجر اپنے کاروبار میں وسعت کے لئے سود پر قرضہ دیتے اور لیتے تھے۔ جب اسلام نے سود کو حرام قرار دیا تو وہ دنگ رہ گئے اور چاہتے تھے کہ یہ حکم اپنے زور بازو سے منسوخ کریں۔ (۱)

تاریخ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے کچھ ایسے اصحاب کا بھی نام ملتا ہے جو اسلام سے قبل سودی لین دین کرتے تھے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم یہاں کریں گے:

عباس بن عبدالمطلب اور خالد بن ولید دور جاہلیت میں تجارتی شراکت دار تھے۔ وہ مکہ والوں اور قبیلہ ثقیف کی شاخ بنی عمر بن عمیر کو سودی قرضہ دیتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت ان کے اموال کا ایک بڑا حصہ ان لوگوں کے پاس بطور قرض دیا ہوا تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہیں صرف اصل مال واپس لینے کا حکم دیا۔ (۲)

حضرت عثمان بن عفان اور عباس بن عبدالمطلب کھجور کے مشہور بیوپاری تھے۔ وہ لوگوں سے ٹھیکے پر کھجور خریدتے تھے اور جب کھجور پک کر جمع کرنے کا وقت آتا تھا تو کھجوروں کے مالک ان کے پاس آکر نصف کھجور اسی سال اور دوسرے نصف کو اگلے سال دگنا کرکے دینے کی پیشکش کرتے جسے وہ قبول کرتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور انہیں اگلے سال صرف نصف مال لینے کا حکم دیا۔

سودی قرضوں کے متعلق مکہ والوں کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مقروض اگر قرض لوٹا دینے کی سکت نہیں رکھتا تو وہ مہلت میں اضافہ کے ساتھ اصل مال اور شرح سود میں مزید اضافہ کرتے تھے۔ (۳)

۲۔ طائف:

طائف مکہ کے جنوب مشرق میں واقع ایک قریہ تھا، تاجر طائف سے کھجور، کشمش، شراب، گندم اور لکڑیاں مکہ درآمد (Export) کرتے تھے۔ اور شام و یمن سے مال مکہ لے آتے تھے۔ ان کے یہ

---

(۱) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جلد ۷، ص ۳۲۱ (۲) روح المعانی، جلد ۳، ص ۵۲؛ مجمع البیان، جلد ۱، ص ۳۹۲

(۳) التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۹۹

معاملات زیادہ تر سودی ہوتے تھے۔اس کے بعد یمن سے ترک وطن کر کے طائف آنے والے یہودیوں نے سودی معاملات کی ترویج میں مزید اضافہ کیا۔

طائف اور اس کے گرد ونواح میں سکونت پذیر قبیلہ ثقیف، سودی معاملات میں سب سے آگے تھا۔ قبیلہ ثقیف کے لوگ عباس بن عبدالمطلب اور خالد بن ولید سے سود پر قرض لیتے اور بنی مغیرہ بن عبداللہ بن عمیر بن مخزوم کے لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے۔

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثقیف پر فتح پائی تو ان کا ایک وفد مسلمان ہونے کی غرض سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ:

سود کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سود حرام ہے۔

اس نے کہا: ہمارا تمام مال سود کی کمائی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم صرف اپنا اصل سرمایہ حاصل کر سکتے ہو۔(۱)

۳۔ مدینہ:

مدینہ کی آب وہوا زراعت کے لئے بہت سازگار تھی، اسلام سے پہلے اہل مدینہ کا مشغلہ کاشت کاری، باغبانی اور مال مویشی پالنا تھا جس کی وجہ سے یہودی مہاجرین دوسرے شہروں کی نسبت مدینہ میں رہائش پذیر ہونے کو ترجیح دیتے تھے۔چنانچہ انتہائی مختصر عرصہ میں یہودی مدینہ کے اہم اقتصادی وتجارتی مراکز پر چھا گئے۔یہودی کھانے پینے کی اشیاء اور درہم و دینار اہل مدینہ کو بطور قرض دیتے اور ان سے بہت زیادہ سود وصول کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ: مدینہ کے ایک شخص نے ایک یہودی سے اسی (۸۰) دینار ایک سال کے لئے قرض لیا اور چالیس (۴۰) دینار اسے سود ادا کرنا پڑا۔(۲)

مدینہ کے باسیوں نے (چاہے وہ یہودی ہوں یا دیگر عرب) سود کے ذریعے مال و دولت کے انبار لگا ئے تھے۔قبیلہ اوس کے سرداروں میں ایک احیحة بن الجلاح اپنے ہی خاندان والوں سے سود لیتا تھا۔

---

(۱) المغازی، جلد۳، ص ۹۶۷

(۲) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جلد ۷، ص ۴۳۲

اس کے خاندان والے اس کے سودی جال میں اس طرح پھنس چکے تھے کہ وہ عنقریب ان کی تمام جائداد پر قبضہ کرنے والا تھا۔لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ اسکی مقروض ہوتی تھی۔(۱)

ربائے جاہلیت کی حقیقت:

موجودہ صدی کے اوائل میں بعض مسلمان دانشوروں نے یہ بحث چھیڑی کہ: اسلام دور جاہلیت میں رائج سود کو حرام قرار دیتا ہے اور کم مقدار والے سود کو جو آج کل رائج ہے حرام قرار نہیں دیتا، کیونکہ جاہلی ربا میں سود کی مقدار بہت زیادہ ہوتی تھی اور چند سال کے بعد سود اصل رقم سے کئی گنا زیادہ ہو جاتا تھا، چنانچہ کم سود لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ان کا کہنا تھا کہ: دور جاہلیت میں سود کی شرح میں اضافہ صرف قرض کی مہلت میں توسیع کی خاطر ہوتا تھا جو آج کل کے کئی فیصد سود پر صدق نہیں آتا۔ انہوں نے اپنے اس دعوئی کو ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث اور تاریخی کتب سے مدد لینے کی لاحاصل کوششیں کیں اور اسلامی منابع کی گہری تحقیق کئے بغیر اپنے نظریات پر باقی رہے۔

اس بحث کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم قرآن و حدیث اور تاریخی متون کی مدد سے اسلام سے پہلے عربوں میں رائج سود کی حقیقت اور اصل شکل کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے اور دستیاب شواہد کو بیان کرتے ہوئے ایک دو مثال پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

ربائے جاہلیت کی حرمت سے کسی کو انکار نہیں، اکثر مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً .

"اے ایمان والو دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ"۔(۲)

دور جاہلیت کے سود کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس آیت کے ذریعے خداوند عالم نے دور جاہلیت میں رائج سود سے منع فرمایا ہے۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے مشہور خطبے میں ارشاد فرمایا کہ:

أَلَا إِنَّ الرِّبَا مِنْ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ
لَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَ لَا تُظْلَمُونَ .

---

(۱) مکہ و مدینہ فی الجاہلیۃ و عہد الرسول، ص ۳۶۸، ۳۶۹؛ وضع مالی مسلمین از آغاز تا پایان دوران اموی، ص ۹۰، ۹۱

(۲) سورہ آل عمران ۔آیت ۱۳۰

جان لو! آج کے بعد جاہلیت والے سود کا ادا کرنا تم پر لازم نہیں، تم صرف اپنا اصل سرمایہ لے سکتے ہو، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے"۔ (۱)

اس حدیث کے مطابق بھی جاہلی سود کا ممنوع اور حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اسلامی ماخذ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف حد سے زیادہ یعنی اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً "دگنا چگنا" سود لینا یا پھر صرف قرض کی مہلت میں اضافہ کے بدلے لئے جانے والا سود ہی جاہلی سود نہیں بلکہ سود کی درج ذیل تمام اقسام بھی ربائے جاہلیت کے زمرے میں آتی ہیں:

۱۔ یہودیوں میں رائج سود:

قرآن مجید میں خداوند عالم نے سود لینے کو یہودیوں کی نافرمانیوں کی ایک دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
كَثِيْرًا وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
وَ اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا.

"ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں، حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے اور باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے۔ اور لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔ ان میں سے جو کافر ہیں' ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (۲)

قرینہ نہ ہونے کی صورت میں کلمہ "الرِّبٰوا" پر آنے والا "ال" الف لام عہد کہلاتا ہے، چنانچہ اس آیہ شریفہ میں "الرِّبٰوا" سے مراد وہی سود ہے جو یہودیوں پر حرام ہوا تھا اور وہی دور جاہلیت میں عربوں میں بھی رائج تھا ورنہ قرآن یہودیوں کے درمیان رائج سود کی وضاحت کے لئے کوئی قرینہ بھی بیان کرتا۔ یہودیوں میں جو سودی نظام ہمیشہ سے رائج رہا ہے وہ قرضہ پر سود لینا ہے۔ جزیرۃ العرب میں سود کو رواج دینے والے ہی یہودی تھے جو فلسطین اور یمن سے ہجرت کر کے یہاں آ کر بس گئے تھے۔ چنانچہ دورِ جاہلیت میں رائج سودی نظام' یہودیوں کے درمیان رائج سودی نظام ہی تھا۔

---

(۱) سنن ابی داود، کتاب البیوع، جلد ۳، ص ۲۴۴، باب فی وضع الرباء، ح ۳۳۳۴، الدر المنثور، جلد ۱، ص ۳۶۷، مصنف جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی

(۲) سورہ نساء۔ آیات ۱۶۰، ۱۶۱

۲۔ مسیحیوں میں رائج سود

جب نجران کے عیسائیوں نے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ معاہدے پر دستخط کئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کے سامنے چند شرائط رکھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ:

اَنْ لَّا یَاْکُلُوا الرِّبَا فَمَنْ فَعَلَ ذَالِکَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَ ذِمَّۃُ رَسُوْلِہٖ.

کہ وہ (یعنی عیسائی) سود نہیں کھائیں گے اور جس نے ایسا کیا اس سے اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہوں گے۔(۱)

مگر عیسائی سود خوری کی اپنی پرانی عادت سے باز نہ آئے، اور اس عہد کو نہ نبھا سکے، اس لئے بعد میں خلیفہ دوم نے انہیں مدینہ سے نکال دیا۔(۲)

ظاہر ہے عیسائیوں کے درمیان رائج سود بھی دور جاہلیت ہی کا سودی نظام تھا جسے اسلام نے حرام قرار دیا ورنہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے ان سے سود نہ کھانے کا عہد لینے اور بعد میں حضرت عمر کے لئے انہیں مدینہ بدر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

مستند تاریخی کتابوں کے مطابق عیسائیوں کے درمیان رائج سود، جسے توریت وانجیل نے حرام کیا تھا، قرض پر لینے والا سود ہی تھا۔

۳۔ قرض کے ساتھ مشروط سود:

ابوبکر جصاص متوفی (۳۷۰ھ) دور جاہلیت کے سود کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے: ”عرب میں عام طور پر سود کا یہ طریقہ کار متعارف تھا کہ طرفین اپنی رضا مندی سے اضافی رقم کے ساتھ لوٹانے کی شرط پر معین مدت کے لئے درہم و دینار قرض پر دیتے تھے۔“(۳)

'کیا ھراسی' متوفی (۵۰۴ھ) کہتا ہے:

”خدا نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کی ایک قسم دور جاہلیت میں رائج سود تھا کہ لوگ درہم و دینار کو اضافہ کے ساتھ لوٹانے کے عوض بطور قرضہ دیتے تھے۔“(۴)

---

(۱) جامع احادیث شیعہ، جلد ۱۸، ص ۱۹۸؛ مکاتیب الرسول، ص ۳۲۱؛ الاموال، ص ۲۰۲، ح ۵۰۳

(۲) الاموال، ص ۲۰۲، ح ۵۰۳؛ فتوح البلدان، ص ۷۶، ۷۷

(۳) احکام القرآن مصنف ابوبکر جصاص، جلد ۲، ص ۱۸۴

(۴) احکام القرآن، کیا ہراسی، جلد ۱، ص ۲۳۲

بصاص ایک اور جگہ لکھتا ہے:

" جاہلی سود، معین مدت کے لئے دیئے گئے قرضے پر رائج سود تھا جس میں اصل رقم سے زیادہ لوٹانے کی شرط ہوتی تھی۔ یہ اضافہ مدت کے بدلے ہوتا تھا، یہاں تک کہ خداوند عالم نے اسے باطل قرار دیا"۔ (۱)

۴۔ ماہانہ ادائیگی کے ساتھ مشروط سود:

فخرالدین رازی متوفی (۶۰۶ ھ) اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

" دور جاہلیت میں جو سود عام تھا وہ "سود نسیہ (ادھار)" تھا۔ یعنی وہ ہر ماہ ایک معین مقدار میں رقم دینے کی شرط پر دوسروں کو اپنا مال بطور قرض دیتے تھے۔ جبکہ اصل مال مقررہ وقت تک مقروض کے پاس رہتا تھا۔ مقررہ مدت ختم ہونے پر مالک اپنے اصل مال کا مطالبہ کرتا تھا جسے اگر مقروض لوٹانے کی سکت نہ رکھتا تو وہ سود کی مقدار میں اضافہ کرتا تھا اور اس کے بدلے مقروض کو مزید مہلت دیتا تھا۔ دور جاہلیت میں لوگ یوں معاملات طے کرتے تھے۔" (۲)

۵۔ بیع نسیہ اور سود:

قتادہ کہتا ہے:

" دور جاہلیت میں لوگ اجناس نسیہ کے طور پر فروخت کرتے تھے، ادائیگی کے وقت مطلوبہ قیمت ادا نہ کر سکنے کی صورت میں خریدار اس کی قیمت میں اضافہ کرتے اور مالک ادائیگی کی مہلت کو بڑھا دیتے تھے"۔ (۳)

---

(۱) احکام القرآن مصنف ابوبکر بصاص، جلد ۲، ص ۱۸۶

(۲) التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۹۲

(۳) الجامع فی اصول الربا، مصنف رفیق یونس مصری، ص ۲۵؛ الدر المنثور، جلد ۱، ص ۳۶۵؛ موطا مالک بن انس، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، جلد ۲، ص ۶۷۲

maablib.org

۶۔ بیع سلف میں سود:

عطاء اور عکرمہ کہتے ہیں کہ آیت:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبَا اِنْ کُنْتُمْ مُؤمِنِیْنَ ۔

''ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم صاحبانِ ایمان ہو۔'' (۱)

عثمان بن عفان اور عباس بن عبد المطلب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بطور سلف (مال لینے سے پہلے ادائیگی کے ساتھ) کھجور خریدتے تھے اور جب کھجوروں کو چننے کا وقت آتا تھا تو کھجوروں کا مالک ان کے پاس آکر اپنی مجبوری بیان کرتا کہ یکمشت ساری کھجور انہیں دینے کی صورت میں اس کے اہل و عیال کے لئے کچھ نہیں بچے گا، چنانچہ وہ نصف مال اسی وقت اور دوسرے نصف کو ایک سال بعد دگنا کر کے دینے کی پیشکش کرتا جسے وہ قبول کرتے تھے اور سال بعد دوسرے نصف کا دوگنا وصول کرتے تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور خدا نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ان دونوں نے صرف اصل مال واپس لینے پر اکتفا کیا۔ (۲)

۷۔ حیوانات میں ''عمر رسیدہ'' کا مطالبہ:

زید بن اسلم مدنی متوفی (۱۳۶ھ) لکھتے ہیں: ''دور جاہلیت میں سود، اونٹوں کی عمر میں اضافہ کی شکل میں بھی رائج تھا۔ اگر کسی شخص کو کسی سے اونٹ وغیرہ لینا ہوتا تو وقت مقررہ پر وہ مقروض سے کہتا کہ: ابھی قرض ادا کرو گے یا پھر اس جانور کی عمر میں اضافہ کرو گے؟ مقروض کے پاس اگر اونٹ ہوتا تو وہ اسے دے دیتا، ورنہ اس سے مزید مہلت طلب کرتا تھا اس کے بدلے آئندہ اس سے بڑی عمر کا اونٹ دینے کا وعدہ کرتا، مثال کے طور پر اگر اسے بنت مخاض (ایسا اونٹ جو دوسرے سال میں ہو) دینا تھا تو وہ آئندہ مہلت ختم ہونے پر بنت لبون (ایسا اونٹ جو تیسرے سال میں ہو) دینے کا پابند ہوتا۔ اور اگر مقررہ وقت پر اسے بھی نہیں دے سکتا تو حقہ (ایسا اونٹ جو چوتھے سال میں ہو) دینا پڑتا، ایک سال کے بعد جزعہ (ایسا اونٹ جو چار سال مکمل کر چکا ہو) دینا ہوتا۔ یوں یہ سلسلہ اسی حساب سے آگے بڑھتا رہتا تھا''۔ (۳)

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت۔ ۲۷۸

(۲) اسباب النزول، علی بن احمد نیشاپوری، ص ۵۹؛ تفسیر البغوی، تحقیق خالد عبد الرحمن و مروان سوار، جلد ۱، ص ۲۶۳

(۳) جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۳، ص ۵۹؛ المنار، جلد ۳، ص ۱۲۳

maablib.org

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اونٹ اور دیگر حیوانات کو معین مدت کے لئے قرضہ کی صورت میں دوسروں کو دینے کا رواج تھا اور واپس لیتے وقت ایک سال بڑے جانور لیتے تھے۔

۸۔ مدت مہلت میں اضافہ پر سود:

بیضاوی اپنی تفسیر میں ربائے جاہلیت کے متعلق لکھتے ہیں: ''لوگ معینہ مدت کے لئے اپنا مال قرض پر دیتے تھے اور وصولی کے وقت ان کی مقدار میں اتنا اضافہ کرتے تھے کہ معمولی رقم کے بدلے مقروض کی تمام جائداد پر قبضہ کر لیتے تھے۔''(۱)

ابن جریر طبری اس آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً .

"اے ایمان والو؛ دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ"۔ (۲)

کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ:

'' ایمان والو! جو سود تم دور جاہلیت میں کھاتے تھے اسے مت کھاؤ، دور جاہلیت میں مقررہ مدت ختم ہونے پر قرض خواہ مقروض سے اپنے مال کا مطالبہ کرتا تھا تو مقروض کہتا تھا، مجھے مزید مہلت دو میں بعد میں تمہارے اصل مال پر کچھ اضافہ کر کے دوں گا تو قرض خواہ اس کی پیشکش کو قبول کرتا تھا''۔ (۳)

۹۔ مہلت میں اضافہ کے عوض مال کو دگنا ادا کرنا:

دور جاہلیت کے سود کی وضاحت کرتے ہوئے زید بن اسلم لکھتے ہیں: '' اگر مقررہ وقت پر مقروض، قرضہ کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا تو دونوں کی رضامندی سے مزید مہلت دینے کے عوض قرض کی مقدار میں دگنا اضافہ کرتے تھے۔ اگلے سال پھر اسی طرح ہوا، مثلاً اگر کوئی سو (۱۰۰) درہم کا مقروض ہوتا اور مقررہ وقت پر اسے ادا نہ کر پاتا تو دوسو (۲۰۰) درہم دینے کی شرط پر ایک سال کی مزید مہلت حاصل

---

(۱) انوار التنزیل واسرار التاویل، ص ۲۸۸ ذیل آیہ ۱۳۰ سورہ آل عمران

(۲) سورہ آل عمران۔ آیت ۱۳۰

(۳) جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۴، ص ۵۹

کر لیتا۔ دوسرے سال بھی ادا نہ کرسکنے کی صورت میں چار سو (۴۰۰) درہم دینے کی شرط کے ساتھ ایک اور سال کی مزید مہلت مانگ لیتا تھا۔اسی طرح جب تک قرض کی رقم ادا نہیں ہوتی اس کی مقدار میں دگنا اضافہ ہوتا رہتا تھا۔'' (۱)

۱۰۔ روزمرّہ ضروریات کے لئے لینے والے قرضوں پر سود:

عرب میں ضرورت مند لوگ انتہائی مجبوری کے وقت قرضے لیتے تھے۔وہ عام طور سے کھانے کی چیزیں جیسے گندم، جو، کھجور وغیرہ ادھار پر حاصل کرتے تھے۔ امیر انھیں اضافی مقدار کے ساتھ لوٹانے کی شرط پر ادھار دیتے تھے۔تاجر اپنے مال ودولت میں اضافے کے لئے درہم ودینار قرض پر لیتے تھے۔بخاری کے مطابق مدینہ کے لوگ زیادہ سود کے ساتھ لوٹانے کی شرط پر یہودیوں سے درہم ودینار اور کھانے کی چیزیں ادھار لیتے تھے۔یہاں تک کہ ایک انصاری نے کسی یہودی سے اسّی (۸۰) دینار ادھار لیا اور ایک سال کی مدت میں اسے پچاس فیصد سود ادا کرنا پڑا۔'' (۲)

۱۱۔ تولیدی اور تجارتی قرضوں پر سود:

تجارتی اور کاروباری مقاصد کے لئے سود پر قرضہ لینے کا رواج دور جاہلیت کے عربوں میں عام تھا۔
طبری لکھتے ہیں کہ:

'' دور جاہلیت میں دولت مند افراد اپنی دولت میں اضافے کے لئے دوسروں کو قرضے دیتے تھے۔اس دور میں قرض کا یہی طریقہ کار تھا۔اس مطلب کو ابراہیم نخعی نے بھی نقل کیا ہے'' (۳)

گذشتہ مباحث میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ مکّہ کے بعض افراد قریش کے تجارتی قافلوں میں شریک ہونے کے لئے قرضے لیتے تھے۔ یہ واضح سی بات ہے کہ مکہ کے دولت مند کسی کو قرض حسنہ دینے پر تیار نہیں ہوتے تھے۔اس کے علاوہ بنی ثقیف کے اسلام لانے کے واقعہ کے ضمن میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب بنی ثقیف کو اسلام میں سود کی حرمت کا علم ہوا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں عرض

---

(۱) جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۳، ص ۵۹؛ المنار، جلد ۳، ص ۱۲۳

(۲) المفصّل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جلد ۷، ص ۴۳۳

(۳) المفصّل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جلد ۷، ص ۴۲۸

کرنے لگے کہ:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے تمام اموال سود کے ذریعے حاصل کئے ہوئے ہیں''۔

انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسلام لانے کی شرط رکھی کہ:

''ان پر واجب الادا دوسروں کے سود کو باطل قرار دیا جائے جبکہ ان کا دوسروں پر واجب الادا سود وہ وصول کریں گے''۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ شرط قبول نہیں فرمائی۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی ثقیف آج کل کے بینکوں کی طرح ایک جانب تو خود سود پر قرضے لیتے تھے اور دوسری جانب لوگوں کو سود پر قرضے دیتے تھے۔اس کے علاوہ ''سنت میں سود کی حیثیت'' کے باب میں ہم ائمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول روایات بیان کریں گے کہ جب ائمہ طاہرین علیہم السلام سے تجارت کے لئے سود پر قرضہ لینے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اسے ناجائز قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب، تجارتی مقاصد کے لئے بھی قرضے لیتے تھے۔

نتیجہ:

مذکورہ مطالب کو پڑھنے کے بعد ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جزیرۃ العرب میں دور جاہلیت اور دوسرے معاشروں میں رائج سود میں کوئی فرق نہیں تھا۔مجموعی طور پر یہ سب دو طریقوں سے سود لیتے تھے۔

۱۔ قرض پر

۲۔ قرض کی مہلت میں اضافہ پر

سودی قرضوں میں ایک خاص مدت کے لئے اموال بطور قرض دیتے تھے۔اس کے بدلے راس المال سے کچھ زیادہ لوٹانے کی شرط کرتے تھے اور وہ ''اضافہ'' طرفین کی رضامندی سے طے ہوتا تھا جسے معاہدے کے مطابق یکمشت یا پھر ماہانہ ادا کیا جاتا تھا۔

مہلت میں توسیع کے عوض لینے والے سود کی نوعیت کچھ اس طرح ہوتی تھی کہ جب کوئی شخص بیع نسیہ (اُدھار)، سلف، قرض یا دیگر اسباب کی وجہ سے دوسرے کا مقروض ہوتا اور مقررہ وقت پر قرضہ ادا نہیں کرسکتا تھا تو ادائیگی کی مہلت میں اضافہ کے بدلے اصل قرض میں اضافہ کی شرط قبول کرتا تھا۔

maablib.org

(۱) درّ المنثور، جلد ۱، ص ۳۶۴، ۳۶۶

دوسرا باب:

ربا قرآن و سنّت میں

فصل اوّل :

ربا قرآن کی نظر میں

ربا کا لغوی معنی :

اردو لغت میں ربا، بڑھنا یا "زیادہ ہونے" کے معنی میں ہے۔ (۱)

فارسی میں یہ لفظ — نشوونما پانے، زیاتی اور منافع جسے قرض دینے والا مقروض سے وصول کرتا ہے اور اضافہ یا بڑھا کر لینے کے معنی میں آیا ہے۔ (۲)

ربا چونکہ عربی لفظ ہے اس لئے ہم اس لفظ کے معنی میں تحقیق کے لئے عربی لغت سے مدد لیتے ہیں۔ لفظ "ربا" کا اصلی مادّہ "ربو" ہے۔ اہل عرب کسی چیز کی مقدار یا حجم میں اضافہ پر "ربا الشیء" کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مال میں جب اضافہ ہوتا ہے تو "ربا المال" کہتے ہیں، زیادہ دوڑنے کی وجہ سے جب گھوڑے کے اعضاء سوج جاتے ہیں اس وقت "ربا الفرس" اور زمین پر نظر آنے والی بلندیوں اور ابھار کو "ربوۃ" کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں لفظ ربا کے مشتقات زیادہ بڑھ جانے، ابھرنے، پھولنے اور اوپر آنے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۝

"پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہوجاتی ہیں اور ابھرنے لگتی ہیں۔" (۳)

---

(۱) اظہر اللغات اردو

(۲) فرہنگ فارسی، محمد معین، جلد ۲، ص ۲۰۲۵؛ لغت نامہ دہخدا، جلد ۲۶، ص ۲۳۶، جلد ۲۵، ص ۳۵۶

(۳) سورہ حج۔ آیت۔ ۵

٢۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰا وَ يُرْبِی الصَّدَقٰتِ ○

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔'' (۱)

٣۔ ...... فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ○

''اسی نے آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالہ پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا'' (۲)

٤۔ ...... اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ○

''کیا تم اپنے معاہدے کو اس چالاکی کا ذریعہ بناتے ہو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرے۔'' (۳)

٥۔ ...... وَّ اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ○

''اور ہم نے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ اور ان کی ماں کو اپنی نشانی بنایا تھا اور ان کو ایک اونچی جگہ پر پناہ دی جو رہنے کے لائق تھی اور وہاں پانی جاری تھا۔'' (۴)

قرآن مجید میں کلمہ ''ربا'' اصل سرمایہ پر اضافہ ہونے والے اموال کے معنی میں بھی آیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

''ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم صاحبانِ ایمان ہو۔'' (۵)

قرآن مجید مال میں ایک خاص طریقے سے اضافہ کرنے کو منع کرتا ہے۔ تجارت کے ذریعے اپنے مال میں اضافہ کرنے سے شارع مقدس نے نہ صرف منع نہیں کیا ہے بلکہ اسکی تشویق و ترغیب دلائی ہے۔ ظہور اسلام سے قبل عرب ربا اور خرید و فروخت کے درمیان کسی فرق کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ ربا کو خرید و فروخت ہی کا ایک حصہ سمجھتے تھے جبکہ اسلامی شریعت ''خرید و فروخت'' اور ''ربا'' میں واضح فرق بیان کرتی ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ○

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۔ ۲۷۶ (۲) سورہ رعد، آیت ۱۷

(۳) سورہ نحل، آیت ۹۲ (۴) سورہ مومنون، آیت ۵۰

(۵) سورہ بقرہ، آیات ۲۷۸، ۲۷۹

maablib.org

''وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو نفع کے لحاظ سے ویسی ہی ہے جیسے سود لینا۔
حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' (۱)

قرآن میں ربا کی حرمت کا قانون:

ربا کی حرمت کے مسئلہ میں محققین میں اختلاف ہے۔ایک گروہ کا کہنا ہے کہ صدر اسلام کے وقت جزیرۃ العرب میں سود خوری کی عادت اس قدر جڑ پکڑ چکی تھی کہ فوراً اسے حرام قرار دینا اسلام کے لئے ممکن نہیں تھا۔جس کی وجہ سے خدا نے ظہور اسلام کے ساتھ مختلف آیات کے ذریعے سود کے دائرہ کو محدود کیا اور آہستہ آہستہ حرمت کے حکم کے لئے ماحول سازگار بنایا۔

اس نظریے کو''نظریہ تدریجی'' کے نام سے ۱۳۲۶ ھ میں سب سے پہلے استاد خلیل نے قاہرہ میں پیش کیا۔اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر عبداللہ دراز نے پیرس(Paris) کے ایک کانفرنس میں اس کی وضاحت کی اور''الربا فی نظر القانون الاسلامی'' نامی کتاب لکھ کر اسے مزید پھیلایا۔اس کے بعد بہت سے دوسرے دانشوروں نے ان کی پیروی یا اپنی تحقیق کے ذریعے اس نظریے کو قبول کرلیا۔(۲)

نظریہ تدریجی کے محققین،تشریع حرمت ربا کے مراحل کے متعلق اختلاف رائے رکھتے ہیں۔بعض تین مراحل (۳) تو بعض چار (۴) اور بعض پانچ مراحل (۵) کے قائل ہیں۔مگر سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سود کی حرمت کا حکم بھی شراب کی طرح تدریجی تھا۔جس کا آغاز وعظ و نصیحت سے ہوا،پھر جزئی صورت میں اس کے حرام ہونے کا اعلان اور آخر میں مکمل طور پر حرام قرار دیا گیا۔ان کے برخلاف دانشوروں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت کا حکم ایک ہی دفعہ مکمل طور پر آیا ہے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ،آیت ۲۷۵

(۲) تفسیر المراغی،احمد مصطفی مراغی،جلد ۱،حصہ ۳،ص ۵۹،۶۰؛ مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی،جلد ۳،ص ۲۰۰؛ روائع البیان تفسیر آیات الاحکام،محمد علی صابونی،جلد ۱،ص ۳۸۹؛ تفسیر المنیر،وہبہ زحیلی،جلد ۳،ص ۹۱،۹۲؛ بحوث فی الربا،ص ۲۵؛ الربا فی التشریع الاسلامی،ص ۹؛ الربا والقرض فی الفقہ الاسلامی،ابو سریع محمد عبد الہادی،ص ۲۱؛ مصرف التنمیہ الاسلامی،ص ۱۲۵؛ الاستثمار فی الاقتصاد الاسلامی،عبد اللطیف مشہور،ص ۱۶۱؛ المذہب الاقتصادی فی الاسلام،جعفر عباس حاجی،ص ۶۳۵

(۳) بحوث فی الربا،ص ۲۵

(۴) الربا فی نظر القانون الاسلامی،محمد عبداللہ دراز،ص ۱۹

(۵) الاستثمار فی الاقتصاد الاسلامی،ص ۱۶۱

پہلے گروہ نے قرآنی آیات کو تاریخی اعتبار سے مرتب کر کے، مختلف تفسیر کے ذریعے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی اور سود کی حرمت کو تدریجی قرار دینے کی لا حاصل سعی کی مگر شواہد اور عصر حاضر کے مفسرین قرآن ان کے نظریے کو رد کرتے ہیں۔ سود کے متعلق بعض قرآنی آیات کی تفسیر کے ذیل میں انہوں نے کچھ ایسی باتیں کی ہیں کہ آج تک کسی مفسر نے اس معنی کا احتمال بھی نہیں دیا ہے۔ (۱)

سود کی حرمت کے حکم کو تدریجی قرار دینے والوں کے نظریے کو دوسرے شواہد کے علاوہ اصول کافی کی یہ روایت بھی رد کرتی ہے جسے سماعہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے، سماعہ کہتا ہے:

قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنِّي رَاَيْتُ اللّٰهَ تَعَالىٰ قَدْ ذَكَرَ الرِّبَا
فِي غَيْرِ آيَةٍ وَ كَرَّرَهُ، فَقَالَ: اَوَ تَدْرِيْ لِمَ ذَاكَ؟ قُلْتُ: لَا،
قَالَ: لِئَلَّا يَمْتَنِعَ النَّاسُ مِنْ اِصْطِنَاعِ الْمَعْرُوْفِ.

''میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا نے ربا کے مسئلے کو کئی بار قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم اس کی وجہ جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے تاکہ لوگ ''قرض حسنہ'' جیسے امور خیر کو ترک نہ کریں''۔ (۲)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ربا کی حرمت کے حکم کی تکرار کی وجہ صرف اس کی حرمت کی تاکید اور اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

بہرحال ہم سود کے متعلق نازل ہونے والی آیات کو نظریہ تدریج کے ماننے والوں کے عقیدے کے مطابق ترتیب وار بیان کریں گے اور ہر آیت کی تفسیر بیان کرنے کے ساتھ اس نظریہ کا تنقیدی جائزہ بھی لیں گے۔

پہلا گروہ آیات ربا کو تاریخی اعتبار سے اس طرح ترتیب دیتا ہے۔

الف: سورہ مدثر آیت ۶ — ب: سورہ روم آیت ۳۹

ج: سورہ نساء آیت ۱۶۰ — د: سورہ آل عمران آیت ۱۳۰

ھ: سورہ بقرہ آیات ۲۷۵ تا ۲۸۱

---

(۱) سورہ روم کی آیہ ۳۹ کا جو معنی انہوں نے مراد لیا ہے، اسے آج تک کے کسی بھی مفسر نے اس معنی کا احتمال تک نہیں دیا ہے۔

(۲) الفروع من الکافی، محمد بن یعقوب کلینی، جلد ۵، کتاب المعیشۃ، باب الربا، ص ۱۳۶، حصہ ۷

الف : سورہ مدثر آیات ۲ تا ۶ :

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝
وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

''اے چادر لپیٹے رکھنے والے۔اٹھو اور ہدایت کرو اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو،
اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور ناپاکی سے دور رہو اور اس نیت سے احسان نہ کرو کہ
اس سے زیادہ کے طالب رہو اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کرو''۔(۱)

تاریخ وشان نزول :

بعض علماء کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ''سورہ مدثر'' کی پہلی سات آیات نازل ہوئی تھیں۔جبکہ کچھ کہتے ہیں کہ ''سورہ علق'' کے بعد ہی ''سورہ مدثر'' کی پہلی سات آیات نازل ہوئی تھیں۔ان کے علاوہ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ: دعوت اسلام کے عام ہونے کے بعد نازل ہونے والی آیات میں ''سورہ مدثر'' کی پہلی سات آیات کو اولیت حاصل ہے۔(۲)

سورہ مدثر کی آیات کے کئی شان نزول بیان ہوئے ہیں۔ان میں آیات کے سیاق و سباق کے مطابق قریب ترین تفسیر یہ ہے کہ: ایام حج سے پہلے مشرکین قریش ، جیسے ابوجہل ، ابوسفیان ، ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث وغیرہ نے یہ میٹنگ (Meeting) کی کہ وہ دوسرے علاقوں سے حج کے لئے مکہ آنے والے حاجیوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بتائیں گے کہ آپ نعوذ باللہ جادوگر ہیں اور آپ کے جادو کے اثر سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں جدائی ہو چکی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان کے اس مکروہ منصوبے کا علم ہوا تو آپ بے حد پریشان ہوئے اور پریشانی کی حالت میں گھر تشریف لا کر اپنے بستر پر لیٹ گئے۔کچھ زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ سورہ مدثر کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور آپ کو ان کا مقابلہ کرنے اور ان کے خلاف قیام کرنے کا حکم ملا۔(۳)

---

(۱) سورہ مدثر، آیات ۱ تا ۷

(۲) المیزان فی تفسیر القرآن،جلد ۲۰،ص ۷۹

(۳) تفسیر نمونہ، زیر نظر آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی، جلد ۲۵،ص ۲۰۹

وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کی تفسیر:

یہ آیت ہماری بحث کا اصل محور ہے، مفسرین نے اس کی مختلف تفسیریں بیان کی ہیں۔ اس آیہ مجیدہ کی نو تفاسیر بیان ہوئی ہیں لیکن ہم یہاں صرف تین تفاسیر کے بیان پر اکتفا کریں گے:

ا۔ ''اے میرے کپڑا اوڑھنے والے! اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بزرگی کا اعلان کرو اور اپنے لباس کو پاکیزہ رکھو اور برائیوں سے پرہیز کرو اور اس طرح احسان نہ کرو کہ زیادہ کے طلب گار بن جاؤ''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لَا تَسْتَكْثِرُ مَا عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ لِلّٰهِ.

''خدا کی رضا کے لئے انجام دی جانے والی نیکیوں کو ہرگز زیادہ شمار نہ کریں''۔ (۱)

علامہ طباطبائی (۲)، سید قطب (۳)، طبری (۴)، ربیع بن انس اور حسن (۵) جیسے مفسرین اسی تفسیر کو پسند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ اس آیت کی بہترین تفسیر ہے جو آیت کے سیاق و سباق سے بھی مناسبت رکھتی ہے''۔

۲۔ ''اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس توقع سے کسی کو تحفہ مت دو کہ وہ تمہیں اس سے زیادہ لوٹا دیں گے''۔ بعض روایات میں بھی یہی مطلب آیا ہے۔

لَا تُعْطِ تَلْتَمِسْ اَكْثَرَهَا.

''زیادہ لینے کی اُمید کے ساتھ کسی کو کچھ نہ دو''۔ (۶)

---

(۱) نور الثقلین، عبد علی بن جمعہ حویزی، جلد ۵، ص ۴۵۴؛ تفسیر نمونہ، جلد ۲۵، ص ۲۱۶

(۲) تفسیر المیزان، جلد ۲۰، ص ۸۲

(۳) فی ظلال القرآن، سید قطب، جلد ۸، ص ۳۶۰

(۴) جامع البیان، جلد ۹، ص ۹۳

(۵) مجمع البیان، ابو علی فضل بن حسن طبرسی، جلد ۱۰، ص ۳۸۵؛ جامع البیان، جلد ۲۹، ص ۹۳

(۶) نور الثقلین، جلد ۵، ص ۴۵۳؛ جامع البیان، جلد ۲۹، ص ۹۳، ۹۴

ابن عباس، مجاہد، قتادہ نخعی، ضحاک (۱)، عکرمہ، طاؤس (۲)، زمخشری (۳)، طبری (۴)، قرطبی (۵)، محلی (۶)، ابن کثیر (۷)، شبر (۸) اور آلوسی (۹) وغیرہ اس تفسیر کو پسند کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"یہ حکم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ عام لوگوں کے لئے زیادہ ملنے کی امید کے ساتھ ایک دوسرے کو تحفہ دینا جائز ہے۔"

زمخشری لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دو احتمال ہیں۔ اگر "نہی" سے مقصود حرمت ہے تو یہ حکم صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ مخصوص ہے۔ کراہت مراد ہے تو یہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

البتہ اس آیت کی تفسیر میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت وارد ہوئی ہے جس کے مطابق حرمت کا یہ حکم صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کا حکم عام ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

مِنَ السُّحْتِ الْهَدِيَّةُ يَلْتَمِسُ بِهَا مُهْدِيْهَا مَا هُوَ اَفْضَلُ مِنْهَا وَ ذَالِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ:
"وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ" اَیْ لَا تُعْطِ عَطِيَّةً اَنْ تُعْطیٰ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ .

"حرام اموال میں سے ایک وہ تحفہ بھی ہے جس کو دینے والا اس سے زیادہ لینے کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کی نہی اس آیت سے ثابت ہے جس میں خدا فرماتا ہے کہ:
"زیادہ حاصل کرنے کی اُمید کے ساتھ کسی کو کچھ نہ دو"۔ (۱۰)

---

(۱) مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۳۸۵

(۲) جامع البیان، جلد ۲۹، ص ۹۴

(۳) الکشاف، جلد ۳، ص ۶۳۶

(۴) مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۳۸۵

(۵) الجامع الاحکام القرآن، محمد بن احمد انصاری قرطبی، جلد ۱۹، ص ۶۷، ۶۸

(۶) تفسیر الجلالین محلی وسیوطی، ص ۷۷۶

(۷) تفسیر القرآن العظیم، عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی، جلد ۴، ص ۳۶۶

(۸) تفسیر القرآن الکریم، عبداللہ شبر، ص ۵۳۸

(۹) روح المعانی فی تفسیر القرآن، جلد ۲۹، ص ۱۱۹

(۱۰) دعائم الاسلام، ابوحنیفہ نعمان بن محمد، جلد ۲، ص ۳۲۷، حدیث ۱۲۳۵؛ مستدرک الوسائل، جلد ۳، باب ۳، ابواب الربا، ص ۳۳۵، حدیث ۲

مذکورہ بالا روایت کی سند ضعیف ہے اس لئے مفسرین اور فقہا نے اس کے ظاہر سے چشم پوشی کی ہے اور اس پر عمل کرنے سے اجتناب برتا ہے اور روایت کو کراہت پر حمل کیا ہے یا پھر اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص احکام میں سے ایک قرار دیا ہے۔

۳۔"اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی کو قرضہ دو تو لوٹاتے ہوئے زیادہ کا مطالبہ نہ کرو"۔ طبرسی نے اس تفسیر کو ابو مسلم سے نقل کیا ہے۔(۱)

اور اس تفسیر کے مطابق یہ آیت سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

عبداللطیف مشہور-جن کا شمار اپنے دور میں اہلسنت کے مشہور علماء میں ہوتا تھا-کے مطابق یہ آیت سود کی حرمت پر دلیل ہے۔ان کے مطابق سب سے پہلے اس مطلب کو ابن تیمیہ نے بیان کیا اور ابن تیمیہ (۲) سے پہلے کوئی اس مطلب کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"اس آیت کے مخاطب خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ۔ اور خدا نے اس کے ذریعے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سود کو حرام کیا ۔ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشرف المخلوقات ہیں اس لئے آپ کی پیروی میں مسلمانوں پر بھی یہی حکم لاگو ہوتا ہے۔"(۳)

نتیجہ:

مفسرین کی اکثریت اس آیت کو سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات میں شمار نہیں کرتے ۔اس کے علاوہ سورہ مدثر کی ابتدائی سات آیات کے سیاق وسباق اور اس کی تفسیر میں نقل ہونے والی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ : اور زیادہ کی نیت سے احسان نہ کرو،

اصطلاحی سود کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت اصطلاحی سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہے پھر بھی "تدریجی حرمت" کا نظریہ اس سے ثابت نہیں ہوتا ۔اس لیے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور اس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

---

(۱) مجمع البیان،جلد ۱۰،ص ۳۸۵

(۲) الاستثمار فی الاقتصادی الاسلامی،ص ۱۶۱ ؛ مجموع فتاویٰ احمد ابن تیمیہ،جلد ۲۹،کتب الفقہ ،جزء ۹،ص ۲۲

(۳) الاستثمار فی الاقتصاد الاسلامی،ص ۱۶۱

ب: سورہ روم آیت ۳۹:

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ○

"اور جو سود تم دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو زکوۃ تم دیتے ہو اور اس سے اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہو تو وہ موجب برکت ہے اور ایسے ہی لوگ اپنے مال میں کئی گنا اضافہ کرنے والے ہیں۔"

زمان نزول:

مفسرین کی مشہور رائے یہی ہے کہ سورہ روم کی تمام آیات مکی ہیں۔اس سلسلہ میں مفسرین نے اجماع (۱) اور عدم خلاف (۲) کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

"سورہ روم کی یہ آیت اور اس سے پہلے کی آیات مکی آیتوں سے زیادہ مدنی آیات سے مشابہ ہیں۔ بعض نے ان آیات کے مکی ہونے پر اجماع اور روایت کی موجودگی کا دعویٰ کیا ہے۔مگر ان کے اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔" (۳)

لیکن سورہ بقرہ کی آیات کی تفسیر کے ذیل میں خود علامہ اس آیت کو مکی قرار دیتے ہیں۔

آیت کی تفسیر:

مفسرین نے سورہ روم کی اس آیت کی چھ مختلف تفسیریں بیان کی ہیں۔ ہم یہاں صرف تین تفاسیر کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

(۱) روح المعانی فی تفسیر القرآن، جلد ۱۲، ص ۲۶

(۲) الجامع الاحکام القرآن، جلد ۱۴، ص ۱

(۳) تفسیر المیزان، جلد ۲، ص ۴۰۸؛ جلد ۱۶، ص ۱۸۵۔

maablib.org

۱۔ اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق یہ آیت تحفہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور سود کی حرمت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں: زیادہ اور بہتر بدلہ وصول کرنے کی غرض سے لوگوں کو دیئے والے تحفے کی خدا کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے کیونکہ اس طرح کے تحفوں میں نہ تو وصول کرنے والوں کے استحقاق کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور نہ اُن کی شائستگی اور کردار کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ بلکہ تحفہ دینے والے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ایسے افراد کو تحفہ ملے جن سے بہتر عوض ملنے کی توقع اور یہ کھلی حقیقت ہے کہ جن کاموں میں اخلاص نہ ہو وہ اپنی اخلاقی اور معنوی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔ اس کے برعکس خدا کی خوشنودی کے لئے دیئے جانے والے صدقات وخیرات اور تحائف کی قدر و قیمت خدا کی نظر میں بہت زیادہ ہوتی ہے اور خدا کے ہاں اس کا دُگنا اجر وثواب ہے۔

ائمہ اطہار علیہم السلام نے بھی اس آیت میں لفظ "ربا" سے تحفہ ہی مراد لیا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلرِّبَا رِبَاءَان: رِباً یُؤکَلُ وَ رِباً لَا یُؤکَلُ، فَاَمَّا الَّذِی یُؤکَلُ فَهَدِیَّتُکَ اِلَی الرَّجُلِ تَطلُبُ مِنهُ الثَّوَابَ اَفضَلَ مِنهَا فَذَالِکَ الرِّبَا الَّذِی یُؤکَلُ وَهُوَ قَولُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ:

"وَمَا آتَیتُم مِن رِباً لِیَربُوَا فِی اَموَالِ النَّاسِ فَلَا یَربُوا عِندَاللّٰهِ ○"

وَ اَمَّا الَّذِی لَا یُؤکَلُ فَهُوَ الَّذِی نَهَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنهُ وَ اَوعَدَ عَلَیهِ النَّارَ

"سود کی دو قسمیں ہیں۔ حلال سود اور حرام سود۔ کسی کو بہتر عوض کی خواہش کے ساتھ تحفہ دینا حلال سود ہے اور یہی اس آیت کا معنی بھی ہے جس میں خدا فرماتا ہے:

"اور جو سود تم دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی"

اور حرام سود وہ ہے جس کے کھانے سے خدا نے منع فرمایا ہے اور اس کی سزا آتش جہنم قرار دی ہے۔" (۱)

اہل سنت کے علماء بھی اس آیت کے ذیل میں عکرمہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

اَلرِّبَا رِبَوَانِ رِباً حَلَالٌ وَ رِباً حَرَامٌ فَاَمَّا الرِّبَا الحَلَالِ فَهُوَ الَّذِی یُهدِیَ یَلتَمِسُ مَا هُوَ اَفضَلُ مِنهُ وَ......

(۱) وسائل الشیعہ، محمد بن الحسن حر عاملی، جلد ۱۲، ص ۴۲۹، کتاب تجارہ، ابواب الربا، باب ۳، ح ۱؛ تہذیب الاحکام، محمد بن الحسن الطوسی، جلد ۷، ص ۱۸، ح ۷۳؛ الفروع من الکافی، جلد ۵، ص ۱۴۵، کتاب المعیشہ، باب ۵۱، ح ۶

''سود کی دو قسمیں ہیں ۔حلال سود اور حرام سود،حلال سود وہ ہدیہ ہے جسے بہتر عوض کی خواہش میں دیا جاتا ہے......''۔(۱)

چنانچہ اس آیت میں ''ربا'' سے مراد تحفہ اور بخشش ہے اور لِيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ ''تا کہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو'' سے مراد لوگوں سے زیادہ عوض لینا ہے۔ بے شک اس طرح سے اس کا عوض لینا جائز اور حلال ہے کیونکہ اس طرح کے عوض میں پہلے سے کسی قسم کی شرط نہیں ہوتی ہے۔البتہ اخلاص سے عاری ہونے کی وجہ سے اپنی معنوی قدر وقیمت کھو دیتا ہے۔ ابن عباس ، مجاہد ، طاؤس ، ابوعلی ،سعید بن جبیر ، قتادہ ، ضحاک ، عکرمہ ، طبری ، قمی ، شبر ، طنطاوی اور سید قطب الدین اس تفسیر کو درست قرار دیتے ہیں۔(۲)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ: ''بہتر عوض لینے کی خاطر تحفہ دینا اجر وثواب کا مستحق نہیں ہوتا'' یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق ہے جو بہتر عوض حاصل کرنے کی نیت کے ساتھ دوسروں کو تحفہ وغیرہ دیتے ہیں۔اس کے برعکس اگر کوئی قصد قربت کے ساتھ بغیر کسی لالچ کے کسی کو تحفہ دے اور وہ بھی عوض میں اس سے بہتر لوٹا دے تو اس کا قبول کر لینا ثواب میں کمی کا باعث نہیں کیونکہ کسی کے تحفہ کا عوض اس سے بہتر انداز میں دینا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔چنانچہ رسول اسلام کا فرمان ہے:

مَنْ أَهْدٰى لَكُمْ فَكَافِئُوهُ: ''جو تمہیں کوئی تحفہ دے،تم بھی اسے مناسب حال تحفہ دو''۔(۳)

جب اس طرح کا تحفہ دینا مستحب ہے تو اس کا لینا بھی جائز اور حلال ہوگا۔

۲۔حسن ،جبائی،سدی،زمخشری،آلوسی،اور علامہ طباطبائی کے مطابق سورہ روم کی یہ آیت حرام سود کے متعلق ہے۔

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن، جلد۱۴،ص ۳۶

(۲) التبیان ،ابو جعفر محمد بن حسن طوسی ،جلد ۸،ص ۲۵۳ : کنز الدقائق ،میرزا محمد مشہدی ،جلد ۷ ،ص ۶۰۰ : الجامع لاحکام القرآن ، جلد۱۴ ،ص ۳۶ ؛تفسیر القرآن الکریم ،ص ۳۸۸ ؛احکام القرآن ، جصاص ،جلد ۵ ،ص ۲۱۷ : احکام القرآن محمد بن عبداللہ معروف بہ ابن عربی،جلد ۳،ص ۵۲۳ : الجواہر فی تفسیر القرآن،جلد۱۵،ص ۷۶ ؛فی ظلال القرآن،جلد۶ ،ص ۳۶۰ ؛جامع البیان فی تفسیر القرآن، جلد۲۱،ص ۳۵

(۳) الجامع فی اصول الربا،ص ۲۹،۳۰ : از مسند احمد ،جلد۲،ص ۹۶

حسن اور زمخشری کہتے ہیں کہ یہ آیت سورہ بقرہ کی اس آیت کی مانند ہے جس میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ○

"اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے"۔ (۱)

چنانچہ اس آیت کا معنی یوں ہوگا:

"تم اپنا مال دوسروں کو دیتے ہو تاکہ ان کے مال کے ذریعے اس میں افزائش ہو، خدا کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی۔" (۲)

جبائی کہتے ہیں کہ آیت کا معنی یوں ہے: "تم اپنا مال سود پر دوسروں کو دیتے ہو تاکہ اس کے ذریعے سے تم اپنی دولت میں اضافہ کرو۔ خدا کے ہاں اس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ سود کے ذریعہ حاصل کردہ اموال کا وہ مالک نہیں بنتا۔ سود کے ذریعے جو بھی حاصل کرلیتا ہے وہ اصل مالک ہی کی ملکیت میں رہتا ہے۔" (۳)

سدی کے خیال میں یہ آیت قبیلہ بنی ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو قریش کی طرح سودی معاملات کرتے تھے۔ (۴)

۳۔ سود کی حرمت کو تدریجی قرار دینے والوں کی اکثریت کے مطابق یہ آیت خداوند عالم کی جانب سے سود کے خلاف پہلی وارننگ کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ اس آیت میں خدا نے سود کی حرمت کا حکم بیان نہیں فرمایا بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ:

"سود خدا کو پسند نہیں ہے اور اس کے لئے کوئی اجر بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس راہ خدا میں صدقہ دینے والوں کے مال میں خدا برکت عطا کرتا ہے اور اس میں اضافہ فرماتا ہے۔"

اس طرح سے خدا نے ان لوگوں کی بات رد کی ہے جو کہتے تھے کہ:

"ہم ضرورت مندوں کو سود پر قرضے دے کر ان کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں اور خدا کا قرب حاصل کرتے ہیں۔"

---

(۱) سورۂ بقرہ ۲۷۶

(۲) التبیان، جلد ۸، ص ۲۵۴؛ الکشاف، جلد ۳، ص ۴۸۱)

(۳) التبیان، جلد ۸، ص ۲۵۴

(۴) روح المعانی جلد ۲۱، ص ۴۵

اس لئے خدا نے حرمت کے حکم کے لئے زمین ہموار کی، جس طرح شراب کی حرمت کا حکم دینے سے پہلے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَراً وَ رِزْقاً حَسَناً ○

''اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو کہ ان سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق کھاتے ہو''۔(۱)

شراب کو عمدہ اور پاک رزق کے مقابل میں بیان کیا پھر شراب کی حرمت کے لیے زمین ہموار کرنا شروع کی، اسی طرح سورہ روم کی اس آیت میں خدا نے ربا کو زکات اور صدقات کے مقابل قرار دے کر سود کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور مسلمانوں کو سود کی حرمت کا حکم ماننے کے لئے آمادہ کیا۔

نتیجہ:

مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ: مفسرین کی اکثریت کی رائے کے مطابق سورہ روم کی یہ آیت معروف سود (حرام سود) کے متعلق نازل نہیں ہوئی، جبکہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت معروف سود کے متعلق نازل ہوئی ہے اور یہ سورہ بقرہ کی ان آیات کی مانند ہے جن میں سود کی حرمت کا حکم بیان ہوا ہے۔چنانچہ یہ آیت بھی سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔جبکہ تدریجی حرمت کا نظریہ رکھنے والے کہتے ہیں:

'' یہ آیت سود کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ صرف سود خوروں کے لئے ایک (Warning) یعنی تنبیہ ہے''۔

حالانکہ ان کا کہنا صحیح نہیں کیونکہ ان کا یہ قول مفسرین کے دونوں گروہوں کے نظریات سے موافقت نہیں رکھتا۔

''نظریہ تدریج'' کے اثبات کے لئے آیت کے ظاہر کی من پسند تفسیر کرنا کافی نہیں بلکہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے تاریخی اور قرآن و حدیث سے شواہد، قرائن اور حوالوں کی ضرورت ہے جسے آج تک کسی نے پیش نہیں کیا ہے۔

(۱) سورہ نحل، آیہ ۶۷

maablib.org

ج: سورہ نساء آیت ۱۶۰، ۱۶۱:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ○ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○

"تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان پر حلال تھیں حرام کردیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔ ان میں سے جو کافر ہیں اُن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

شانِ نزول:

مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی وہاں کے یہودی پریشان ہوگئے، مگر انہیں یہ اُمید تھی کہ اس نئے دین کے پیروکار مکہ کے مشرکوں کے ہاتھوں شکست کھا کر جلد صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے ایک مدت تک مسلمانوں کی مخالفت نہیں کی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہے۔ مگر جب دیکھا کہ مسلمانوں کی عزت و عظمت میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے، خصوصاً جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد یہودیوں کی اُمیدیں خاک میں مل گئیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ شروع میں یہ مقابلہ فکری اور ثقافتی میدانوں تک محدود رہا مگر بعد میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنگ کرنے کے لئے وہ عجیب و غریب حربے استعمال کرنے لگے۔ (۱)

تو خداوند عالم نے ان کی سازشوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اپنے رسول کو مطلع فرمایا:

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ
مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ
مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ وَ اٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○

(۱) الصحیح فی سیرۃ النبی الأعظم، جعفر مرتضیٰ عاملی، جلد۳، ص ۱۴۳ تا ۱۴۶

"اے رسول ؛ اہل کتاب آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے لئے ایک لکھی ہوئی کتاب آسمان سے اُتار لائیں۔تو یہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بڑی درخواستیں کر چکے ہیں۔ان سے کہتے تھے ہمیں اللہ کو آنکھوں سے دکھاؤ۔سو ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا پھر کھلی نشانیاں جاننے کے بعد بچھڑے کو معبود بنایا تو اس سے بھی ہم نے درگذر کیا۔اور موسیٰ کو صریح غلبہ عطا کیا۔" (۱)

پھر ان کے ناپسندیدہ کردار کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْراً ○

"تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان پر حلال تھیں حرام کردیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے"۔ (۲)

آیت کی تفسیر:

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سود یہودیت میں حرام تھا مگر وہ اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے مختلف حیلے بہانوں سے سود کھاتے تھے۔اس آیت میں سود کی حرمت کا حکم اگرچہ یہودیوں کے ساتھ مخصوص ہے مگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حکم میں دوسرے الٰہی ادیان جیسے عیسائیت اور اسلام کے ماننے والے بھی شامل ہیں۔چنانچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہیں کہ ظاہر آیت کے خلاف قرینہ نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں پر بھی حرمت سود کا حکم ماننا واجب ہے۔جبکہ اس "ربا" کے مسئلے میں نہ صرف یہ کہ خلاف ظاہر کوئی قرینہ نہیں ، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلام خدا میں سود خوری، ظلم ، بندگان خدا کو گمراہ کرنے اور لوگوں کا مال غصب کرنے کے زمرے میں آتی ہے جو قطعاً حرام ہے اور کسی خاص دین کے ساتھ مخصوص نہیں ۔یہی قرینہ ہے کہ "ربا" تمام ادیان الٰہی کے پیروکاروں پر حرام ہے۔ (۳)

اس کے برعکس بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تشریعی حکم مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔چونکہ سود کا موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے اس وجہ سے خدا نے دوسری آیات کے ذریعے سود کو مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا ہے۔

---

(۱) سورہ نساء، آیت ۱۵۳

(۲) سورہ نساء، آیہ ۱۶۰

(۳) المیزان، جلد ۴، ص ۴۰۸

maablib.org

نظریہ تدریج کے طرفدار اس آیت کو دوسرے مرحلے کی آیت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداوند عالم ربا کے مسئلہ کو ایک عبرت انگیز داستان کی صورت میں بیان کرتا ہے کہ:

''ہم نے یہودیوں پر سود حرام کیا مگر وہ نہ مانے اور سود خوری کے نتیجہ میں عذاب الہی کے مستحق قرار پائے۔'' (۱)

واضح سی بات ہے کہ خدا کی طرف سے واضح حکم آئے بغیر اس عبرت آمیز داستان کے ذریعے کسی کو کسی خاص حکم کا پابند نہیں بنایا جاسکتا، البتہ مرحلہ دوم میں شراب کی طرح سود کی حرمت کے حکم کے لئے زمینہ فراہم کرسکتا ہے۔ جیسا کہ شراب کے دوسرے مرحلے میں خدا نے ارشاد فرمایا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ○

'' اے رسول لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں۔ لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔'' (۲)

نتیجہ:

حرمت ربا کے دوسرے مرحلے کو حرمت شراب کے دوسرے مرحلے سے قیاس کرنا صحیح نہیں اور یہ قیاس " قِیَاس مَعَ الْفَارِق" ہے۔ کیونکہ شراب کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیت کسی دوسری امت کے واقعات بیان نہیں کرتی بلکہ شراب کی ظاہری حرمت کا حکم بتاتی ہے اور شراب کی حرمت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہنے دیتی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ''فرما دیجیے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں۔ لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے''، آیت کے ظاہری حکم (حرمت) کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

---

(۱) الربانی نذر القانون الاسلامی، ص ۱۹؛ خطوط اصلی اقتصاد اسلامی، ناصر مکارم شیرازی، ص ۱۹۱ تا ۱۹۳؛ الربانی تحریم الاسلامی، ص ۹ تا ۱۳؛ المذہب الاقتصادی فی الاسلام، ص ۶۳۵ تا ۶۳۷

(۲) سورہ بقرہ، آیہ ۲۱۹

د: سورہ آلِ عمران آیات ۱۳۰، ۱۳۱:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَوا أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ○

''اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور دوزخ کی آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔''

شانِ نزول:

سورہ آلِ عمران کی یہ آیتیں ہجرت کے تیسرے سال، جنگ احد کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ (۱)

قفال اس آیت کی شانِ نزول کے بارے میں لکھتے ہیں: جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کے بعد مشرکین مکہ نے سود کے ذریعے حاصل کی ہوئی دولت سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لئے ایک اور لشکر تیار کیا تو بعض مسلمان بھی مشرکوں سے انتقام لینے کے لئے سود کا مال جمع کرنے اور اس سے ایک لشکر تیار کرنے کے بارے میں سوچنے لگے تو خدا نے ان آیتوں کے ذریعے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ (۲)

تفسیر:

کہا گیا ہے کہ ان آیتوں کے ذریعے خدا نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کو صاف اور واضح طور پر سود خوری سے منع فرمایا۔ کیوں کہ سورہ مدثر اور سورہ روم کی آیتوں کا تعلق حرام سود سے نہیں تھا، اسی طرح سورہ نساء کی آیات ۶۰، ۶۱ کا تعلق اگرچہ حرام سود سے ہے مگر ان میں سود کی حرمت کا حکم یہودیوں کے ساتھ مخصوص

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن، جلد ۳، ص ۲۰۲؛ التفسیر الکبیر، جلد ۹، ص ۲؛ جامع البیان، جلد ۳، ص ۷۲؛ التبیان، جلد ۲، ص ۵۸۹؛ مجمع البیان، جلد ۲، ص ۵۰۲؛ تفسیر نمونہ، جلد ۲، ص ۷۰؛ الفرقان فی تفسیر القرآن، محمد صادقی، جلد ۴، ص ۳۷۷

(۲) التفسیر الکبیر، جلد ۹، ص ۲؛ الفرقان فی تفسیر القرآن، محمد صادقی، جلد ۴، ص ۳۷۷؛ جامع البیان، جلد ۴، ص ۳۷۷؛ الجامع فی اصول الربا، ص ۳۸

ہونے کا احتمال بھی پایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ حرمت ربا پر دلالت کرنے والی سورہ بقرہ کی آیات بھی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہیں۔

یہاں ہم مفسرین کی زبانی ان دو آیتوں کے اہم نکات کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

لَا تَأْكُلُوْا:

''اکل'' سے مراد صرف کھانا نہیں، بلکہ کسی سے لینا اور (سود وغیرہ کے ذریعے سے) دوسروں کے مال میں تصرف کرنے کو بھی اکل کہا جاتا ہے۔ کھانا چونکہ تصرف کا لازمہ ہے اور انسانوں کی اہم ضرورت بھی ہے، اس لئے خدا نے آیت میں ''اخذ'' کے بجائے ''اکل'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ (۱)

الرِّبٰوا:

عربی ادب میں اگر قرینہ موجود نہ ہو تو ''الف ولام تعریف'' سے مخاطبین معہود مراد لیتے ہیں، اس آیت میں مفسرین کہتے ہیں کہ: "الرِّبٰوا" کا الف ولام دور جاہلیت کے ربا کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ جس کی تائید، عطاء، مجاہد، زید، ابن اسحاق، طبری، طبرسی، طوسی، ابن کثیر، فیض کاشانی، رازی، رشید رضا، سیوطی، زمخشری اور زحیلی نے کی ہے۔ (۲)

اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ''دگنا چگنا اضافہ'':

اس عبارت کی تفسیر میں مفسرین مختلف رائے رکھتے ہیں۔

ا۔ اکثر مفسرین کی رائے میں "اَضْعَافًا" کلمہ "الرِّبٰو" کے لئے حال اور "مُضَاعَفَةً" اس کی صفت ہے اور "الرِّبٰوا" سے مراد قرض پر سود لینا مراد ہے۔ اس طرح آیت کا معنی کچھ یوں ہوگا کہ: ''اے ایمان والو؛ قرضہ واپس کرنے کی مہلت میں توسیع کے عوض اصل سرمایہ پر دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ۔''

ابن کثیر کہتا ہے:

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن، جلد ۳، ص ۳۵۳؛ تفسیر القرآن الکریم، ص ۸۲؛ المنار، جلد ۳، ص ۹۳

(۲) التبیان، جلد ۲، ص ۵۸۷؛ مجمع البیان، جلد ۲، ص ۵۰۲؛ کنز الدقائق، جلد ۲، ص ۲۱۲؛ تفسیر الصافی، فیض کاشانی، جلد ۱، ص ۳۸۰؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد ۱، ص ۳۸۱؛ التفسیر الکبیر، جلد ۹، ص ۲؛ الجامع لاحکام القرآن، جلد ۴، ص ۲۰۲؛ المنار، جلد ۴، ص ۱۲۳؛ تفسیر القرآن الکریم، ص ۹۹؛ در المنثور، جلد ۲، ص ۷۱؛ الکشاف، جلد ۱، ص ۴۱۳؛ جامع البیان، جلد ۳، ص ۵۹؛ تفسیر المنیر، جلد ۴، ص ۸۴

"أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" دور جاہلیت کے سود کی جانب اشارہ ہے، دور جاہلیت میں جب قرضہ چکانے کا وقت قریب آتا تھا تو قرض دار مقروض سے کہتا کہ میرا مال واپس کرو یا پھر اس میں اضافہ کے عوض کچھ اور مہلت لے لو۔ مال یا اس کی رقم ادا نہ کر سکنے کی صورت میں دونوں کی رضامندی سے اس رقم میں اضافہ کے بدلے مقروض کو مزید مہلت ملتی تھی۔ یہ مسئلہ ہر سال پیش آتا تھا اور قرض کی ایک معمولی رقم، ایک بڑی رقم میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ (۱)

حضرت علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" سود کی تمام قسموں کی صفت غالبی ہے کیونکہ سودی قرضہ ادائیگی کی مہلت میں بار بار اضافہ کی وجہ سے اصل رقم سے کئی گنا بڑھ جاتا تھا۔ (۲)

مفسرین میں سوائے زید بن اسلم کے کسی نے بھی دور جاہلیت میں سود کے نرخ کی تعیین کی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں: " قرض کی مقدار کو دگنا کرنا دور جاہلیت میں رائج سود تھا۔ مقروض، مالک کے مطالبے پر بروقت قرضہ ادا نہ کر سکتا تو دوسرے سال اس کا دگنا ادا کرنا پڑتا تھا اور دوسرے سال بھی ادا نہ کر سکا تو اس سے دگنا ہو جاتا تھا۔ مثال کے طور پر سو روپے کے قرض پر ایک سال بعد مقروض کو دو سو اور اس کے اگلے سال چار سو روپے ادا کرنا پڑتا تھا یہی وجہ تھی کہ خدا نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً " اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ"۔ (۳)

۲۔ آیت میں کلمہ "الرِّبَا" سے مراد قرض پر اصل زر سے زیادہ لینا مراد نہیں بلکہ مخصوص قسم کا اضافہ ہے اور "أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" سے مراد مرکب منافع ہے یعنی وہ مرکب سود جس کے سود پر بھی سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ (۴)

جیسے آج کل کے بینکوں سے اگر کوئی چند سال کے لئے قرضہ لیتا ہے تو اسے اصل رقم پر سود کے علاوہ خود سود پر بھی سود دینا پڑتا ہے۔ مثلاً؛ جب ایک شخص بینک سے دس لاکھ روپے ماہانہ اقساط پر، بیس

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، جلد ۱، ص ۳۸۱

(۲) تفسیر المیزان، جلد ۴، ص ۱۹

(۳) جامع البیان، جلد ۴، ص ۵۹؛ المنار، جلد ۴، ص ۱۲۳

(۴) تفسیر المراغی، جلد ۱، جزء ۳، ص ۶۱؛ الجامع فی اصول الربا، ص ۳۹،۳۸؛ ربا، بانک و بیمہ، مرتضیٰ مطہری، ص ۱۹۷

فی صد شرح سود پر بیس سال کے لئے قرض لیتا ہے۔تو اسے مقررہ مدت میں بینک کو مبلغ اکسٹھ لاکھ بیانوے ہزار دوسو ۶۱۹۲۰۰۰ روپے ادا کرنا پڑتا ہے۔اس کے برعکس شرح سود، اگر سادہ ہو اور منافع کا تعلق صرف اصل رقم کے ساتھ ہو تو اسے بینک کو صرف تیس لاکھ روپے ادا کرنا ہوگا۔

۳۔"اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" جملہ "لَا تَاْکُلُوا" کے فاعل کے لئے حال ہے۔اور آیت کا معنی یوں ہے کہ:

اے ایمان والو؛ سود نہ کھاؤ درحالیکہ تم اس طرح سے اپنے مال میں دُگنا چوگنا اضافہ کرتے ہو۔(۱)

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ○

''اور دوزخ کی آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔''

خداوند عالم سود خوری سے منع کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دینے کے بعد مومنین کو جہنم کی اس آگ سے خبردار کرتا ہے جسے اس نے کافروں کے لئے تیار کیا ہے۔آیت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ:

''مومنو! سود خوری سے اگر تم اپنا ہاتھ نہیں کھینچو گے تو اس آگ میں ڈالے جاؤ گے جسے ہم نے کافروں کے لئے تیار کیا ہے۔''

فخر رازی کہتے ہیں: کیا خدا مسلمانوں کو سود خوری پر آتش جہنم میں جلائے گا جسے اس نے کافروں کے لئے تیار کر رکھا ہے، کیا سود کھانا ان کے کفر کے برابر ہے؟ وہ اس کے جواب میں آگے لکھتے ہیں:

''اس آیت میں ایک جملہ تقدیر میں ہے اور آیت کا معنی کچھ یوں: ''اے ایمان والو! دُگنا چگنا سود مت کھاؤ اور خدا سے ڈرو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ، اور سود خوری کے ذریعے حرمت ربا کا انکار کرکے کافر ہونے اور اس آگ میں جانے سے بچو جسے کافروں کے لئے ہم نے تیار کر رکھا ہے۔(۲)

شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں: یہ آیت اشارہ ہے کہ سود خوری کفر کے قریب ہے۔(۳)

علامہ طباطبائی بھی یہی رائے دیتے ہیں کہ یہ آیت سود کھانے والے کے کفر کی جانب اشارہ کرتی ہے۔(۴)

---

(۱) التبیان، جلد ۲، ص ۵۸۷؛ مجمع البیان، جلد ۲، ص ۵۰۲؛ احکام القرآن، ص ۳۳۵ تا ۳۳۷

(۲) التفسیر الکبیر، جلد ۹، ص ۳

(۳) المنار، جلد ۴، ص ۱۳۲

(۴) المیزان، جلد ۴، ص ۱۹

سیّد قطب اس آیت کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

''اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا تعلق صرف زبان سے نہیں بلکہ انسان جب اپنے کردار کے ذریعے خدا کے احکامات کی پیروی کرتا ہے تب مومن کہلاتا ہے۔اسی طرح معاشرہ بھی اس وقت اسلامی معاشرہ کہلاسکتا ہے، جب اس کا اجتماعی نظام اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔سودی نظام اور ایمان کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔ جس معاشرے میں سودی نظام رائج ہو اس میں دین اور ایمان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔اس کے لوگ اس آگ میں اوندھے منہ گر پڑتے ہیں جسے خداوند عالم نے کافروں کے لئے تیار کر رکھا ہے''۔(۱)

اگر چہ ہم سو فیصد یقین سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ آیت سود خور کے کفر کی جانب اشارہ کرتی ہے مگر فخر رازی کی طرح ایک جملہ تقدیر میں رکھنے یا پھر یہ کہنے میں کوئی حرج بھی نہیں کہ اس آیت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ سود خوری پر اصرار کرنے اور اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً ''دُگنا چوگنا سود'' کھانے کے نتیجے میں ایمان کا نور انسان کے دل سے نکل جاتا ہے۔ جس کی جانب سورہ روم کی یہ آیت بھی اشارہ کر رہی ہے:

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاؤُا السُّوآى اَنْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

''پھر جن لوگوں نے برائی کی، ان کا انجام بھی بُرا ہوا، اس لئے کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کی ہنسی اُڑاتے تھے''۔(۲)

اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

''اور جو توبہ کرنے کے بعد بھی سود لینے لگے، تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔'' (۳)

معلوم ہوا کہ یہ تمام سزائیں بار بار سود لینے اور خدا و رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے جنگ پر اصرار کرنے والوں کیلئے ہیں، جن کا انجام کفر اور ابدی ہلاکت ہے۔

نظریہ تدریج کا دفاع کرنے والے اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

---

(۱) فی ظلال القرآن، جلد ۲، ص ۷۵

(۲) سورہ روم، آیہ ۱۰

(۳) سورہ بقرہ، آیہ ۲۷۵

یہ آیت حرمت ربا کے تیسرے مرحلے پر دلالت کرتی ہے۔ خدا نے آیت:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً ○

کے ذریعے ایک خاص قسم کے "دُگنے چگنے" یا پھر مرکب سود کو حرام کیا ہے۔ جو کہ تیسرے مرحلے میں شراب کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیت جیسی ہے، جس میں خداوند عالم فرماتا ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ○

"مومنو: جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو جب تک منہ سے بولنے والے الفاظ کو سمجھنے نہ لگو نماز کے قریب نہ جاؤ"۔ (۱)

جس طرح خداوند عالم شراب کی حرمت کے تیسرے مرحلے میں اسے نماز کے وقت کی حد تک حرام کرتا ہے اسی طرح سے سود کی حرمت کے تیسرے مرحلے میں بھی ایک حد تک سود کی ایک مخصوص قسم یعنی "دُگنا چوگنا" یا مرکب سود لینے کو حرام قرار دیتا ہے۔ (۲)

دو نظریات کا ردّ:

سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۰ کی روشنی میں سود کی حرمت کے متعلق دو نظریات پیدا ہوئے جس نے حرام سود کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے اور اسلامی ممالک کے اقتصادی نظام میں سود کی بعض اقسام کو جائز قرار دینے کے لئے راہ ہموار ہونے کا ذریعہ بنے۔ ہماری گفتگو اسی آیت کے متعلق ہے۔ ہم ان نظریات پر الگ بحث کریں گے اور ان پر ہونے والے اعتراضات کو بھی بیان کریں گے۔

پہلا نظریہ: صرف تجدید مہلت کے بدلے سود لینا حرام ہے۔

یہ نظریہ محمد رشید رضا کا ہے۔ انہوں نے اس نظریہ کو سب سے پہلے "المنار" نامی میگزین (Magazine) میں مقالوں کی صورت میں چھپوایا اس کے بعد "تفسیر المنار" اور آخر عمر میں اپنی کتاب "الرّبا والمعاملات فی الاسلام" میں اس کی مزید وضاحت کی۔ ان سب کتابوں میں ان کا نظریہ اور استدلال کا طریقہ ایک جیسا ہے۔

---

(۱) سورہ نساء، آیہ ۴۳

(۲) الربا فی نظر القانون الاسلامی، ص ۲۱؛ معرف التنمیہ الاسلامی، ص ۱۳۵؛ خطوط اصلی اقتصاد اسلامی، ص ۱۹۱ تا ۱۹۳؛ الربا فی التشریع الاسلامی، ص ۹ تا ۱۳؛ روائع البیان تفسیر آیات الاحکام، جلد ۱، ص ۳۹۰

ہم پہلے "تفسیر المنار" سے رشید رضا کے نظریے کو بیان کریں گے اور آخر میں اس کے دوسرے منابع کی جانب بھی اشارہ کریں گے۔ وہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۰ :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ○

کے ذیل میں کہتے ہیں : سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیتوں میں سورہ آل عمران کی یہ آیت سب سے پہلے اور سورہ بقرہ کی آیات اس کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اس آیت میں "الرِّبٰوا" سے مراد دور جاہلیت کا سود ہے۔ یعنی نزول آیت کے وقت عرب میں جو سود معروف و رائج تھا اس سے وہی مراد ہے۔

رشید رضا دور جاہلیت کے سود کی وضاحت کے لئے مفسرین کے نظریات سے مدد لیتے ہوئے تفسیر طبری سے نقل کرتے ہیں: "دور جاہلیت میں لوگ اس طرح سے سود لیا کرتے تھے کہ جب بھی قرض لوٹانے کا وقت آتا تھا قرض خواہ مقروض سے کہتا کہ مجھے مزید مہلت دو اس کے عوض میں اس (مال) میں اضافہ کر کے دوں گا، چنانچہ وہ ایسا ہی کرتا تھا۔ اور یہ وہی "أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً" دگنا چوگنا اضافہ یعنی سود تھا، جسے خدا نے اسلام میں حرام قرار دیا۔

اس کے بعد رشید رضا، ابو زید سے نقل کرتے ہیں کہ: دور جاہلیت کا سود قرض کے مال کو دگنا کر کے وصول کرنے اور بڑی عمر کے اونٹ دینے سے عبارت تھا۔ اس کے بعد رشید رضا لکھتے ہیں:

"دور جاہلیت کے سود کی جو تعریف ابو زید نے بیان کی ہے، یہ وہی دگنا چگنا اضافہ والا سود ہے، جو آج مرکب سود کے نام سے معروف ہے۔ طبری نے جو تعریف کی ہے، وہ قرض کی مہلت میں اضافہ کے عوض میں لیا جانے والا سود ہے۔ اگر قرضہ لیتے اور دیتے وقت طرفین ایک خاص رقم پر اتفاق کر لیں، یعنی قرضہ دینے والا کہے کہ میں سو روپے قرض دیتا ہوں۔ آپ مجھے ایک سو دس روپے یا اس سے زیادہ یا کم واپس کریں گے۔ تو اس قسم کے لین دین کا شمار دور جاہلیت کے سود میں نہیں ہوتا، دور جاہلیت میں لوگ پہلے تو کم سود پر قرض دیتے تھے۔ مگر چکاتے وقت اگر مقروض تنگدست ہونے کی وجہ سے ادا نہ کرسکتا تو پھر وہ اس پر سختی کرتا اور کہتا میرا قرض ادا کرو، پھر اس کی مقدار میں دگنا اضافہ کر کے دینے کی شرط کے ساتھ مزید مہلت لے لو۔ چنانچہ احمد بن حنبل سے جب اس سود کے بارے میں سوال کیا گیا جس کی حرمت پر کسی قسم کی شک وشبہ نہ ہو تو انہوں نے کہا کہ وہ سود یہ تھا کہ قرضدار وقت مطالبہ مقروض سے کہے کہ قرض لوٹا دو گے یا پھر مزید مہلت کے بدلے اس کی مقدار میں اضافہ کرو گے؟ اور مقروض جو قرض چکانے کی قدرت نہیں رکھتا قرض کی رقم میں اضافہ جبکہ قرضدار اس کی مہلت میں مزید اضافہ کرتا تھا۔" (۱)

---

(۱) المنار، جلد ۴ ص ۱۲۳، ۱۲۲

رشید رضا سورہ بقرہ کی آیات ربا کی تفسیر میں بھی یہی کہتے ہیں:

''گذشتہ مطالب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں سود مدت مہلت میں اضافہ پر ہوتا تھا۔ پس اگر کوئی کاروبار کے لئے کسی کو اپنا مال دے اور وہ اس کے عوض، صاحب مال کو کم یا زیادہ منافع دے تو سود کے زمرے میں نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ایک نفع بخش معاملہ ہے جس سے طرفین فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جبکہ جاہلی ربا میں مقروض کو نقصان ہوتا تھا اس کا قصور صرف یہ ہوتا کہ وہ معینہ وقت پر لوٹانے کی استعداد نہیں رکھتا تھا۔'' (۱)

رشید رضا اپنی کتاب ''الربا و المعاملات فی الاسلام'' جسے انہوں نے آخری عمر میں تحریر کی، اس میں لکھتے ہیں کہ:

''معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس سود سے منع فرمایا ہے اور اس کے کھانے والے کے لیے ایسی سزائیں مقرر کی ہیں، جو کسی اور گناہ کے مرتکب کیلئے نہیں' وہ زمانہ جاہلیت میں رائج نسیہ (ادھار) کے طور پر لئے جانے والا سود ہے۔ جس میں مدت مہلت میں اضافہ کے عوض قرضہ کی مقدار میں اضافہ ہوتا تھا۔ پس منافع بخش قرضوں پر سود لینا جن کے شروع میں ہی شرح سود کا تعین ہوا ہو، جائز ہے کیونکہ جاہلی ربا میں سود کا تعین مہلت میں اضافے کے ساتھ ہوتا تھا نہ کہ قرضہ دیتے وقت''۔ (۲)

رشید رضا کے بعد اس نظریہ کو بعض دوسرے دانشوروں کی جانب سے خوب پذیرائی ملی اور رشید رضا کے نظریہ سے متاثر ہو کر 'شیخ عبدالوہاب خلاف' نے یہ حکم صادر کیا کہ:

''منافع کے ساتھ واپس کرنے کی شرط کے ساتھ قرضہ دینا، حرام سود نہیں ہے''۔ (۳)

اس نظریہ پر اعتراض:

دور جاہلیت کے سود کی حقیقت کے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا، رشید رضا کے نظریہ کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر درج ذیل تین نکات ان کے نظریے کو مزید کمزور کرتے ہیں:

ا۔ رشید رضا نے دور جاہلیت کے سود کی ماہیت کے صرف ایک حصہ کو بیان کیا ہے۔ وہ صرف ''مہلت میں اضافے'' کو جاہلیت کے سود کا موضوع قرار دیتا ہے جبکہ مورخین اور مفسرین نے دور

---

(۱) المنار، جلد ۳، ص ۱۱۶

(۲) الربا والمعاملات فی الاسلام، رشید رضا، ص ۱۳۷

(۳) سپردہ ہائے نقدی وراہ ہائے استفادہ از آں در اسلام، حسن عبد اللہ امین، ترجمہ محمد درخشندہ، ص ۲۵۱

جاہلیت کے سود کی کئی صورتیں بیان کی ہیں۔ان کے مطابق جاہلی سود سے مراد وہ منافع ہے جو قرض دیتے وقت طے کیا جاتا ہے۔چنانچہ جصاص لکھتے ہیں کہ:

''جاہلی ربا مدت دار قرضہ تھا کہ جس میں زیادہ واپس لوٹانے کی شرط ہوتی تھی اور زیادہ لوٹانا مہلت کے عوض تھا، یہاں تک کہ خدا نے اسے حرام قرار دیا''۔(۱)

فخر رازی بھی یہی کہتے ہیں کہ دور جاہلیت میں جو سودی نظام رائج تھا وہ ''ربائے نسیہ (ادھار پر سود)'' تھا یعنی لوگ ہر ماہ ایک معین مقدار منافع ادا کرنے کی شرط پر دوسروں کو قرضہ دیتے تھے اور اصل مال مدت معین تک باقی رہتا تھا''۔(۲)

۲۔مورخین کے مطابق جزیرۃ العرب میں سود کو رواج دینے والے یہودی اور عیسائی تھے۔رشید رضا آیت:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْراً ۝ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَاباً اَلِيْماً ۝

''تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں، حرام کردیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے۔اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے۔اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔اور ان میں سے جو کافر ہیں اُن کے لئے ہم نے درد دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''(۳)

کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہودیت میں سود حرام تھا،اس کے باوجود یہودی دوسروں سے زیادہ سود خوری کرتے تھے۔وہ ہر ذرائع اور ناجائز طریقوں سے عربوں کے اموال ہڑپ کرتے اور کہتے تھے کہ صرف اپنے یہودی بھائیوں کا مال کھانا ہم پر حرام ہوا ہے''۔(۴)

---

(۱) احکام القرآن، جصاص ،جلد ۲،ص ۱۸۴ تا ۱۸۶

(۲) التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۸۵

(۳) سورہ نسا آیت ۱۶۰

(۴) المنار، جلد ۳، ص ۹۷

احکام یہود اور سود کی بحث میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہودیوں کے درمیان رائج جس سود کی وضاحت توریت کے ذریعے ہوتی ہے وہ قرض دیتے ہوئے زیادہ لوٹانے کی شرط کرنا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ دور جاہلیت کے عرب صرف قرض کی مدت میں اضافہ کے عوض ہی سود لیتے تھے اس کے علاوہ سود کا کوئی اور معاملہ ان کے ہاں رائج نہیں تھا، قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہودیوں سے سود پر قرض لیتے تھے اور ان کے ساتھ دوسرے سودی معاملات انجام دیتے تھے۔

۳۔ سود کی قسموں میں سادہ ترین قسم سودی قرضہ ہے جو تمام معاشروں میں رائج رہ چکا ہے۔ یہ کہنا کہ دور جاہلیت کے عرب اور قریش کے تاجر اور امیر لوگ دنیا کی دوسری قوموں سے اقتصادی اور تجارتی مراسم رکھنے کے باوجود اس طرح کے سود سے بے خبر تھے، یا وہ اس طرح کے سودی معاملات سے واقف تھے، مگر اتنے رحمدل اور مہربان تھے کہ دوسروں کو قرض حسنہ دیتے تھے اور صرف مدت میں اضافہ کے عوض سود لیتے تھے، یہ کسی صورت بھی قابل قبول بات نہیں۔ (۱)

دوسرا نظریہ: صرف مرکب سود یا سود در سود حرام ہے

یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے روابط میں اضافہ، اسلامی ممالک میں مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے اثر رسوخ اور اسلامی ممالک میں مغربی ممالک کے بینکوں کے قیام کے ساتھ اس بات کا پرچار کیا گیا کہ اسلام میں بھی عیسائیت کی طرح صرف حد سے زیادہ منافع لینا حرام ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں سلطنت عثمانیہ اور بڑے تجارتی واقتصادی کمپنیوں کے مالکان، بڑے بڑے بینک اور علماء کے درمیان شرح سود کی حد کے بارے میں طویل بحث وگفتگو ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماء نے کم شرح سود کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا۔ شوال 1328 ہجری کے بیانیہ میں اعلان کیا کہ:

"تمام علمائے اسلام کا مشترکہ فتویٰ ہے کہ بینکوں میں رکھی گئی رقوم یا قرض کے طور پر لی یا واپس کی گئی رقوم اور بینکوں سے لئے جانے والے اور کسی نہ کسی طور پر اس میں رہ جانے والی رقوم پر سود جب تک کم ہے .....حلال اور جائز ہے"۔ (۲)

دوسری جانب 1320 تا 1330 ہجری کے دوران مصر میں اقتصادی بحران آیا تو یورپی بینکوں نے مصریوں کو قرضہ دینے سے انکار کردیا۔ اس پر ایک گروہ نے کم شرح سود کے ساتھ پیسوں کا لین دین

(۱) المنار، جلد ۳، ص ۱۲۳

(۲) الربا والقرض فی فقہ الاسلامی، ص ۳۱

کرنے کا ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔اس فیصلے پر مسلمان دانشوروں کے درمیان بحث ومباحثہ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔شیخ عبدالعزیز جاویش نے اپنے اس نظریے کے حق میں کہ ''اسلام میں دگنا چوگنا سود یا مرکب سود حرام ہے'' متعدد مقالات لکھے اور تقریریں کیں۔ انہوں نے 1908 میں "اللواء" نامی میگزین میں اپنے اس نظریے کے حق میں یہ دلائل دیئے کہ:

الف:اسلام جاہلی سود کو حرام قرار دیتا ہے اور جاہلی سود میں اصل مال کے مقابلے میں منافع کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

ب: آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً ''اے ایماندارو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ''، سود کے تمام قسموں کو حرام نہیں کرتی بلکہ مرکب سود اور دگنا چوگنا اضافہ والے سود کو حرام کرتی ہے۔فقہاء اصولی قاعدہ: إِعْطَاءُ الْقَلِيلِ حُكْمَ الْكَثِيرِ: ''کسی چیز کی زیادہ مقدار کا جو حکم ہے وہی اس کی کم مقدار کا بھی ہے''، کے مطابق زیادہ مقدار کے سود کی حرمت کے حکم میں کم شرح سود والے معاملات کو بھی شامل کرتے ہیں۔ جیسا کہ شراب کے بارے میں فقہاء کہتے ہیں کہ: جو چیز بھی انسان کو مست کرتی ہے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے، مگر اس اصولی قاعدے پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔صرف چند فقہاء نے ذرائع کو مسدود کرنے کے عنوان سے اس پر عمل کیا ہے۔(۱)

شیخ عبدالعزیز جاویش کے بعد بہت سے دوسرے افراد نے بھی کم شرح سود کو جائز قرار دینے کے لئے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔(۲)

انہوں نے جاویش کے نامکمل استدلال کی تکمیل کی اور اس پر ہونے والے اعتراضات اور اشکالات کے جوابات دیئے۔ مثلاً، جب یہ اعتراض ہوا کہ ربا کی حرمت پر صرف یہی آیت ہی دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کے علاوہ بہت سی ایسی آیات اور روایات بھی ہیں جو سود کو مکمل طور پر حرام قرار دیتی ہیں جیسے:

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا: ''تجارت کو خدا نے حلال اور سود کو حرام کیا ہے''۔(۳)

اور يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقَاتِ: ''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے''۔(۴)

---

(۱) نظریہ الربا المحرم، ابراہیم ذکی الدین بدوی، ص ۲۳۲

(۲) المنار، جلد ۴، ص ۱۳۱: المصارف والاعمال المصرفیہ فی شریعۃ الاسلامیہ والقانون، غریب جمال، ص ۲۲۶: حل ربا حلال، اسماعیل محمد بندا، مجلۃ الازہر، جز ۹، جلد ۹، سال ۱۳۵۷

(۳) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۵

(۴) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۶

اس اعتراض کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ: ''اس طرح کی تمام آیات اور روایات مطلق ہیں اور ہم مسلمہ اصولی قاعدے کے مطابق مطلق کو مقید پر حمل کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات اور روایات سے سود کی تمام قسمیں مراد نہیں بلکہ "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" یعنی دُگنا چوگنا اضافہ والا سود ہے۔ وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: سورۂ مائدہ میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ : ''تم پر مردار اور خون حرام ہے''۔(۱)

تو اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ خون بطور مطلق (مکمل طور پر) حرام ہے، لیکن سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا
أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا ......

''آپ کہہ دیجئے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں، میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا ہوا خون''۔(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ مائدہ میں حرام خون سے مراد مطلق خون نہیں بلکہ بہایا گیا خون ہے۔ اسی طرح سود کے معاملہ میں بھی جملہ "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" سے سمجھ میں آتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیات مطلق نہیں یعنی ہر قسم کے منافع اور اضافہ کو حرام نہیں کرتیں بلکہ "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" کی صفت والے سود کو حرام کرتی ہیں۔

اس نظریہ پر اعتراض:

الف:۔ آپ کے دعویٰ: ''دور جاہلیت میں اصل سرمایہ کے مقابلے میں منافع کئی گنا زائد ہوتا تھا'' کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ دور جاہلیت کے سودی قرضوں میں شرح منافع کی تعیین کے بارے میں تفاسیر اور تاریخ خاموش ہیں۔ البتہ صرف مہلت میں اضافہ کے متعلق زید سے روایت ہے کہ:

'' دور جاہلیت میں مقروض قرضہ واپس کرنے کی قدرت نہ رکھنے پر مزید ایک سال کی مہلت کے عوض قرض کے مال کو دگنا کرتے تھے''۔(۳)

(۱) سورہ مائدہ، آیت ۳ (۲) سورہ انعام، آیت ۱۴۵

(۳) جامع البیان، جلد ۳، ص ۵۹؛ المنار، جلد ۴، ص ۱۲۳

maablib.org

مفسرین میں صرف طبری نے دورِ جاہلیت میں قرضہ کے مقدار کو دگنا کرنے سے متعلق زید کے قول کو مستند قرار دیا ہے۔(۱)

جبکہ دوسرے مفسرین کے مطابق مال کا مالک مہلت میں اضافہ کے عوض قرض کی رقم زیادہ وصول کرتے تھے۔ مگر "اضافہ یا زیادہ" کی مقدار کے متعلق کوئی علم نہیں، بعض نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ شرح سود کبھی کبھار اصل سرمایہ سے دگنا ہوتی تھی۔

بعض مفسرین کے مطابق ایک مدت کے بعد سود کی شرح اصل قرض کے مقابلے میں کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ البتہ کئی گنا اضافہ کتنی دفعہ تجدید مہلت کے بعد ہوتا تھا کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ اس بات کے شواہد ہیں کہ منافع کی شرح سو فیصد سے کم ہی ہوتی تھی۔ چنانچہ "جزیرۃ العرب کی تجارت" کے بحث میں ہم نے واضح کیا ہے کہ بعض تاجر اور عام افراد تجارتی قافلوں میں شرکت کرنے کے لئے دولت مندوں سے قرضہ لیتے تھے۔(۲)

اور تاریخی شواہد کے مطابق لوگ تجارت کے ذریعے ہر دینار پر ایک دینار یعنی سو فیصد منافع کماتے تھے۔(۳)

لیکن یہ واضح ہے کہ قرضوں پر سود سو فیصد سے کم ہی ہوتا تھا۔ تاکہ تاجر اور عام لوگوں کے لئے قرضہ لینے میں دلچسپی باقی رہے۔

ب:۔ استدلال کے دوسرے حصے میں کہا گیا کہ صرف "أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" کی صفت والا سود حرام ہے، جو اصل سرمایہ کے مقابل میں کئی گنا زیادہ ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ:

ا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مفسرین کی اکثریت کی رائے کے مطابق "أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" سود کی تمام اقسام کی خاصیت ہے، کیونکہ کم شرح کا سود بھی تجدید مہلت کے بعد اصل سرمایہ کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ مثلاً: ایک شخص بیس فیصد (20%) شرح سود پر دس لاکھ روپیہ کسی سے قرض لیتا ہے جسے واپس کرنے کی قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے اگر اسے چار بار مہلت میں اضافہ کرانا پڑا تو اسے بیس فیصد (20%) کے شرح کے حساب سے پانچ سال بعد پچیس لاکھ روپیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اور اگر یہی شخص شروع ہی سے پانچ سال کے لئے، بیس فیصد سود مرکب پر قرض لیتا، تو اس وقت بھی اسے پچیس

---

(۱) جامع البیان، جلد۳، ص۵۹ : المنار، جلد۴، ص۱۲۳

(۲) مکہ والمدینہ فی الجاہلیۃ وعہد الرسول، ص۲۱۲ تا ۲۱۳ : المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جلد۷، ص۳۰۳ و ۳۲۱

(۳) المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جلد۷، ص۲۳۲ و ۲۳۷ : مکہ والمدینہ فی الجاہلیۃ وعہد الرسول، ص۲۰۳ تا ۲۰۶

لاکھ روپیہ ہی ادا کرنا پڑتا۔

پس جب سود کی تمام قسموں کی صفت "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" ہے، تو حرمت (لَا تَأْكُلُوا) کا حکم بھی تمام اقسام کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اس سود کو حرام قرار نہیں دیا، جس کی شرح پہلے ہی سو فیصد یا اس سے زیادہ ہو، بلکہ مقصود پروردگار، سود کی تمام اقسام ہیں۔ چاہے اس کی شرح زیادہ ہو یا کم۔ لہٰذا یہ کہنا کہ آیت صرف مرکب سود یا سود در سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، صحیح نہیں ہے۔

۲۔ زید بن اسلم کے قول کے مطابق "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" سے مراد جاہلیت والا سود ہے کیونکہ اس میں بھی قرض کا مال دگنا ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی مذکورہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" دگنا چوگنا اضافہ اس صورت میں خارج میں موجود اوصاف میں سے ایک ہے۔ اور آیت کا معنی کچھ یوں ہوگا کہ:

"اے ایمان والو! جس سود کی حقیقت میں صفت یہ ہو کہ اس سے قرض میں دو یا کئی گنا زیادہ اضافہ ہوتا ہو تو، اسے مت کھاؤ"۔ علم اصول میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وصف مفہوم نہیں رکھتا، پس آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیت کا مفہوم یوں ہے:

"سو فیصد سے کم شرح سود کھانا جائز ہے، کیونکہ یہ آیت کم شرح سود کے حلال ہونے کو ثابت نہیں کرتی۔ مثلاً! آج کل کہا جاتا ہے کہ انسانی معاشروں کو تباہ اور گھروں کو ویران کرنے والی منشیات کا استعمال ممنوع ہونا چاہیے۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ گھروں کو ویران اور انسانوں کو برباد نہ کرنے والی منشیات کا استعمال جائز ہے۔"

۳۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" حرمت کے حکم کے لئے قید ہے تو اس کے نتیجے میں صرف "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" "دگنا چگنا اضافہ" ہی حرام ہوگا۔ مگر اس نظریے کو ماننے سے درج ذیل کئی دوسری چیزوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جسے تسلیم کرنا تو درکنار ان کے ممکن ہونے کو بھی کوئی نہیں مان سکتا:

ا۔ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ صدر اسلام سے آج تک تمام فقہاء، علماء، اصحاب پیغمبرؐ، یہاں تک کہ ائمہ علیہم السلام اور خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کا معنی سمجھنے سے قاصر تھے۔ ورنہ اس قدر تاکید نہ کرتے۔ سود کو اتنی شدت اور سختی سے منع کرنے اور سود کھانے والوں کو خدا اور رسولؐ سے جنگ کہنے کی بجائے پیغمبر اکرمؐ یہ کہہ سکتے تھے کہ صرف سو فیصد سود لینا حرام ہے لیکن نوے یا ننانوے فیصد یا اس سے کم سود لینے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ پیغمبر اکرمؐ سود خوروں کے ساتھ سختی برتنے کے بجائے سود کی شرح میں کمی کا اعلان کر سکتے تھے۔

جبکہ ایک عام اور معمولی انسان بھی اگر تحقیق کرے تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ پوری تاریخ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرمودات اور فقہاء و مفسرین کے فتاویٰ اور

تفسیروں میں شرح سود کے کم اور زیادہ ہونے میں کسی قسم کا فرق روانہیں رکھا گیا۔ بلکہ ''عادلانہ اور غیر عادلانہ یا مرکب سود'' جیسی اصطلاحات اسلامی ممالک میں مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے نافذ ہونے کے بعد ایجاد ہوئی ہیں۔

۲۔ احکامات الٰہی کی تشریع کے طریقہ کار پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خداوند عالم کسی فعل کے مفاسد کی وجہ سے اسے حرام قرار دیتا ہے تو کم اور زیادہ میں فرق نہیں ڈالتا بلکہ مکمل طور پر اسے حرام کرتا ہے، تاکہ انسان اپنی عملی زندگی میں اس کے قریب بھی نہ جائے۔

مثال کے طور پر جب خدا نے چوری، ظلم، ناانصافی، خیانت، جوا، لوگوں کا مال ناحق کھانے اور نامحرم کی طرف نگاہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے تو حرمت کے اس حکم میں کمی اور زیادتی کو مدنظر نہیں رکھا، چنانچہ چوری ایک روپیہ کی ہو، تب بھی حرام ہے اور ایک کروڑ روپے کی ہو، تب بھی حرام ہے۔ اگرچہ کم شرح سود کے مفاسد، زیادہ شرح سود کے مقابلے میں کم ہیں اس کے باوجود بھی یہ حرام ہے۔ اس لئے کہ انسان بہت لالچی ہے۔ اگر چھوٹے گناہ یا حرام کاموں کی اسے اجازت مل جائے تو وہ بڑے گناہ اور حرام کام سے بھی نہیں چوکتا۔

۳۔ بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ "اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً" حرمت کے حکم کے لئے قید ہے اور آیت صرف ''مرکب سود'' کو حرام قرار دیتی ہے۔ پھر بھی یہ دعویٰ کہ: اسلام اور قرآن صرف ''مرکب سود یا سود در سود'' کو حرام قرار دیتے ہیں ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں کئی ایسی آیات بھی موجود ہیں جو ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیتی ہیں جیسے:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ''تجارت کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام کیا ہے'' (۱)

اور يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقَاتِ ''اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے'' (۲)

اور:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۵

(۲) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۶

maablib.org

''مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرلو اور سود چھوڑ دو تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے۔ جس میں نہ دوسروں کو نقصان ہوگا اور نہ تمہیں نقصان''۔ (۱)

مذکورہ تمام آیتیں ہر قسم کے سود کو، چاہے اس کی شرح زیادہ ہو یا کم، مکمل طور پر حرام قرار دیتی ہیں۔ صرف دگنا یا چگنا کی صفت والے سود کو حرام سمجھنے والوں کا یہ نظریہ کہ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی سورہ آل عمران کی آیت 'مطلق آیات کے لئے مقید بنتی ہے'' اس پر کئی اعتراضات واقع ہوئے ہیں:

اوّل: اطلاق پر خطاب مطلق کی دلالت اگر از باب ظہور ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اطلاق پر خطاب مطلق کی دلالت از باب ظہور نہ ہو بلکہ از باب نص وصریح ہو تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پر خطاب مطلق کی دلالت از باب نص وصریح ہے۔ آیت:

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ اور وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا ۝

بطور نص اور صریحاً دلالت کرتی ہیں کہ مال کا مالک صرف اپنا اصل سرمایہ لے سکتا ہے۔ وہ سود نہیں لے سکتا۔ پس ان آیات کے مقید ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔

دوّم۔ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات کو مطلق پر ''نص'' نہ ماننا اور یہ کہنا کہ آیات زیادہ سے زیادہ اطلاق پر ''ظاہر'' ہیں، صحیح نہیں ہے کیونکہ مطلق کو مقید پر حمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں کے حکم میں اختلاف ہو۔ یعنی مطلق اور مقید کا ظاہر قابل جمع نہ ہوں۔ پس اگر مطلق میں تکلیف شرعی' وجوبی ہو اور مقید میں استحبابی ہو تو اس وقت مطلق اور مقید میں اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ مقید میں فرد افضل پر حمل کیا جاتا ہے۔

اختلاف حکم کو فرض کرنے کے بعد مطلق ومقید کے حکم کو دو صورتوں میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ مطلق ومقید سلب وایجاب میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو اس صورت میں تمام علماء اصول مطلق کو مقید پر حمل کرنا صحیح سمجھتے ہیں۔

۲۔ مطلق ومقید اگر سلب وایجاب میں ایک جیسے ہوں تو اس صورت میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

الف: اطلاق اگر بدلی ہو تو اس وقت مقید پر حمل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔

ب: اطلاق اگر شمولی ہو تو اس وقت مشہور علماء، مطلق کو مقید پر حمل کرنے سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ اس وقت اطلاق شمولی اور مقید کے درمیان کوئی اختلاف متصور نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک روایت کہتی

---

(۱) سورہ بقرہ، آیات ۲۷۸، ۲۷۹

ہے کہ: فِي الْغَنَمِ زَكَاةٌ "بھیڑ بکریوں پر زکات ہے" اور دوسری روایت کہتی ہے: فِي الْغَنَمِ السَّائِمَةِ زَكَاةٌ "جنگلی اور صحرائی، گھاس پر پلنے والی بھیڑ بکریوں پر زکات واجب ہے" یہاں مقید کے حکم کے مطابق "غنم سائمہ" میں زکات واجب ہونے اور خطاب مطلق کے اقتضاء کے مطابق "غنم غیر سائمہ" میں زکات واجب نہ ہونے میں کوئی تنافی نہیں ہے۔ مگر وصف کے مفہوم سے علمائے اصول کی اکثریت انکار کرتی ہے۔(۱)

ربا کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیتوں میں بھی یہی صورت حال ہے۔ کیونکہ یہ آیتیں مذکورہ "الرِّبٰوا" میں اطلاق شمولی رکھتی ہیں۔ اور کچھ آیتوں میں "اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً" کی صفت مطلق اور مقید میں کوئی تنافی پیدا نہیں کرتی۔ مگر وصف کا مفہوم بھی قابل قبول نہیں ہے۔

۵۔ ان تمام جوابات سے اگر چشم پوشی بھی برتی جائے تو قرآن کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی روایات کی باری آتی ہے جن میں کم منافع کو بھی سود اور حرام کہا گیا ہے۔

نظریہ تدریج کا نتیجہ:

"تدریجی حرمت ربا" کے نظریہ کا ایک فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ صرف مرکب سود کو حرام سمجھنے والوں کے شبہ کا جواب دیا جا سکے کیونکہ اگر ہم نظریہ تدریج کو مانتے ہیں تو اس صورت میں ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ: "تشریعات تدریجی" میں تشریع حکم کے ہر مرحلے کو ملاک نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ تشریع کے آخری مرحلے کو ہی ملاک و معیار قرار دینا چاہیے۔ جیسا کہ شراب کے تدریجی حکم میں (بالفرض اگر یہ صحیح ہو) مرحلہ سوم کی آیت کو سند قرار دیتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز کے علاوہ باقی حالتوں میں شراب پینا جائز ہے، اسی طرح سے سود کے معاملہ میں بھی تیسرے مرحلہ کی آیت کو سند قرار دیتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً "دُگنا چگنا اضافہ" والے سود کے علاوہ باقی سود جائز ہے۔ کیونکہ تشریع حرمت کا ملاک و معیار آخری حکم ہوتا ہے اور وہ سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں جن میں سود کو مکمل طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) مزید مطالعہ کے لئے رجوع کریں: محاضرات فی اصول الفقہ، محمد اسحاق فیاض، جلد۵، ص ۳۷۵، ۳۸۰؛ بحوث فی علم الاصول، سید محمود ہاشمی، جلد۳، ص۲۲۱؛ اصول الفقہ، محمد رضا مظفر، جلد۱، ص۱۷۲، ۱۷۵

ھ۔ سورۂ بقرہ آیات 275-281:

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ
مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ يَمْحَقُ اللَّهُ
الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا
بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝
وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

ترجمہ:

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو نفع کے لحاظ سے ویسی ہی ہے جیسے سود لینا، حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام، تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آ گیا، تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور قیامت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد، اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۝ اللہ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا ۝ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے، نماز پڑھتے اور زکات دیتے رہے، ان کو ان کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا، اور قیامت کے دن ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے ۝ مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو ۝ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ تم اللہ اور اس کے رسولؑ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہو، اور اگر توبہ کر لو گے اور سود چھوڑ دو گے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے؛ جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان ۝ اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے فراخی کے حاصل ہونے تک مہلت دو اور اگر قرض بخش دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ تم سمجھو ۝ اور اس دن

سے ڈرو جب تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے، اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا"۔

زمانِ نزول:

مفسرین ابن عباس اور حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ: ربا کی حرمت پر دلالت کرنے والی سورۂ بقرہ کی ۲۷۵-۲۸۱ آیتیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری آیتیں ہیں۔(۱)

بیضاوی ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

"اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے، اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا، اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا"۔

قرآن مجید کی سب سے آخری آیت ہے جسے جبرئیل امین لے کر آئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سورۂ بقرہ کی ۲۸۱ ویں آیت قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد اکیس دن تک زندہ رہے اور پھر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔(۲)

سعید بن مسیب کہتا ہے کہ: سورۂ بقرۃ کی آیات ۲۸۲ اور ۲۸۳ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری آیات ہیں، جبکہ ابو عبید کے مطابق آخری آیات قرضہ اور سود کی آیات ہیں۔(۳)

جلال الدین سیوطی مذکورہ تین اقوال کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

"مذکورہ اقوال کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ یہ تمام آیات موجودہ ترتیب میں ایک ساتھ نازل ہوئی تھیں اور یہ قرآن مجید کی سب سے آخری آیت ہے"۔(۴)

سورۂ بقرہ کی ربا پر دلالت کرنے والی آیات سورۂ آل عمران کی آیات ربا کے سات سال بعد اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری سال نازل ہوئی تھیں۔

---

(۱) التبیان جلد ۲، ص ۳۶۹؛ مجمع البیان، جلد ۲، ص ۳۹۴؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد ۱، ص ۳۱۰؛ جامع البیان، جلد ۳، ص ۷۵

(۲) انوار التنزیل و اسرار التاویل، جلد ۱، ص ۱۴۳

(۳) در المنثور، جلد ۱، ص ۳۶۹، ۳۷۰

(۴) الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین سیوطی، آخری فصل ما نزل القرآن۔

حضرت علامہ طباطبائی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"سورۂ بقرہ کی یہ آیات سود کی حرمت کی شدت اور سود خوروں کے ساتھ سختی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ابتدائی تشریع (قانون گزاری) کی وضاحت نہیں کرتی ہیں۔ کیونکہ ان آیات کا انداز قانون تشکیل دینے کا نہیں جبکہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۰ کے انداز کلام میں قانون گزراری کی صلاحیت موجود ہے، جس میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافاً مُضَاعَفَةً "اے ایماندارو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ"۔

سورۂ بقرہ کی یہ آیت: وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ: "اگر تم ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو"، سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مکمل طور پر سود خوری کو نہیں چھوڑا تھا اور شریعت کے منع کرنے کے باوجود ان کے درمیان ایک حد تک سود خوری کا رواج تھا، یہی وجہ تھی کہ خدا نے انہیں مکمل طور پر سود خوری ترک کرنے اور جن کے ذمے سود باقی تھا انہیں چھوڑ دینے کا حکم دیا۔(۱)

ربا اور انفاق کا تعلق:

اسلام میں سود اور انفاق ایک دوسرے کی ضد ہیں، انفاق کسی عوض کے بغیر دوسروں کو مال دینا جبکہ سود عوض پر دوسروں سے مال لینا ہے۔ ان دونوں کے اجتماعی واقتصادی اثرات ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ انفاق' محبت، تعاون اور ایثار کے جذبے کو اجاگر اور طبقاتی فاصلے کو کم کرتا ہے جبکہ سود خوری لالچ و دولت پرستی، بے حسی اور طبقاتی فاصلے میں اضافہ کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم قرآن مجید میں انفاق کے بعد ربا کا ذکر فرماتا ہے، اور ربا کی آیات کے ضمن میں انفاق کی جانب بھی اشارہ فرماتا ہے:

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰا وَ یُرْبِی الصَّدَقَاتِ ○

"اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے"۔

اور؛

اِنْ تَصَدَّقُوْا خَیْراً لَّکُمْ ○

"اگر تم صدقہ دو تو وہ تمہارے لیئے زیادہ اچھا ہے"۔

(۱) المیزان، جلد۲، ص ۴۰۸

تفسیر آیت ۔۲۷۵:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ○

''جولوگ سود کھاتے ہیں، وہ اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو''۔

یَاْکُلُوْنَ:

اس آیت میں ''اکـل'' سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ دوسروں کے اموال میں مطلق تصرف کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ○

''جولوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں''۔(۱)

عرف عام میں بھی دوسروں کا مال غصب کرنے اور ہڑپ کرنے کو کھانا اور اس طرح کرنے والے کو حرام خور کہا جاتا ہے۔

بعض مفسرین، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں جس میں آپ نے سود کھانے والے، دینے والے، اس کا معاہدہ لکھنے والے اور گواہ بننے والے پر لعنت کی ہے، اس آیت کے وسیع تر معنی کے قائل ہیں اور عذاب میں ان تمام افراد کو بھی شامل سمجھتے ہیں جن کا ذکر مذکورہ حدیث میں آیا ہے۔(۲)

بعض مفسرین آیت کے دائرہ کو اس سے بھی زیادہ وسعت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: جس معاشرہ میں سودی معاملات ہوتے ہیں اس کے تمام افراد کا بھی مواخذہ ہوگا جو سودی معاملات کو پنپتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر خاموش رہتے ہیں اور ان کے سد باب کے لئے کوئی اقدام نہیں کرتے۔(۳)

الرِّبٰوا:

اہل سنت کے بعض علماء اس آیت اور سورۂ نساء اور آل عمران کی آیات میں لفظ ''الـرِّبٰـوا'' سے مراد دور جاہلیت میں رائج سود لیتے ہیں۔ وہ چونکہ جاہلی سود کو سود کی صرف چند قسموں میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اس

---

(۱) سورۂ نساء آیت 10 (۲) التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۸۵

(۳) فی ظلال القرآن، جلد ۱، ص ۴۷۸

لئے دوسرے اقسام کی حرمت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے ان کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے برعکس شیعہ علماء اور مفسرین کلمہ "اَلــرِّبٰــوا" سے عام معنی مراد لیتے ہیں اور سود کی تمام قسموں (معاملی، قرضی) کو شامل سمجھتے ہیں اور سب کو مطلقاً حرام سمجھتے ہیں۔

لَا يَقُوْمُوْنَ:

مفسرین نے آیت کے اس حصہ کی تین تفسیریں بیان کی ہیں:

۱۔ اکثر مفسرین کے مطابق اس آیت میں "قیام" یعنی اٹھائے جانے سے مراد قیامت کے دن قبروں سے اٹھایا جانا ہے۔ اس تفسیر کو ابن عباس، مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر، حسن، ابن مسعود، انس، ابن سلام، ضحاک، ابن زید، عوف، سدی، ربیع، مقاتل، عکرمہ، اردبیلی، طوسی، طبرسی، مشہدی، ابن کثیر، قرطبی، آلوسی، سیوطی اور زمخشری نے نقل کیا ہے۔ (۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول یہ روایت ایک حد تک اس نظریہ کی تائید کرتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لَمَّا اُسْرِیَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ رَاَیْتُ اَقْوَاماً یُرِیْدُ اَحَدُهُمْ اَنْ یَقُوْمَ وَلَا یَقْدِرُ عَلَیْهِ مِنْ عِظَمِ بَطْنِهٖ، قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ یَاجِبْرَئِیْلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ "اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ" وَ اِذَا هُمْ بِسَبِیْلِ آلِ فِرْعَوْنَ یُعْرَضُوْنَ عَلَی النَّارِ غُدُوّاً وَّعَشِیّاً یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ.

"میں نے معراج کے سفر میں ایک ایسے گروہ کو دیکھا جس کا ہر ایک فرد اپنی جگہ سے اٹھنا چاہتا تھا مگر ان کے پیٹ اس قدر بڑے تھے کہ وہ اٹھ نہیں سکتے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں سود کھاتے تھے، یہ اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو، یہ آل فرعون کی راہ پر چلنے والے ہیں، ہر روز صبح وشام انہیں جہنم کی آگ میں ڈال دیا جاتا ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ خدایا: قیامت کب برپا ہوگی؟"۔ (۲)

---

(۱) زبدۃ البیان فی احکام القرآن، مقدس اردبیلی، تحقیق محمد باقر بہبودی، ص ۴۳۰؛ التبیان، جلد ۲، ص ۳۵۹؛ مجمع البیان، جلد ۲، ص ۳۸۹؛ تفسیر القرآن الکریم، ص ۸۲؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد ۱، ص ۳۰۸؛ الجامع لاحکام القرآن، جلد ۳، ص ۳۵۴؛ التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۸۵؛ جامع البیان، جلد ۳، ص ۶۷، ۶۸؛ درالمنثور، جلد ۱، ص ۳۶۳؛ الکشاف، جلد ۱، ص ۳۲۰

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۲۷، حصہ ۱۶

ایک اور روایت میں آپؐ فرماتے ہیں کہ:

لَمَّا أُسْرِيَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ رَأَيْتُ رِجَالاً بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا حَيَّاتٌ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا .

"معراج کی رات جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا، تو کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے مکانات کی طرح کشادہ تھے، اور اس میں موجود سانپ باہر سے دکھائی دے رہے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرئیل نے کہا کہ یہ سود خور ہیں" اس نظریہ کے مطابق آیت کا معنی یہی ہوگا کہ: "سود کھانے والے قیامت میں اپنی قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے شیطان نے لپٹ کر انہیں دیوانہ بنا دیا ہو"۔ (۱)

کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ حالت سود کھانے کی وجہ سے ہوگی ۔ قیامت کے دن یہی سود خوروں کی نشانی ہوگی، جبکہ دوسرے گنہگار بھی اپنی مخصوص نشانیوں کے ساتھ محشور ہوں گے۔ (۲)

۲۔ایک اور گروہ کے مطابق یہاں لفظ "قیام" سے مراد سود خوروں کی معاشرتی زندگی ہے۔

ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ:

"آیت کے ظاہری معنی کے لحاظ سے اس میں خداوند عالم سود خوروں کی معاشرتی زندگی کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ: سود خور مال و دولت جمع کرنے کی لالچ اور حرص کی وجہ سے تجارت کے طبعی اور فطری اصول بھول جاتے ہیں اور ان کے کام پاگلوں کی طرح غیر عاقلانہ اور ان کی حرکات مضطرب ہوتی ہیں"۔ (۳)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں "قیام" کا لفظ جہاں بھی بغیر کسی قید اور قرینہ کے آیا ہے، اس سے ظاہراً دنیاوی زندگی اور اجتماعی طور طریقے ہی مراد ہوتے ہیں۔ (۴)

اس بات کی تائید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔جس میں آپ فرماتے ہیں: آكِلُ الرِّبَا لَا يَخْرُجُ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى يَتَخَبَّطَهُ الشَّيْطَانُ "جب تک شیطان اسے دیوانہ نہیں بنائے گا سود خور دنیا سے نہیں جائے گا"۔ (۵)

---

(۱) مجمع البیان، جلد۲، ص۳۸۹؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد۱، ص۳۰۹

(۲) التبیان، جلد۲، ص۳۵۹؛ مجمع البیان، جلد۲، ص۳۸۹؛ الکشاف، جلد۱، ص۳۲۰

(۳) جامع الاحکام القرآن، ج۳، ص۳۵۴

(۴) المنار، جلد۳، ص۹۵

(۵) نور الثقلین، جلد۱، ص۲۹۱

اس حدیث کی رو سے آیت کا معنی کچھ یوں ہوگا کہ:

"دنیا میں سود کھانے والوں کے طور طریقے پاگلوں جیسے ہوتے ہیں وہ صحیح اور اجتماعی فکر سے عاری ہوتے ہیں، اور مال و دولت کی لالچ کی وجہ سے صحیح اور غلط معاملات میں تمیز نہیں کر سکتے ہیں"۔

۳۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ:

"دنیا اور آخرت کی زندگی دو مختلف حالتیں نہیں، بلکہ اخروی زندگی دنیا کی زندگی کا پرتو ہے اور آخرت کی زندگی کے روز و شب لوگوں کی دنیوی زندگی کے اچھے اور برے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں"۔

اس نظریے کے حامی سابقہ دونوں نظریات کو ملا کر کے کہتے ہیں کہ:

"یہ آیت سود خوروں کی دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں کی حالت بیان کرتی ہے"۔

ان کی دلیل میں دو قسم کی روایات موجود ہیں، ان میں بعض، سود کھانے والوں کی دنیوی زندگی کی کیفیت بیان کرتی ہیں اور بعض روایات انہیں اخروی زندگی سے ڈراتی ہیں۔ (۱)

تیسرے نظریے کے مطابق آیت کا معنی یوں ہوگا:

"دنیا میں سود کھانے والوں کے اقتصادی معاملات غیر طبیعی ہوتے ہیں، وہ صحیح اور غلط اقتصادی معاملات میں تمیز نہیں کر سکتے ہیں، یہ لوگ قیامت میں قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو، اور یہی آخرت میں ان کی نشانی ہوگی"۔

ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ○

"یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو نفع کے لحاظ سے ویسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام"۔

ذَالِكَ :

"قیام" سے آخرت میں جی اٹھنے کا معنی کرنے والے مفسرین کہتے ہیں کہ: "ذَالِكَ" سود خوروں کے اخروی عذاب کی جانب اشارہ ہے کہ سود خور دنیا میں کہتے تھے: "سود بھی تو تجارت جیسا ہے" اس لئے روز قیامت پاگلوں کی مانند ہوں گے۔ (۲)

---

(۱) کنز الدقائق، جلد۱، ص۶۶۳؛ المنار، جلد۳، ص۹۵؛ تفسیر نمونہ، جلد۲، ص۲۷۲؛ الجامع فی اصول الربا، ص۳۲، ۳۳؛ ربا و بانک و بیمہ، ص۱۹۳

(۲) مجمع البیان، جلد۲، ص۳۸۹؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد۱، ص۳۰۹؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۱

ان کے برعکس جو مفسرین "قیام" سے اجتماعی زندگی مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ:
" ذٰلِکَ "سود خوروں کی دنیا میں دیوانگی کی جانب اشارہ کرتی ہے یعنی اس کا ترجمہ یوں ہوگا:
"سود کھانے والے دنیا میں دیوانوں کی مانند ہیں، کیونکہ وہ صحیح اور غلط اقتصادی معاملات میں تمیز نہیں کر سکتے اور کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو نفع کے لحاظ سے سود جیسی ہے۔ خدا نے بھی ان کی اس بات کو ان کی دیوانگی کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ (۱)

اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا :

سود خور کہا کرتے ہیں کہ تجارت اور سود میں کوئی فرق نہیں وہ اس کی دلیل یوں پیش کرتے ہیں کہ نفع بخش معاملات کی بنیاد طرفین کی رضا مندی پر ہوتی ہے، پس جو بھی معاملہ طرفین کی رضامندی سے انجام پائے اور طرفین کے لئے نفع بخش ہو وہ جائز اور صحیح ہے۔ سودی معاملات میں بھی تجارت کی یہی صفات پائی جاتی ہیں۔ (۲)

اس کے علاوہ وہ تشبیہ اور قیاس کے ذریعے بھی استدلال کرتے تھے، ابن عباس نقل کرتے ہیں کہ:
"معاملاتِ نسیہ (اُدھار) میں جب قرض لوٹانے کا وقت آتا تھا تو مال کا مالک اپنے قرض کا مطالبہ کرتا تھا۔ مقروض اس سے کہتا: تم مہلت میں اضافہ کرو میں اس کے عوض تمہارے قرض کی مقدار میں اضافہ کر کے واپس لوٹا دوں گا۔ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ یہ سود ہے اور حرام ہے۔ تو وہ جواب میں کہتے: تجارت اور اس میں کیا فرق ہے؟ اس "اضافہ" کو اگر معاملہ میں شرط کریں یا مقروض کے بروقت ادا نہ کرسکنے کی صورت میں تجدید مہلت کے عوض (قرض کی مقدار میں) اضافہ کریں دونوں ایک جیسے ہیں۔" (۳)

وہ سودی قرض کو معاملات نسیہ (قرضی) کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے کہتے تھے کہ: جس طرح بیع نسیہ (اُدھار) میں دس روپے کی چیز کو ایک سال کے اندر ادائیگی کی مہلت پر گیارہ روپے میں فروخت کرنا جائز ہے۔ اسی طرح قرض میں بھی دس روپے دیکر گیارہ روپے لینا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ عقلی اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے"۔ (۴)

---

(۱) المیزان، عربی، جلد۲، ص۴۱۱؛ المنار، جلد۳، ص۹۶
(۲) فی ظلال القرآن، جلد۱، ص۴۸۰؛ تفسیر نمونہ، جلد۲، ص۲۷۳؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۰
(۳) مجمع البیان، جلد۲، ص۳۸۹؛ جامع البیان، جلد۳، ص۹۶
(۴) التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۰

آیت کے اس حصے کے متعلق دو نکات کی جانب یہاں اشارہ کرنا ضروری ہے:

پہلا نکتہ:

سود خور یہ کہنے کی بجائے کہ: "سود بھی تو نفع کے لحاظ سے تجارت جیسا ہے" کہتے تھے کہ: "تجارت بھی تو نفع کے لحاظ سے سود جیسی ہے" بعض کے مطابق یہ مبالغہ در تشبیہ ہے۔ (۱)

یہ مبالغہ ایسا ہے جیسے اگر کوئی یہ کہے کہ: "میرے یار کا چہرہ چاند جیسا ہے" جبکہ کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ اہل عرب مبالغہ در تشبیہ کی جانب متوجہ ہی نہیں تھے، بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ:

"لین دین اور سود ہر لحاظ سے ایک جیسے ہیں، اس لئے ایک حلال اور دوسرا حرام نہیں ہو سکتا"۔ (۲)

دوسرا نکتہ:

ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۝

"وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو نفع کے لحاظ سے سود جیسی ہے"۔

اس آیت کے ظاہری معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی ابتدا میں جس عذاب کا ذکر ہوا ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو سود کو حلال جان کر کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: "تجارت بھی تو سود جیسی ہے" مگر خدا نے آیت کے آغاز میں "اکل" یعنی ہر سود کھانے والے کے لئے عذاب کا وعدہ کر کے یہ واضح کر دیا کہ ہر سود خور کو یہی عذاب ملے گا چاہے وہ اس کے جواز کے قائل ہوں یا حرمت کے۔

اس تعارض کو دور کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ: آیت کا دوسرا حصہ ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا کا تقاضا ہے کہ ابتدائی حصہ کی تاویل کرتے ہوئے کچھ اس طرح سے معنی کریں:

"جو لوگ تجارت اور سود میں کسی فرق کے قائل نہیں اور اسی اعتقاد کے ساتھ سود کھاتے ہیں۔ قیامت کے دن اس طرح سے حواس باختہ اٹھیں گے جیسے شیطان نے انہیں لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو"۔

پس اس عذاب کے لپیٹ میں وہ مسلمان نہیں آئیں گے جو سود کو حرام سمجھتے ہیں مگر اپنی لالچ کی وجہ سے اسے کھاتے ہیں۔

(۱) الکشاف، جلد۱، ص۳۲۱

(۲) التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۱

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ سودخوری جیسے گناہوں کو بار بار انجام دینے سے انسانی فکر تبدیل ہوجاتی ہے اور آخر کار اسے کافر و مرتد بھی بنا دیتی ہے۔شہید مرتضی مطہریؒ، اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں کہ:"انسانوں کے اعمال و کردار اس کے افکار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔مثلا ایک گروہ جسے کام چوری کی عادت پڑ چکی ہے، وہ آہستہ آہستہ سوچنے لگتا ہے کہ کام اور محنت کرنا ان کی شان کے خلاف ہے۔اسی طرح ظالم اور غاصب لوگ غریبوں اور کمزوروں کے حقوق غصب کرتے ہوئے یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا انہیں عزیز اور دوسروں کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔چنانچہ وہ لوگ ظلم و ستم کرنے اور لوگوں کے مال ناحق کھانے کو قرب الٰہی کا ذریعہ اور کمزوروں کے حقوق غصب کرنے کو صحیح سمجھتے ہیں"۔(۱)

سود خور مسلمان ہی کیوں نہ ہو، شروع میں تو وہ اسے حرام سمجھتے ہوئے کھاتا ہے۔مگر ایک دن کہنے لگتا ہے کہ: إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا "تجارت بھی تو سود جیسی ہے"۔

اس بات کی تائید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ:

آكِلُ الرِّبَا لَا يَخْرُجُ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى يَتَخَبَّطَهُ الشَّيْطَانُ.

"سود خور کو جب تک شیطان لپٹ کر دیوانہ نہ بنا دے، دنیا سے نہیں اٹھتا"۔(۲)

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا:

سودخوروں کی باتیں نقل کرنے کے بعد خداوند عالم واضح طور پر بیان فرماتا ہے کہ:

"خدا تجارت کو حلال اور سود کو حرام کرتا ہے"۔

یہ آیت صراحت کے ساتھ سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔اور سود کی حرمت پر ہونے والے تمام شکوک و شبہات کو ختم کرتی ہے۔آیت کا یہ حصہ تشریع اور حرمت سود کے قانون کے لحاظ سے بہت واضح ہے۔اور سود کی حرمت سے انکار کے ہر راستے کو بند کرتا ہے۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ: اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا کے ذریعے خداوند عالم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ:

---

(۱) ربا، بانک، بیمہ، ص۱۹۵

(۲) نور الثقلین، جلد۱، ص۲۹۱

''سود اور تجارت میں فرق بالکل واضح ہے۔لہٰذا انہیں آپس میں نہیں ملانا چاہیے۔ چونکہ تجارت اور سود کا الگ ہونا اتنا واضح اور روشن ہے کہ قرآن نے ان دونوں کے فرق کو مزید تفصیل سے بیان نہیں کیا ہے۔'' (۱)

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهُ اِلَى اللّٰهِ
وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ○

''تو جس شخص کے پاس خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا، اور قیامت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا اور جو پھر سے سود لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے''۔

حضرت علامہ طباطبائی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ آیت اگر چہ ربا کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات کے ساتھ نازل ہوئی ہے،مگر صرف ربا کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ تمام بڑے گناہوں کے متعلق (ربا بھی انہی میں سے ایک ہے) ایک کلی قاعدہ بیان کرتی ہے۔

مذکورہ مطالب کی روشنی میں اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی حکم شرعی سے آگاہ ہونے کے بعد گناہوں سے اپنا ہاتھ کھینچ لے گا۔ اس کے گزشتہ گناہوں کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا چاہے ان کا تعلق حقوق الناس سے ہو یا حقوق اللہ سے۔البتہ گناہ کے اثرات سے اسے مکمل طور پر چھوٹ نہیں ملے گی بلکہ اس کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔ خدا اگر چاہے تو جو فرائض ان سے چھوٹ گئے ہیں ان کی قضا کا حکم دے، جیسے نماز اور روزہ وغیرہ اگر قضا ہو جائیں تو ان کی قضا واجب ہے اور اگر گناہ کا تعلق حقوق الناس سے ہے تو ان کے ازالے کا حکم صادر فرمائے اور اگر وہ چاہے تو اصل گناہ کی طرح اس کے اثرات سے بھی چشم پوشی کرتے ہوئے توبہ کے بعد اس پر کوئی چیز واجب نہ کرے، جیسا کہ خدا نے مشرکین کے ساتھ یہی کیا کہ اسلام لانے کے بعد دوران شرک کے گناہوں کو ان کے اثرات سمیت معاف فرمایا۔اسی طرح حقوق اللہ سے متعلق گناہوں، مثلاً شراب خوری وغیرہ کو توبہ کے بعد کسی قسم کا وظیفہ ان پر واجب کیے بغیر معاف فرمادے''۔

---

(۱) التبیان، جلد۲، ص۳۶۰؛ مجمع البیان، جلد۲، ص۳۸۹؛ تفسیر نمونہ، جلد۲، ص۳۷۳؛ آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن، محمد جواد بلاغی نجفی، جلد۱، ص۳۳۳؛ فی ظلال القرآن، جلد۱، ص۳۸۰؛ مصرف الشیعہ الاسلامی، ص۳۷ تا آخر؛ المنار، جلد۳، ص۱۰۸

اس قاعدہ کلیہ کو سود پر منطبق کرنے کی صورت میں آیت کا معنی یوں ہو گا کہ: خدا کی طرف سے حکم آنے اور سود کی حرمت کا علم ہونے کے بعد جو سود خوری سے توبہ کرتا ہے ،اسے اپنی گذشتہ سود خوری کا غم نہیں کرنا چاہئے؛ خدا اسے معاف فرمائے گا، البتہ اس کے بعد اس کے اثرات: (جیسے سود میں لیے گئے اموال کے حلال ہونے کا فیصلہ) خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ممکن ہے خداوند عالم اس کی حلیت کے لئے کچھ فرائض مقرر کرے، انہیں انجام دینے کے بعد مکمل طور پر اسے معاف کردے یا پھر سود کھانے والا کافر جو بعد میں مسلمان ہوا ہے، اور سود کی حرمت کے حکم سے ناواقف سود کھانے والے مسلمان اور اس حکم کی نافرمانی کر کے سود کھانے والے مسلمان کے درمیان میں فرق روا رکھے۔ (۱)

بعض مفسرین اس آیت کو سود سے مربوط سمجھتے ہیں اور اس کی مختلف تفسیریں بیان کرتے ہیں:

۱۔ "مَوْعِظَةٌ" یعنی خدا کی نصیحت پہنچنے سے مراد، ربا کی حرمت والی آیات کا نزول ہے، آیت کا معنی یہ ہے: "جو لوگ ربا کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات کے نازل ہونے کے بعد سود نہیں کھاتے ہیں، اس سے پہلے انہوں نے جو سود لئے ہیں، وہ ان کے لئے حلال ہیں۔" یعنی یہ قانون سابقہ زمانے میں ہونے والے سودی معاملات کو شامل نہیں ہے۔ مفسرین کی اکثریت (۲) اس معنی کو قبول کرتی ہے۔

بعض مفسرین اس کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: احکام الٰہی کی حکمت یہ ہے کہ جو حکم جس زمانے میں نازل ہو نافذ بھی اسی زمانے میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ حکم گزشتہ زمانے کو بھی شامل ہو جائے تو لوگوں کی زندگی بہت مشکل ہو جائے گی اور ان کی زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ (۳)

اس تفسیر کے مطابق، ربا کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات کے نازل ہونے کے بعد اگر کوئی سود لیتا ہے تو اسے چاہئے کہ خواہ سود کی حرمت کا علم رکھتا ہو یا نہ دونوں صورتوں میں ان کے اصل مالک کو لوٹا دے۔ اس حکم میں جاہل مقصر (احکام الٰہی کو سیکھنے میں سستی کرنے والا) اور جاہل قاصر (کوشش کے باوجود احکام الٰہی کو درک نہ کر سکنے والا) دونوں برابر ہیں۔

۲۔ "مَوْعِظَةٌ" یعنی خدا کی نصیحت کے پہنچنے سے مراد، صرف ربا کی حرمت والی آیات ہی نہیں بلکہ ربا سے ڈرانے والی ہر نصیحت ہے۔ چنانچہ آیت کا معنی یوں ہوگا: نادانی یا خدا کے حکم کی نافرمانی کرتے

---

(۱) المیزان، جلد۲، ص۴۱۷، ۴۱۸

(۲) مجمع البیان، جلد۲، ص۳۹۰؛ تفسیر نمونہ، جلد۲، ص۲۷۳؛ احکام القرآن، ص۳۳۱؛ جامع البیان، جلد۳، ص۶۹؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۳؛ درّ المنثور، جلد۱، ص۳۶۵؛ الکشاف، جلد۱، ص۳۲۱؛ روح المعانی، جلد۳، ص۵۱

(۳) تفسیر نمونہ، جلد۲، ص۲۷۳

ہوئے سود خوری کرنے والے موعظہ الٰہی آنے کے بعد سود سے توبہ کرلیں (چاہے وہ موعظہ، قرآنی آیات کی صورت میں ہوں یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السّلام کے فرامین کی صورت میں ہو) تو خدا ان کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (۱)

اس تفسیر کے مطابق آیت کے حکم میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو سود کی حرمت کو جاننے کے باوجود سود خوری کرتے ہیں۔ لیکن "فَلَهُ مَا سَلَفَ" "یعنی جو ہو چکا وہ اس کا" سے مراد یہ ہوگا کہ: خداوند عالم اس کے سابقہ گناہوں کو بخش دے گا اور لوگوں سے سود کی شکل میں لئے گئے اموال کا حکم آیت کے دوسرے حصے "وَاَمْرُهُ اِلَى اللهِ" "قیامت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد" سے واضح ہوتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر اور سود کے ذریعے حاصل کئے گئے اموال کے متعلق ائمہ طاہرین علیہم السلام سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔ (۲)

فقہاء نے بھی اس مسئلہ کی کئی فروعات بیان کی ہیں اور ہر روایت کو ایک خاص فرع کی دلیل قرار دیا ہے۔ مثلاً فقہاء کہتے ہیں کہ:

"سود خوری سے توبہ کرنے والا یا تو سود کی حرمت کا علم رکھتا تھا یا پھر اس سے جاہل تھا۔ جاہل ہونے کی صورت میں یا تو مقصر ہے (یعنی احکام کو سیکھنے میں اس نے کوتاہی کی ہے) یا پھر قاصر ہے (یعنی احکام الٰہی تک اسے رسائی نہیں تھی اور وہ اسے سیکھ نہیں سکتا تھا) اور کبھی سود ہی سے جاہل تھا۔ اسی طرح سود کے ذریعے لئے گئے اموال یا تو ختم ہو چکے ہیں یا پھر موجود ہیں۔"

ان کے علاوہ بھی بہت سے فروعات فقہاء نے بیان کئے ہیں۔

وَاَمْرُهُ اِلَى اللّٰهِ :

" اور قیامت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد" بعض مفسرین کا خیال ہے کہ خدا نے سابقہ سود کی حلیت کا حکم صرف معاشرے کے اجتماعی نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے دیا ہے۔ چنانچہ سود لینے والا اگر اطمینان قلب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے سود کی شکل میں لئے گئے اموال کو ان کے مالکوں کو لوٹا دینا چاہیے۔ (۳)

---

(۱) آلاء الرحمٰن، محمد جواد بلاغی، جلد۱، ص۲۴۳؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۳

(۲) الکافی، جلد۵، ص۱۴۵؛ کتاب المعیشہ، باب الربا

(۳) المنار، جلد۳، ص۹۸؛ تفسیر المراغی، جلد۱، جز۳، ص۶۳

کچھ مفسرین کا نظریہ ہے کہ آیت کے اس حصے سے مراد ہے کہ:

''سود خور جب توبہ کر لیتا ہے تو اس کی نجات کا دارومدار اس بات سے مشروط ہے کہ وہ اپنی توبہ پر قائم رہتا ہے یا پھر دوبارہ سود خوری جیسے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے''۔(۱)

وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ :

''اور جو پھر سے سود لے گا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، کہ ہمیشہ دوزخ میں رہینگے'' اس آیت کا ظاہری معنی یہ ہے کہ: سود خوری کے خطرناک نتائج سے ڈرائے جانے اور خدا کی طرف سے تاکید کے باوجود اگر کوئی سود کھاتا ہے تو اسے ہمیشہ دوزخ کے عذاب کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

معتزلہ کے بعض افراد کا بھی یہی نظریہ ہے، وہ کہتے ہیں: گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے مسلمان، کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

زمخشری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ فاسق ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے'' جبکہ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ: گناہگار مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

آیت کے اس حصے کی تفسیر میں مختلف مفسرین نے کئی احتمالات ذکر کئے ہیں۔

۱۔ اس آیت میں ہمیشہ دوزخ میں رہنے سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایک طویل مدت تک رہنا ہوگا، جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا ○

''اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا''۔(۲)

اس آیت میں بھی مقصود خداوندی دائمی عذاب نہیں ہے، مگر مبالغہ اور اس گناہ کی شدت بتانے کے لئے خدا نے دائمی عذاب کا ذکر کیا ہے۔ عربی زبان میں اس طرح کی تعبیرات جابجا ملتی ہیں۔ مثلاً: کسی بادشاہ کی طولانی سلطنت کو وہ ''ملک مخلّد'' سے تعبیر کرتے ہیں۔(۳)

---

(۱) التبیان، جلد ۲، ص ۳۹۰ : الجامع لاحکام القرآن، جلد ۳، ص ۳۶۱ : جامع البیان، جلد ۳، ص ۶۹ : درالمنثور، جلد ۱، ص ۳۶۵

(۲) سورہ نساء، آیت ۹۳

(۳) تفسیر نمونہ، جلد ۲، ص ۲۷۳ : زبدۃ البیان، ص ۴۳۱ : تفسیر القرآن الکریم، ص ۸۲ : الجامع لاحکام القرآن، جلد ۳، ص ۳۶۱ : تفسیر المراغی، جلد ۱، جزء ۳، ص ۶۵

۲۔ (غـاذ) سے مراد صرف سود خوری نہیں ہے۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو سود کو حلال سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''تجارت بھی تو نفع کے اعتبار سے سود جیسی ہے'' اور یہ واضح ہے کہ اس طرح کا اعتقاد رکھنا کفر کا موجب بنتا ہے۔اور اسے انجام دینے والا دائمی عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔(۱)

۳۔ (غاذ) سے ہمیشہ اور مسلسل سود کھانا مراد ہے۔آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسلسل سود کھانے سے انسان کے دل سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے اور وہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔(۲)

۴۔صوری اور لفظی ایمان خدا کی نظر میں ایمان نہیں ہے۔ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔صوری ایمان ۲۔حقیقی ایمان۔

اول۔صوری (دکھاوے کا) ایمان:

دین کے احکامات اور تعلیمات پر عمل کیے بغیر صرف کلمہ پڑھتے ہی اسے مسلمان کہا جاسکتا ہے اگر دین کے ساتھ کھلم کھلا دشمنی کا اظہار نہ کرتا ہو۔

دوم۔حقیقی ایمان:

غور وفکر اور معرفت کے ساتھ دین پر ایمان لانا حقیقی ایمان کہلاتا ہے۔یہ اسے گناہوں کے ارتکاب اور واجبات کو ترک کرنے سے بچاتا ہے۔اور جب تک شہوت، جہالت اور غفلت اس پر قابو نہیں پالیتے وہ گناہوں میں نہیں پڑتا۔اگر کوئی گناہ اس سے سرزد ہوجائے تو اسے دوبارہ نہ دہرانے کے مصمم ارادے کے ساتھ توبہ کرتا ہے۔یہ ایمان بندہ مومن کو دائمی عذاب سے بچاتا ہے۔

اس کے برعکس دکھاوے کے ایمان کی خداوند عالم کی نظر میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔احادیث میں آیا ہے کہ خداوند عالم لوگوں کے ظاہر کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ اس کے باطن اور اعمال و کردار پر نظر رکھتا ہے۔سود کو خدا، ظلم اور غیر فطری کام قرار دیتا ہے اور خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کھلی جنگ سے تشبیہ

(۱) التبیان، جلد۲، ص۳۶۲؛ مجمع البیان، جلد۲، ص۳۹۰؛ تفسیر القرآن الکریم، ص۸۲؛ جامع البیان، جلد۳، ص۶۹؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۳

(۲) تفسیر نمونہ، جلد۲، ص۲۷۳

دیتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہے کہ: سود کھانے والے قیامت کے دن دیوانوں کی صورت میں محشور ہوں گے۔ اس ایمان کی خدا کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں جو بندہ مومن کو گناہوں کے ارتکاب سے نہیں روکتا، وہ صرف ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار سود خوری کرتا ہے، جس سے اس کا باطنی کفر اور اس کی بے ایمانی ظاہر ہوتی ہے، یہی اس کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا باعث ہے۔ (۱)

اس بات کی تائید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَ هُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَشْرَبُ الشَّارِبُ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ.

"کوئی مومن حالت ایمان میں زنا نہیں کرسکتا اور کوئی شراب پیتے ہوئے مومن نہیں ہوسکتا"۔ (۲)

تفسیر آیت ۔۲۷۶:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝

"اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہگار کو دوست نہیں رکھتا"۔ (۳)

اس آیت میں خداوند عالم لوگوں کی صدقات سے بے رغبتی اور سود خوری سے رغبت کی طرف اشارہ فرمارہا ہے کہ لوگ، اپنی دولت میں اضافہ کے لئے سود لیتے ہیں جبکہ خدا سود کو مکمل طور پر مٹاتا ہے اور خدا اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں کوئی کمی ہوگی کیونکہ خدا صدقات کو بڑھاتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات وفرامین کے مطابق سود کے ختم کرنے اور صدقات کے بڑھانے کے حکم کا تعلق صرف آخرت کی زندگی سے نہیں بلکہ اس کے دنیاوی فوائد بھی ہیں۔ (۴)

مفسرین دنیا میں سود کے نقصانات کو یوں بیان کرتے ہیں:

ا۔ اللہ تعالیٰ سود خور کے مال سے آہستہ آہستہ برکت اٹھالیتا ہے اور بالآخر اسے فقر میں مبتلا کردیتا ہے۔ اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

---

(۱) المنار، جلد ۳، ص ۹۹؛ المیزان، جلد ۲، ص ۴۱۸؛ تفسیر المراغی، جلد ۱، ج ۳، ص ۶۵

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۲۰، ص ۳۱۰، باب تحریم الزنا علی الرجل خصوصا

(۳) سورۂ بقرہ آیت ۲۷۶

(۴) من لا یحضرہ الفقیہ، جلد ۳، ص ۱۷۶، باب الربا ۸۷؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد ۱، ص ۳۱۱

اِنَّ الرِّبٰا وَ اِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ يَصِيْرُ اِلٰى قَلٍّ ۔

''سود کی رقم چاہے جتنی زیادہ ہو اس کا انجام گھاٹا ہے''۔(۱)

تجربہ سے ثابت ہے کہ اس صورتحال سے اگر سود خور بچ بھی جائے تو اس کے ورثاء کے ساتھ ایسا ضرور پیش آتا ہے۔

۲۔ مال ودولت جمع کرنے کا مقصد اس سے بہتر زندگی گزارنا اور عیش و آرام کرنا ہے۔لوگ زیادہ آرام اور سہولت کے لئے زیادہ مال ودولت جمع کرتے ہیں۔جبکہ انسان کو حقیقی سکون اور آرام مال وثروت کے ذریعے نہیں ملتا ہے۔ بڑے بڑے دولت مندوں کے مقابلے میں بھی بہت کم مال ودولت رکھنے والے زیادہ آرام وسکون کی زندگی گزارتے ہیں۔کیونکہ ان دولت مندوں کی دولت طمع، لالچ اور خیانت کے ذریعے جمع ہوئی ہوتی ہے۔جو اپنے ساتھ دسیوں جسمانی وروحانی بیماریوں اور پریشانوں کو لے آتی ہے۔خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

''آپ فرما دیجئے کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں اچھی ہی لگے۔تو عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔(۲)

۳۔ دنیا کی ایک بڑی نعمت انسان کا معاشرے میں معزز اور محترم ہونا ہے۔جبکہ سودخور کی نہ صرف خدا کی نظر میں کوئی عزت نہیں ہوتی بلکہ معاشرہ بھی اسے لالچی، حریص اور فاسق سمجھتا ہے۔اس کے علاوہ ضرورت مند اور ان کے ہاتھوں نقصان اٹھانے والے لوگ ان کی جان ومال کے دشمن بن جاتے ہیں اورانہیں نقصان پہنچانے کے لئے ہمیشہ تاک میں رہتے ہیں۔

یہ تو سود کھانے والوں کے دنیوی نقصانات تھے مگر سب سے بڑا نقصان انہیں آخرت میں ہوگا کہ جب سود کے ذریعے جمع کردہ مال و دولت ختم ہو چکا ہوگا، مگراس کے اثرات اور عقاب باقی ہوگا اوران سے اس کا حساب طلب کیا جائے گا۔

کسی نے حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام سے اس آیت: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ کے متعلق پوچھا کہ خدا سود کو کیسے مٹاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سود لینے والوں کی دولت میں

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن، جلد۳، ص ۳۶۲

(۲) سورہ مائدہ، آیت ۱۰۰

اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ:

فَاَیُّ مُحِقٍ اَمْحَقُ مِنْ دِرْھَمِ رِبآ، یَمْحَقُ الدِّیْنَ، فَاِنْ تَابَ مِنْہُ ذَھَبَ مَالُہٗ وَ افْتَقَرَ ۔

"اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہلاکت خیز ہو سکتی ہے کہ ایک درہم سود انسان کے دین کو نابود کر دیتا ہے، اور اگر توبہ کرے تو مال اس کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے اور محتاج ہوتا ہے، کیونکہ لوگوں کا مال واپس کرنا پڑے گا"۔ (۱)

سود کھانا بہت بڑا گناہ ہونے کے علاوہ سود خور کے نیک اعمال اور عبادات کو بھی برباد کر دیتا ہے۔

ابن عباس یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبَا وَ یُرْبِی الصَّدَقَاتِ: "اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے...." کی تفسیر کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:

لَا تُقْبَلُ مِنْہُ صَدَقَۃٌ وَ لَا حَجًّا وَّ لَا جِھَاداً وَ لَا صِلَۃً ۔

"خداوند عالم سود خور کے حج، صدقہ، جہاد اور صلہ رحمی کو قبول نہیں فرماتا ہے"۔ (۲)

صدقات کے دنیوی فائدے:

فقراء و مساکین کو صدقہ دینے اور ان کی مدد کرنے سے خداوند عالم مال میں اضافہ اور برکت عطا فرماتا ہے اور ہر طرح کے ممکنہ نقصانات سے بچاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

اِنَّ الْمَلَکَ یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ، اَللّٰھُمَّ یَسِّرْ لِکُلِّ مُنْفِقٍ خَلَفاً وَ لِکُلِّ مُمْسِکٍ تَلَفاً

"ایک فرشتہ ہر روز یہ صدا لگاتا ہے کہ یا اللہ! انفاق کرنے والوں کے مال میں اضافہ فرما، اور کنجوسوں کے اموال کو نابود کر"۔ (۳)

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں صدقہ دینے والوں کی محبت ڈال دیتا ہے، جس کی وجہ سے لوگ ان کے ساتھ ہمیشہ تعاون کرنے اور بوقت ضرورت ان کی مدد کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ان کی نیک نامی اور سخاوت کی وجہ سے لوگ ان کے اموال کی طرف لالچ بھری نظروں سے نہیں دیکھتے ہیں۔

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۱۷۶، باب الربا ۸۷، ح ۱۵

(۲) الجامع لاحکام القرآن، جلد ۳، ص ۳۶۲

(۳) التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۹۵

صدقات کے اخروی فائدے:

صدقات وخیرات کے اخروی فوائد کے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سے متعدد روایات نقل ہوئیں ہیں۔ اختصار کی خاطر ہم یہاں صرف ایک روایت نقل کرتے ہیں:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَ كُلْتُ بِهِ مَنْ يَقْبِضُهُ غَيْرِي إِلَّا الصَّدَقَةَ
فَإِنِّي أَتَلَقَّفُهَا بِيَدِي تَلَقُّفاً حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ وَالْمَرْأَةَ يَتَصَدَّقُ بِالتَّمْرَةِ
وَبِشِقِّ تَمْرَةٍ فَأُرَبِّيهَا لَهُ كَمَا يُرَبِّي الرَّجُلُ فَلُوَّهُ وَفَصِيلَهُ فَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَهُوَ مِثْلُ أُحُدٍ وَ أَعْظَمُ مِنْ أُحُدٍ.

"خداوند عالم فرماتا ہے: کہ ہر چیز (عمل) کے لئے میں نے وکیل مقرر کیا ہے، جو میری جانب سے اسے قبول کرتا ہے، مگر صدقہ کو میں بنفس نفیس خود قبول کرتا ہوں۔ جب تم میں سے کوئی مرد یا عورت، پوری یا آدھی کھجور صدقہ دیتا ہے تو جیسے تم گائے اور گھوڑے کے بچے کو (پال پوس کر) بڑا کرتے ہو اسی طرح سے میں اس صدقہ کو بڑھاؤں گا کہ صدقہ دینے والا روز قیامت اسے احد کی پہاڑی کے برابر یا اس سے بھی بڑا پائے گا۔" (۱)

حضرت علامہ طباطبائی آیت وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ: 'اللہ کسی ناشکرے گناہگار کو دوست نہیں رکھتا' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خداوند عالم نے سود کو حرام قرار دینے کی علت بیان فرمائی ہے:

"یعنی ہم نے اگر سود کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی وجہ خود سود خور ہے، کیونکہ سود کھانے والا انتہائی ناشکرا ہوتا ہے۔ وہ خدا کی عظیم نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور انہیں فطری امور یعنی انسانی فلاح وبہبود اور اسلام کے بتائے ہوئے معاملات میں خرچ نہیں کرتا، اس کے علاوہ عبادات ومعاملات سے متعلق خدا کے احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہے اور سود کی کمائی کو کھانے، پینے، لباس اور رہائش پر خرچ کرتا ہے۔ ان حرام کاموں کی وجہ سے وہ اپنی عبادات کو (جس کے لیے شرط ہے کہ لباس اور مکان غصبی اور حرام نہ ہو) برباد کرتا ہے۔ سودی لین دین کی وجہ سے اس کے دوسرے بہت سے معاملات بھی باطل ہوجاتے ہیں اور وہ معاملہ کے دوسرے فریق کے مال کا ضامن بن جاتا ہے۔ ایسا شخص اخلاقی اصولوں کو پاؤں تلے روندتا ہے، چنانچہ گناہ اس کے دل وجان میں رچ بس جاتا ہے۔ خدا ایسے لوگوں کو دوست نہیں رکھتا کیونکہ خدا ناشکرے اور گناہگاروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہے۔" (۲)

---

(۱) تفسیر العیاشی، ابوالنصر محمد بن مسعود عیاشی، جلد ۱، ص ۱۷۲، حدیث ۵۰۸ (۲) المیزان، جلد ۲، ص ۴۲۱-۴۲۲

تفسیر آیت ۲۷۸ از سورۂ بقرہ:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ ○

"مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو"۔

شانِ نزول:

اس آیت کی شانِ نزول کے متعلق مفسرین کی مختلف آراء ہیں:

اوّل۔ کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے:

اِنَّ الْوَلِیْدَ بْنَ الْمُغِیْرَةِ كَانَ یُرْبِیْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَقَدْ بَقِیَ لَهٗ بَقَایَا عَلٰی ثَقِیْفٍ وَ اَرَادَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ الْمُطَالَبَةَ بَعْدَ اَنْ اَسْلَمَ فَنَزَلَتْ:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ ○

"دور جاہلیت میں ولید بن مغیرہ لوگوں (کو قرض دیتا اور ان) سے سود لیتا تھا۔ قبیلہ بنی ثقیف کے ذمے اس کا کچھ سود باقی تھا۔ اسلام لانے کے بعد خالد بن ولید نے بنی ثقیف سے اپنے باقی سود کا مطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے۔ اس کو چھوڑ دو"۔(۱)

مورخین کہتے ہیں کہ: خالد بن ولید نے ساتویں ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔

علی بن ابراہیم کی تفسیر میں ہے کہ جب آیت:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبَا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ○

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو"۔(۲)

نازل ہوئی تو خالد بن ولید اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا:

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح بخاری، ابن حجر عسقلانی، جلد ۴، ص ۳۱۴؛ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد ۱۱، ص ۲۰۲

(۲) بقرۃ۔ آیت ۲۷۵

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بنی ثقیف کے ذمے میرے والد کے کچھ سود باقی ہیں۔ انہوں نے مجھے انہیں وصول کرنے کی وصیت کی ہے اس وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۝

''مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ''۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''آج کے بعد جو بھی سود لے گا وہ واجب القتل ہوگا''۔ (۱)

دوم۔ بعض مفسرین جیسے عکرمہ وسدی وغیرہ کے مطابق یہ آیت عباس بن عبدالمطلب اور خالد بن ولید کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ یہ دونوں دور جاہلیت میں کاروباری شراکت دار تھے اور بنی عمرو بن عمیر اور بنی ثقیف کو سود پر قرضہ دیتے تھے۔ ان کے مسلمان ہونے کے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ، زمانہ جاہلیت کے تمام سود کالعدم قرار دیئے گئے ہیں، سب سے پہلے میں (اپنے چچا) عباس بن عبدالمطلب کے سود کو کالعدم قرار دیتا ہوں''۔ (۲)

سوم۔ فخر رازی، عطاء اور عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ: یہ آیت خصوصیت کے ساتھ عباس بن عبدالمطلب اور عثمان بن عفان کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ دونوں کھجوروں کی تجارت کرتے تھے۔ یہ کھجور والوں کے ساتھ معاملہ سلف کرتے تھے۔ (یعنی کھجور پکنے سے پہلے خریدتے تھے) اور جب اسے تحویل میں لینے کا وقت آتا تھا تو یہ دونوں نصف اس سال وصول کرتے اور دوسرے نصف کو دگنا کرنے کی شرط کے ساتھ اس کی مہلت میں توسیع کرتے تھے یہاں تک کہ خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

چہارم: مفسرین کی بڑی تعداد جیسے مقاتل، زید بن اسلم، ابن عباس، سدی، ابن جریج، سیوطی اور قرطبی وغیرہ کے مطابق یہ آیت بنی ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

maablib.org

---

(۱) مستدرک الوسائل، جلد ۱۳، ص ۳۳۲، باب ۲، از ابواب الربا، ح ۱

(۲) مجمع البیان، جلد ۲، ص ۳۹۲؛ جامع البیان، جلد ۳، ص ۷۱؛ التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۹۹

بنی ثقیف کا قبیلہ عمیر بن عوف ثقفی کے چار بیٹوں مسعود، حبیب، ربیعہ اور عبد یالیل پر مشتمل تھا۔ یہ چار افراد دور جاہلیت میں عباس بن عبد المطلب اور خالد بن ولید سے سود پر قرض لے کر، قبیلہ بنی مخزوم و بنی عبدہ اور بنی ثقیف کو سود پر قرض دیتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے قبیلہ بنی ثقیف نے 'عبد یالیل' کی سربراہی میں ایک وفد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بھیجا۔ یہ وفد ماہ رمضان ۹ ھ میں آپ کی خدمت میں پہنچا، اپنی گفتگو کے دوران عبد یالیل نے سود کے متعلق آپؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: سود حرام ہے۔

عبد یالیل نے دوبارہ سوال کیا کہ کیا سارا مال حرام ہے؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنا اصل مال لینے کا حق رکھتے ہو، خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

''اور اگر تو بہ کرلو گے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان''۔ (۱)

تفصیلی بات چیت کے بعد بنی ثقیف، پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ ایک صلح نامہ پر راضی ہو گئے انہوں نے اس صلح نامہ کی شرائط میں ایک شرط یہ رکھی کہ:

''انہیں دوسروں سے سود وصول کرنے کا حق حاصل ہوگا، اس کے برعکس دوسروں کا سود جو بنی ثقیف کے ذمہ ہوگا' وہ کالعدم شمار ہوگا''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شرط کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے صلح نامے کے آخر میں یہ جملہ تحریر کرنے کا حکم صادر فرمایا کہ:

اِنَّ لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَ عَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ لَا يَاْكُلُوا الرِّبَا وَلَا يُؤْكِلُوْهُ۔

''جو حقوق مسلمانوں کو ملیں گے وہی ان کو بھی ملیں گے اسی طرح سے جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد ہوں گی وہی ان پر بھی عائد ہوں گی کہ نہ تو کسی کو سود دیں گے اور نہ کسی سے سود لیں گے''۔

بنی ثقیف نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنی مغیرہ سے اپنے سود کا مطالبہ کیا تو انہوں نے سود دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ: ''سود باطل (کالعدم) ہو چکا ہے'' بنی ثقیف والوں نے کہا ہم نے پیغمبر اکرمؐ سے اپنا سود وصول کرنے کی اجازت لی ہے۔

---

(۱) سورۂ بقرۃ آیت ۲۷۹

بنی مغیرہ نے مکہ میں آپؐ کے ملازم عتاب ابن اسید سے اس کی شکایت کی۔ عتاب نے ایک خط کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کے بارے میں مطلع کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ ذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَ رَسُولِهِ ○

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ"۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن اسید کے نام اپنے خط میں بنی ثقیف کے سامنے اس آیت کی تلاوت کا حکم دیا۔ بنی ثقیف نے اس آیت کو سننے کے بعد یہ کہتے ہوئے سود سے ہاتھ کھینچ لیا کہ:

"ہم خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے"۔ (۱)

تفسیر:

اس آیت سے متعلق چند نکات بہت اہم ہیں:

۱۔ شان نزول اور آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمان ان آیتوں کے نازل ہونے تک سود کھاتے اور دوسروں سے سود لیتے تھے۔ خدا نے انہیں تقویٰ اختیار کرنے اور گناہوں سے باز آنے کی تلقین کے ساتھ، لوگوں سے اپنا بقایا سود طلب نہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ (۲)

۲۔ خداوند عالم اس آیت میں مومنین سے مخاطب ہے:

"اگر ایمان رکھتے ہو تو اپنے بقایا سود کا مطالبہ نہ کرو"۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ آیت کا آغاز اور اختتام دونوں 'ایمان' کے لفظ سے ہوا ہے جو اس حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے کہ سود روح ایمان کے ساتھ میل نہیں رکھتا۔ اس سے ان لوگوں کے اس نظریے کی تائید ہوتی ہے کہ:

(۱) کتاب المغازی، جلد۳، ص۹۶۶؛ مجمع البیان، جلد۲، ص۳۹۲؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد۱، ص۳۱۲؛ الجامع لاحکام القرآن، جلد۳، ص۳۶۲؛ جامع البیان، جلد۱۷؛ درالمنثور، جلد۱، ۳۶۳؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۹

(۲) المیزان، جلد۲، ص۴۲۲

''سود کھانے اور بار بار کھانے سے سود خور کا باطنی کفر نمایاں ہوتا ہے، اگر چہ زبان سے وہ کفر کا اظہار نہ بھی کرتے ہوں''۔(۱)

تفسیر آیت ۲۷۹ از سورۂ بقرہ:

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ۚ وَ اِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ
رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ۝

''اگر سود لینا ترک نہ کروگے تو خبردار ہوجاؤ کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے کے لیئے تیار ہوتے ہو، اور اگر توبہ کرلوگے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے۔ جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان''۔(۲)

تفسیر:

اس آیت میں انداز کلام یکسر بدل جاتا ہے اور سود خوروں کو نصیحت کے پردے میں اللہ تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ: ''جو اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آتے اور حق وعدالت کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے وہ گویا خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اعلان جنگ کرتے ہیں۔''

اس آیت کا انداز اتنا سخت ہے کہ بعض مسلمان یہ گمان کرنے لگے کہ یہ آیت ان کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اِنَّمَا الۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ، تجارت بھی تو سود جیسی ہے'' اس طرح سود کھاتے تھے۔(۳)

ان کا یہ خیال چند وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے:

اوّل: یہ آیت اس پہلی آیت کا حصہ ہے جس کا آغاز یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا: ''اے ایمان والو!'' سے ہوتا ہے۔

---

(۱) المیزان، جلد۲، ص ۴۳۲؛ تفسیر نمونہ، جلد۲، ص ۲۷۸؛ فی ظلال القرآن، جلد۱، ص ۴۸۵؛ المنار، جلد۳، ص ۱۰۲؛ تفسیر المراغی، جلد۱، جز۳، ص ۶۷

(۲) سورۂ بقرۃ آیت ۲۷۹

(۳) کنز الدقائق، جلد۱، ص ۶۷۱؛ تفسیر نمونہ، جلد۲، ص ۲۷۸

دوم: سود کے علاوہ دیگر گناہان کبیرہ کے ارتکاب کو بھی خدا اور رسولؐ کے ساتھ جنگ سے تشبیہ دی گئی ہے، مثلاً: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

من لم یدع المخابرة فلیاذن بحرب من اللّٰه ورسوله .

''جو مخابرہ (بٹائی پر کھیتی باڑی) کرتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ کے ساتھ جنگ کے لیئے تیار رہیں''۔ (۱)

واضح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''مخابرہ'' سے منع کرنا، جو کہ فقہ اسلامی کے ابواب میں سے ایک اہم باب ہے، مشرکین کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ ان پر احکام شرعیہ کا بجالانا واجب نہیں۔

فقہاء (قُطّاعُ الطَّرِيقِ) رہزنوں اور لٹیروں کی سزا کی حد تعیین کرنے کے لئے سورۂ مائدۃ کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں؛ جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا
أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ
الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کردیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب تیار ہے۔'' (۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ راہزن اور لٹیرے چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں خدا اور رسولؐ کے ساتھ لڑنے والوں میں سے ہیں۔

سوم: جیسا کہ بنی ثقیف کے واقعہ میں بیان ہو چکا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب بن اسید کے نام اپنے خط میں بنی ثقیف کے سامنے اس آیت کی تلاوت کا حکم دیا اور بنی ثقیف نے اس آیت کو سننے کے بعد کہا کہ ہم میں خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کی ہمت اور طاقت نہیں، اس وقت بنی ثقیف اسلام لا چکے تھے۔

maablib.org

---

(۱) التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۱۰۰

(۲) سورہ مائدہ، آیت ۳۳

اس کے علاوہ علی ابن ابراہیم کی تفسیر میں بھی آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

''جو بھی سود لے گا وہ واجب القتل ہے''۔

ظاہر آیت اور مفسرین کی اکثریت (۱) کی رائے کے مطابق آیت کا خطاب عام ہے اور سود خوری سے پرہیز نہ کرنے والے مسلمان بھی اس حکم میں شامل ہیں۔اسی طرح سے سود کو حلال قرار دینے والوں پر بھی اس حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔

سود خوروں کا مقابلہ:

مفسرین کہتے ہیں کہ: سود خور اگر گروہ کی شکل میں ہوں اور سود خوری پر اصرار کرتے ہوں تو حاکم شرع کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے خلاف لڑنے کا حکم دے، اور جب تک توبہ نہ کریں اور حکم خدا کی طرف پلٹ نہ آئیں' ان کا مقابلہ کرتے رہیں۔ (۲)

اور اگر سود خور صرف ایک شخص ہو، تو اس کا مقابلہ کرنے اور اسے کیفر تک پہنچانے کے بارے میں فقہاء اور مفسرین کے درمیان اختلاف ہے؛ بعض کے مطابق حاکم شرع کی ذمہ درادی ہے کہ وہ اسے سزا دے اور توبہ کرنے تک قید میں رکھے۔ (۳)

فقہاء و مفسرین کی اکثریت کی رائے کے مطابق حاکم شرع کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں اسے قتل کردیا جائے گا۔ (۴)

شیخ طوسیؒ فرماتے ہیں: فقہ جعفری کے مطابق سود خور کو تین دفعہ سمجھایا اور ڈرایا جائے گا، اس کے بعد بھی باز نہ آنے کی صورت میں چوتھی مرتبہ میں قتل کیا جائے گا۔ (۵)

---

(۱) التبیان، جلد۲، ص ۳۶۷؛ مجمع البیان، جلد۲، ص ۳۹۲؛ احکام القرآن، ص ۳۳۵؛ آلاء الرحمن، جلد۱، ص ۲۴۹؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد۱، ص ۲۱۲؛ الجامع لاحکام القرآن، جلد۳، ص ۳۶۳؛ المیزان، جلد۲، ص ۴۲۲؛ جامع البیان، جلد ۳، ص ۷۱؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص ۹۹، ۱۰۰؛ فی ظلال القرآن، جلد۱، ص ۴۸۶؛ المنار، جلد۳، ص ۱۰۲؛ تفسیر المراغی، جلد۱، ج ۳، ص ۶۷

(۲) التبیان، جلد۲، ص ۳۶۷؛ الجامع لاحکام القرآن، جلد۳، ص ۳۶۳

(۳) التفسیر الکبیر، جلد۷، ص ۱۰۰

(۴) جامع البیان، جلد۳، ص ۷۱

(۵) التبیان، جلد۲، ص ۳۶۷

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

آكِلُ الرِّبَا يُؤَدَّبُ بَعْدَ الْبَيِّنَةِ فَإِنْ عَادَ اُدِّبَ وَ اِنْ عَادَ قُتِلَ .

''سود خور کو گواہی کے بعد تنبیہ کی جائے گی ۔ اگر دوبارہ سود کھانے لگے، تو دوبارہ تنبیہ کی جائے گی اس کے بعد بھی سود کھانے سے باز نہ آئے تو قتل کیا جائے گا''۔ (۱)

شریعت میں سود خور کی تادیب کے لئے کوئی خاص سزا معین نہیں ہوئی ہے۔ حاکم شرع تادیب کے لئے کوڑے، جرمانے اور قید میں سے جسے مناسب سمجھے معین کرسکتا ہے۔

سود کو حلال سمجھنے کی صورت میں سود خور مرتد ہو جاتا ہے۔ مرتد اگر ملی ہو تو جب تک توبہ نہیں کرلیتا اسے اپنے اموال میں تصرّف کرنے سے منع کیا جائے گا اور اگر مرتد فطری ہو تو ارتداد ثابت ہوتے ہی اس کا مال اس کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ مرتد کو سود کی حلیت کے اعتقاد پر قائم رہنے کی صورت میں حاکم شرع اسے توبہ کا حکم دے گا اور توبہ سے انکار کی صورت میں اپنے اموال میں تصرّف سے منع کیا جائے گا۔ اور قتل کی نوبت آنے اور اسے قتل کئے جانے کی صورت میں اس کے اموال کو اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ (۲)

وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

''اگر توبہ کرلو گے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے، جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان ہو''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دور جاہلیت کے تمام سودی معاملات کو باطل قرار دیتے ہوئے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ كُلَّ رِبًا كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ عَنْكُمْ كُلُّهُ :

" لَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ "

وَ اَوَّلُ رِبًا مَوْضُوْعٌ رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ كُلُّهُ .

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ، دور جاہلیت کے تمام سود تم سے اٹھا لیے گئے ہیں تم اپنے اصل سرمایہ کو وصول کرسکتے ہو۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر کوئی ظلم ہوگا ۔ میں سب سے پہلے عباس بن عبدالمطلب کے تمام سود معاف کرتا ہوں''۔ (۳)

---

(۱) مجمع البیان، جلد۲، ص ۳۹۲

(۲) زبدۃ البیان، ص ۴۳۵؛ روح المعانی، جلد۳، ص ۵۳؛ تفسیر کنز الدقائق، جلد۱، ص ۶۷۱؛ الکشاف، جلد۱، ص ۳۲۲

(۳) تفسیر القرآن العظیم، جلد۱، ص ۳۱۳

maablib.org

طبری قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"جب یہ آیت نازل ہوئی، لوگ صرف اپنے اصل سرمایہ کو لیتے تھے اس کے علاوہ انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تھا۔ انہیں اپنی اصل رقم سے زیادہ کے مطالبہ کا حق نہیں تھا"۔ (۱)

اس آیت کے مطابق ہر اضافہ سے اجتناب کرتے ہوئے صرف اصل سرمایا کا مطالبہ کرنا سود سے توبہ کی علامت ہے۔

چنانچہ یہ آیت صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر قسم کا اضافہ (جس کی شرح اگر چہ بہت کم ہی کیوں نہ ہو) ظلم اور سود شمار ہوتا ہے جو کہ ان لوگوں کے اس نظریے کو کہ: اسلام میں صرف حد سے زیادہ سود لینا یا مرکب سود حرام ہے، کے باطل ہونے پر ایک واضح دلیل ہے۔

لَا تَظْلِمُوْنَ:

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: اس آیت سے تین مطالب حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ اصل سرمایہ کا مالک ہو،

۲۔ سود کا ظلم ہونا۔

۳۔ تجارت کی دوسری تمام قسموں کی اجازت، کیونکہ " رُءُوسِ اَمْوَال " سے مال کو کسب وتجارت اور لین دین میں استعمال کرنا مراد ہے۔ (۲)

شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ:

"جملہ لَا تَظْلِمُوْنَ سے واضح ہوتا ہے کہ "ربا" ظلم ہے۔ اس کی حرمت، احسان کے واجب ہونے کی بنیاد پر نہیں، بلکہ عدل کے واجب ہونے اور ظلم کے حرام ہونے کی بنیاد پر ہے۔ یعنی سود دوسروں کا ما ل نا جائز طریقے سے کھانا ہے"۔ (۳)

" وَلَا تُظْلَمُوْنَ" اور نہ تم پر کوئی ظلم ہوگا، کے معنی یہ ہیں کہ: خدا نے جب تمہیں بغیر کسی نقصان کے اپنے اصل سرمایہ کے مطالبہ کی اجازت دی ہے اور تم پر کوئی ظلم نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اضافہ کا مطالبہ چھوڑ کر تم بھی کسی پر ظلم کرنے سے ہاتھ روک سکتے ہو۔

---

(۱) جامع البیان، جلد۳، ص۷۳

(۲) المیزان، جلد۲، ص ۴۲۳

(۳) ربا، بانک و بیمہ، ص ۱۹۷

قرطبی کہتا ہے: اس آیت کے مطابق مقروض، قرض لوٹانے پر راضی ہو یا نہ ہو، مالک اپنے مال کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ قرض لوٹانے کی قدرت رکھنے کے باوجود اگر مقروض ادا کرنے سے انکار کرتا ہے تو وہ ظالم کہلائے گا۔ کیونکہ خدا نے مال کے مالک کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے مال کا مطالبہ کرے۔ پس مقروض کو چاہیے کہ وہ قرض ادا کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"مطل الغنی ظلم"

قرض کی ادائیگی کی قدرت رکھتے ہوئے تاخیر کرنا ظلم ہے۔ (۱)

تفسیر آیت ۲۸۰:

وَ اِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ ؕ وَ اَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝

"اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دو، اور اگر بخش دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے۔ بشرطیکہ تم سمجھو"۔ (۲)

شان نزول:

کہا گیا ہے کہ جب فَاْذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ "خبردار ہو جاؤ کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہو" نازل ہوئی تو بنی ثقیف یہ کہتے ہوئے کہ: ہم میں خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں، بنی مغیرہ سے صرف اصل سرمایہ لینے پر رضا مند ہوئے، مگر بنی مغیرہ نے اپنی تنگدستی کی وجہ سے مہلت چاہی تو بنی ثقیف نے مزید مہلت دینے سے انکار کر دیا، اس وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

maablib.org

(۱) فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ۴، ص ۳۱۵: صحیح البخاری، جلد ۳، ص ۱۵۵، کتاب الاستقراض، باب مطل الغنی ظلم: جامع احادیث شیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۰۰: ابواب الدین والقرض، ب ۹، ح ۸

(۲) سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۰

تفسیر:

خداوند عالم اس آیت میں مقروض کے حقوق بیان فرماتا ہے کہ اگر مقروض مقررہ وقت پر قرض ادا نہ کرسکتا ہو تو نہ صرف اس سے سود کا مطالبہ نہ کرے بلکہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے بلکہ خدا اس کی بھی سفارش کرتا ہے کہ قرض خواہ اگر تنگدست ہو تو بہتر ہے کہ اُسے اصل مال بھی بخش دیا جائے کیونکہ اس کے بدلے اسے قیامت میں عظیم اجر سے نوازا جائے گا۔

اعسار (تنگدستی) کی حد:

آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تنگدست مقروض کو مہلت دینا چاہیے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقروض کب تنگدست اور فقیر شمار ہوتا ہے؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

هُوَ اِذَا لَمْ يَقْدِرْ عَلىٰ مَا يَفْضُلُ عَنْ قُوْتِهٖ وَقُوْتِ عِيَالِهٖ عَلَى الْاِقْتِصَادِ.

"جس کا ذریعہ آمدن اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت سے زیادہ نہ ہو وہ تنگدست ہے"۔ (۱)

میسرہ (فراخی):

میسرہ یا فراخی سے مقروض کی قرض ادا کرسکنے کی قدرت اور طاقت مراد ہے۔ کسی نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ:

جُعِلْتُ فِدَاكَ ! اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ يَقُوْلُ: (وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ) اَخْبِرْنِيْ عَنْ هٰذِهِ النَّظِرَةِ الَّتِيْ ذَكَرَهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْ كِتَابِهٖ ، لَهَا حَدٌّ يُعْرَفُ اِذَا صَارَ هٰذَا الْمُعْسِرُ لَابُدَّ لَهٗ مِنْ اَنْ يُنْتَظَرَ، وَقَدْ اَخَذَ مَالَ هٰذَا الرَّجُلِ وَاَنْفَقَهٗ عَلىٰ عِيَالِهٖ ، وَلَيْسَ لَهٗ غَلَّةٌ يُنْتَظَرُ اِدْرَاكُهَا وَلَا دَيْنٌ يُنْتَظَرُ مَحِلُّهٗ وَلَا مَالٌ غَائِبٌ يُنْتَظَرُ قُدُوْمُهٗ ؟

"میری جان آپؑ پر قربان؛ فرمان الٰہی ہے کہ: اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دو، اس مہلت سے مراد کیا ہے، وضاحت فرمائیے اور کیا اس مہلت کی کوئی حد بھی ہے، جسے حاصل ہونے تک مقروض کو مہلت دینا چاہیے؟

---

(۱) التبیان، جلد ۲، ص ۳۶۹

قرض خواہ اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے کے لیے قرض لیتا ہے جبکہ نہ تو اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ ہوتا ہے کہ جس کے ملنے کا انتظار کیا جائے اور نہ کسی پر اس کا کوئی قرض ہوتا ہے کہ جس کی وصولی تک صبر کرے۔ نہ کہیں اس کا پیسہ یا مال پڑا ہوا ہوتا ہے کہ جس کے ملنے کی اسے اُمید ہو۔کیا ایسے لوگوں کو بھی مہلت دینا چاہیے؟۔امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

نَعَمْ يُنتَظَرُ بِقَدْرِ مَا يَنْتَهِي خَبَرُهُ إِلَى الإِمَامِ فَيَقْضِي عَنْهُ مَا عَلَيْهِ مِنْ سَهْمِ الْغَارِمِينَ إِذَا كَانَ أَنْفَقَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَإِنْ كَانَ أَنْفَقَهُ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلَا شَيْءَ لَهُ عَلَى الإِمَامِ.

"ہاں اُسے اس وقت تک مہلت دی جائے گی کہ اس کی تنگدستی کی خبر امام تک پہنچ جائے تا کہ امام بیت المال کے مقروضوں کے حصے سے اس کا قرض ادا کرے۔البتہ اس شرط کے ساتھ کہ اس نے اسے خدا کی معصیت میں خرچ نہ کیا ہو اور اگر خدا کی معصیت (جیسے شراب خوری اور جوا وغیرہ) میں خرچ کیا ہے تو امام علیہ السلام پر اُسے ادا کرنا لازم نہیں"۔(۱)

ائمہ طاہرین علیہم السلام سے اسی روایت کے مضمون سے ملتی جلتی دوسری روایتیں بھی نقل ہوئی ہیں۔چنانچہ مستقبل میں مقروض کے مالی طور پر مستحکم ہونے کی اُمید ہو تو اس وقت اُسے مہلت دینا چاہیے اور اگر اس کی اُمید نہ ہو تو اُسے اتنی مہلت دے کہ حاکم شرع بیت المال سے اس کا قرض ادا کرے۔

نَظِرَةٌ (انتظار):

آیت کے ظاہری معنی کے مطابق قرض لوٹانے کی قدرت نہ رکھنے کی صورت میں مالک پر واجب ہے کہ وہ صبر کرے، اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ مقروض پر اس سلسلے میں سختی کرے۔خداوند عالم مقروض کو مہلت دینے کے بدلے میں اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سے اس کی اہمیت اور فضیلت کے متعلق متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔ہم مختصراً بطور نمونہ اُن میں سے چند ایک یہاں بیان کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي يَوْمٍ حَارٍّ وَحَنَى كَفَّهُ، مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْتَظِلَّ مِنْ فَوْرِ جَهَنَّمَ قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ النَّاسُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ: نَحْنُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ: مَنْ أَنْظَرَ غَرِيماً أَوْ تَرَكَ الْمُعْسِرَ.

---

(۱) الفروع من الکافی، جلد ۵، ص ۹۳، کتاب المعیشہ، باب الدین، ح ۵؛ تفسیر کنز الدقائق، جلد ۱، ص ۶۷۲

''حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن سخت گرمی میں اپنا ہاتھ سائبان کی طرح بنا کر فرمایا: تم میں سے کون ہے آتش جہنم سے پناہ چاہنے والا؟ آپؐ نے اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا اور ہر دفعہ لوگوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسولؐ! ہم آتش جہنم سے پناہ چاہتے ہیں۔''

آپؐ نے فرمایا: جو بھی مقروض کو مہلت دے گا یا پھر اس کا قرضہ معاف کرے گا وہی آتش جہنم سے امان میں ہوگا۔ (۱)

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلُهُ صَدَقَةٌ" قَالَ ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: "مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلَاهُ صَدَقَةٌ" قُلْتُ سَمِعْتُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَقُولُ: "مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلُهُ صَدَقَةٌ" ثُمَّ سَمِعْتُكَ تَقُولُ: "مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلَاهُ صَدَقَةٌ" قَالَ: "لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلُهُ صَدَقَةٌ قَبْلَ أَنْ يَحِلَّ الدَّيْنُ فَإِذَا حَلَّ الدَّيْنُ فَأَنْظَرَهُ فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِثْلَاهُ صَدَقَةٌ.

''بریدہ کہتے ہیں کہ: ''میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ: ''جو بھی کسی تنگدست (مقروض) کو مہلت دے تو ہر دن کے عوض اس کے قرض کی مقدار کے برابر صدقہ شمار ہوگا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ پھر آپ کو یہ فرماتے سنا کہ جو بھی کسی تنگدست (مقروض) کو مہلت دے گا تو ہر دن کے عوض قرض کی مقدار سے دگنا صدقہ شمار ہوگا'' میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ آپ کو فرماتے سنا کہ جو بھی کسی غریب کو مہلت دیگا ہر دن کے عوض اس کے قرض کے بدلے میں صدقہ شمار ہوگا، اس کے بعد آپ کو فرماتے سنا کہ قرض کی رقم کا دگنا صدقہ شمار ہوگا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مہلت تمام ہونے سے پہلے قرض کی رقم کے برابر، جبکہ مہلت کے تمام ہونے اور دوبارہ مہلت دینے کے بعد ہر دن کے عوض قرض کی مقدار کا دگنا اس کی جانب سے صدقہ شمار ہوگا''۔ (۲)

چنانچہ تمام امامی، حنفی، شافعی اور مالکی فقہاء مہلت دینے کے حکم کے وجوب کی عمومیت کے بارے میں متفق ہیں۔ (۳)

---

(۱) الفروع من الکافی الکافی، جلد۳، ص۳۵، کتاب الزکاۃ، باب انظار المعسر

(۲) تفسیر القرآن العظیم، جلد۱، ص۳۱۳

(۳) التبیان، جلد۲، ص۳۶۸؛ آلاء الرحمن، جلد۱، ص۲۴۶؛ الجامع لاحکام القرآن، جلد۳، ص۳۷۲؛ جامع البیان، جلد۳، ص۷۳-۷۴؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۱۰۲

تصدق (صدقہ دینا):

آیت کے ظاہری معنی سے یہ سمجھ میں آتا ہے، کہ اس طرح کا صدقہ دینا، یعنی قرض معاف کرنا مہلت دینے سے بہت بہتر ہے۔صدقہ کو قرض سے افضل قرار دینے والی روایات بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔البتہ بعض دوسری روایات بھی ہیں جو قرض کوصدقہ سے بھی افضل قرار دیتی ہیں۔(۱)

ان روایات میں قرضہ کے صدقہ سے افضل ہونے کی علت یوں بیان ہوئی ہیں کہ: صدقہ مانگنے والا بعض اوقات ضرورت کے بغیر بھی صدقہ مانگتا ہے۔جبکہ قرضہ مانگنے والا عام طور پر ضرورت اور مجبوری میں ہی کسی سے قرض مانگتا ہے۔اس کے علاوہ صدقہ کی مقدار عام طور پر کم ہوتی ہے، جبکہ قرض کی رقم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے قرضہ کا ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

چنانچہ روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ کسی کو قرضہ دینا یا پھر قرضہ معاف کرنا صدقہ دینے سے زیادہ افضل ہے۔

تفسیر آیت ۲۸۱ از سورۂ بقرہ:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○

"اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا"۔

زمان نزول:

ابن عباس، سدی و دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت قرآن مجید کی آخری آیات میں سے ایک ہے جسے خدا نے اپنے رسولؐ پر اُتارا اور سورۂ بقرہ کی دوسو اکیاسیویں (281) آیت قرار دینے کا حکم دیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اکیس دن تک زندہ رہے۔(۲)

---

(۱) جامع احادیث شیعہ، جلد۱۸، ص۲۸۶؛ کنز العمال، جلد۶ حدیث ۱۵۳۷۳،۱۵۳۷۴

(۲) مجمع البیان، جلد۲، ص۳۹۴؛ تفسیر کنز الدقائق، جلد۱، ص۶۷۶؛ در المنثور، جلد۱، ص۳۶۹، ۳۷۰؛ الجامع لاحکام القرآن، جلد۳، ص۳۷۵

تفسیر:

خداوند عالم اس آیت کے ذریعے سود کے احکام پر مبنی آیتوں کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: قیامت کے دن سے ڈرو کہ جب تمام انسان اپنے پروردگار کے حضور لوٹ کر جائیں گے، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق اجر دیا جائے گا، اس دن کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ لہٰذا ایک حقیقی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ جلد ختم ہونے والی دنیوی لذات کے لئے خدا کے احکامات کو پامال کرے اور سود جیسے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے قیامت کے دن کی رسوائی مول لے۔

سود خوری بدترین گناہ:

قرآن میں خدا نے جس انداز سے سود کھانے کو بدترین گناہ قرار دیا ہے، کسی اور گناہ کی اتنی سختی سے مذمت نہیں کی ہے۔ البتہ ایک جگہ خدا نے مسلمانوں کو طاغوتی حکومتوں کے تسلط وغلبہ کو تسلیم کرنے اور دشمنان دین کو اپنا حاکم سمجھنے سے سود خوری کی طرح سختی سے منع کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ
وَ مَنْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ.

”مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں
اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں“۔(۱)

دوسرے گناہان کبیرہ بھی اگرچہ قرآن اور حکم خدا کی مخالفت کے زمرے میں آتے ہیں، مگر ان کو روکتے ہوئے قرآن کا لب ولہجہ سود خوری اور دشمنان خدا کو اسلامی معاشرہ کا حکمران قرار دینے والے گناہوں کے مقابلے میں نسبتاً نرم ہے۔ حتی کہ زنا، جوا، شراب نوشی، ظلم اور بے گناہ کا قتل وغیرہ کے متعلق قرآن مجید کا لہجہ ان دو گناہوں کی نسبت نرم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے گناہوں کے منفی اثرات سے صرف چند افراد ہی متاثر ہوتے ہیں۔ جبکہ سود خوری اور دشمنان اسلام کو اسلامی معاشرے کا حاکم بنانے کے اثرات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ دین اور انسانی معاشرے کے نظام کی بنیادوں کو کھوکھلا بنادیتے ہیں۔(۲)

---

(۱) سورۂ آل عمران، آیت ۲۸

(۲) المیزان، جلد ۲، ص ۴۰۹

فاسق اور کافر حکمران' معاشرہ کے سیاسی نظام کو راہ عدالت سے ہٹادیتا ہے اور مسلمانوں کے معاملات کافر اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے۔ سود، ان کے اقتصادی نظام کو فطری راستوں سے نکال باہر کرتا ہے اور ایک ظالمانہ نظام معاشرہ پر لاگو کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سود کے حرام ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّمَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الرِّبَا لِكَيْلَا يَمْتَنِعَ النَّاسُ مِنْ اِصْطِنَاعِ الْمَعْرُوْفِ.

''خدانے سود کو حرام قرار دیا تا کہ لوگ نیک کام اور اچھے لین دین سے روگردانی نہ کریں''۔(۱)

سورۂ بقرہ کی آیات کس قسم کے سود کو حرام کرتی ہیں؟

سورۂ بقرہ کی آیات میں لفظ ''الربا'' سے کیا مراد ہے،اس کے بارے میں کئی نظریات اور آراء ہیں:(۲)

اول: بعض کہتے ہیں کلمہ ''الربا'' کا الف و لام عہد کے لئے ہے، چنانچہ ربا سے مراد صرف دور جاہلیت میں رائج ربا ہے۔ جسے اہل عرب لیتے اور دیتے تھے۔

دوم: بعض کے نزدیک کلمہ ''الربا'' کا الف ولام جنس کے لئے ہے اور ربا کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ یہاں تک کہ اگر سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی ان سے پہلے والی آیات دور جاہلیت کے سود کے متعلق ہوں تب بھی یہ آیات چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی ہیں، اور دلالت کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہٰذا سود کی تمام اقسام پر قابل اطلاق ہیں۔ چنانچہ قرآن میں جو سود حرام ہوا ہے اس میں جاہلی و معاملی تمام قسم کے ربا شامل ہیں۔ اگرچہ معاملی سود کے مقامات کی تعیین کے لئے ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سوم: مفسرین کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ آیت: اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا: ''خدا تجارت کو حلال اور سود کو حرام کرتا ہے'' مجمل ہے۔ سود کی حرمت کو ثابت کرنے کے لئے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ یہ گروہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے متعدد دلائل پیش کرتا ہیں جن میں سے بعض اہم دلائل درج ذیل ہیں:

---

(۱) الفروع من الکافی، جلد۵، ص۱۳۶، حصہ۸

(۲) جامع البیان، جلد۳، ص ۶۷؛ تفسیر القرآن العظیم، جلد۳، ص۳۸۵؛ التفسیر الکبیر، جلد۷، ص۹۲،۹۳؛ المنار، جلد۳، ص۱۱۳؛ تفسیر المراغی، جلد۳، ص۵۵؛ احکام القرآن، جصاص، جلد۲، ص۱۸۳؛ احکام القرآن ابن عربی، جلد۱، ص۳۲۲؛ الاجتہاد، عبدالمنعم النمر، ص۳۶۲

۱۔ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ خدا تجارت کو حلال کرتا ہے" کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کا لین دین جائز اور حلال ہے۔ جملہ "حَـرَّمَ الـرِّبَـا" خدا سود کو حرام کرتا ہے" کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کا ربا حرام ہے اور ربا سے مراد زیادہ لینا ہے۔

دوسری جانب کوئی بھی معاملہ یا لین دین ایسا نہیں جس میں زیادہ یا اضافہ کا قصد نہ ہوتا ہو۔پس آیت کا پہلا حصہ آخری حصے کے ساتھ تعارض کرتا ہے اس لئے ہم حلال وحرام کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے، پس یہ آیت مجمل ہے۔(۱)

۲۔ ربا کا جو معنی شریعت میں مدنظر ہے وہ لغت میں ربا کے لئے وضع نہیں ہوا ہے۔مثال کے طور پر دور جاہلیت میں سونے کو سونے کے ساتھ اور چاندی کو چاندی کے ساتھ نسیہ کے طور پر خرید وفروخت کرنے کو ربا نہیں کہا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک چیز کو اسی کے ہم جنس کے بدلے اضافی مقدار کے ساتھ لین دین کو ربا نہیں سمجھا جاتا تھا۔جبکہ شریعت میں یہ سب ربا شمار ہوتے ہیں۔چنانچہ کلمہ "الربا" مجمل ہے، اور شریعت کی وضاحت کا محتاج ہے۔

۳۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ ربا کی حقیقت خود حضرت عمر جیسے صحابی کے لئے بھی مبہم تھی ۔ چنانچہ حضرت عمر کہتے ہیں: خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ تمہیں کسی ایسے امر سے روکوں جس میں تمہاری بھلائی ہو، اور کسی ایسے امر کا حکم دوں جس میں تمہارے لئے خیر نہ ہو۔ سچ یہ ہے کہ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیتیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیتوں کا حصہ تھیں اور آپ ان کی تفصیل اور وضاحت بیان کرنے سے پہلے رحلت فرما گئے۔ پس جس میں بھی شبہ ہو اُسے چھوڑ دو اور جس میں شبہ نہ ہو اس کے حصول کے لئے تگ و دو کرو"۔(۲)

ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں: "میری خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ رہتے، تا کہ سود کے احکام ہمارے لئے صاف بیان فرماتے"۔(۳)

ایک اور قول کے مطابق انہوں نے کہا: "سود میں پڑنے کے خوف سے، حلال معاملات کے دس میں سے نو حصے کو ترک کر چکا ہوں"۔(۴)

---

(۱) التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۹۳

(۲) کنز العمال، علی متقی بن حسام الدین ہندی، جلد ۴، ص ۱۹۰، ح ۱۰۱۰۱

(۳) الاجتہاد، ص ۳۱۲

(۴) کنز العمال، علی متقی بن حسام الدین ہندی، جلد ۴، ص ۱۸۷، ح ۱۰۰۸۷

صحیح قول:

تحقیق اور جستجو کے بعد دوسرے قول کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یعنی کلمہ ''الربا'' کا الف ولام جنس کے لئے ہے، اور سود کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ اور چونکہ یہ آیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے آخری ایام میں نازل ہوئی تھی، جس کی وجہ سے زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اس وقت تک آپ کی سنت کے ذریعے معاملی ربا کا حرام ہونا واضح ہو چکا تھا۔ چنانچہ یہ کہنا کہ آیت، معاملی سود کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی، اور معاملی سود اس میں شامل نہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام معاملی سود کی حرمت کو ثابت کرنے کے لئے اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

عمر بن یزید کی صحیح روایت کے مطابق آپؑ نے فرمایا کہ:

يَا عُمَرُ قَدْ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا بِعْ وَ ارْبَحْ وَ لَا تُرْبِ قُلْتُ: وَمَا الرِّبَا؟

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ مِثْلَيْنِ بِمِثْلٍ وَحِنْطَةٌ بِحِنْطَةٍ مِثْلَيْنِ بِمِثْلٍ.

''اے عمر! بے شک خدا نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ تو تم تجارت کرو اور نفع کماؤ مگر سود کا ارتکاب نہ کرنا؛ میں نے عرض کیا فرزند رسولؐ، ربا کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: درہم کو درہم کے بدلے فروخت کرنا جبکہ ایک طرف زیادہ ہو، اور گندم کو گندم سے بیچنا جبکہ ایک جانب زیادہ ہو' سود ہے''۔ (۱)

اس حدیث میں جو تعبیر بیان ہوئی ہے، وہ معاملی ربا کی حرمت پر دلالت کرنے والی روایات کی تعبیروں کے مشابہ ہے، کیونکہ روایات ایک جانب اضافہ کے ساتھ دو ہم جنس اشیاء کی خرید وفروخت کو منع کرتی ہیں۔ چنانچہ روایت ظاہراً معاملی سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، اس کے باوجود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اسی آیت سے استدلال فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ شیعہ فقہاء، سود کی حرمت پر سورۂ بقرہ کی آیات کے ذریعہ استدلال کرتے وقت اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ''خدا نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے'' کو مطلق قرار دیتے ہیں۔ جو سود کی تمام اقسام کو حرام قرار دیتی ہے، اور کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہ آیت معاملی ربا کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی ہے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۲۳، باب ۶، حدیث ۲

maablib.org

پہلے قول کا جواب:

کلمہ ''الربا'' کے الف ولام کو اگر عہد مان بھی لیا جائے تب بھی مذکورہ بات کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ عہد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔عہد ذکری

۲۔عہد حضوری

۳۔عہد ذہنی

چنانچہ یہ آیت عہد حضوری کی متحمل نہیں ہوسکتی، اور عہد ذکری کے لئے ضروری ہے کہ نکرہ کلمہ کی شکل میں اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو، پھر ''الف ولام'' کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کیا جائے۔علم نحو اور معانی بیان کی کتابوں میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔(۱)

آیت میں لفظ ''الربا'' صرف ایک مرتبہ آیا ہے جو کہ معرفہ کے ساتھ ہے جیسے:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰا چنانچہ یہ احتمال دیا جاسکتا ہے کہ ''الف ولام'' عہد ذہنی کے لئے ہو۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ، کلمہ ''الربا'' سے معاملی سود مراد نہیں پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ آیت کے مخاطبین کے ذہن میں معاملی سود سے متعلق پہلے کچھ نہیں تھا۔ آیت کے نزول سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاملی سود کی حرمت کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا تھا اور معاملی سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی تمام روایات' آپؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد بیان فرمائی تھیں جبکہ ایسا فرض کرنا محال ہے۔

تیسرے قول کے دلائل کا جواب:

اول: مطلق ربا، ہر اضافہ کے معنی میں نہیں آیا ہے کہ خرید وفروخت کے ذریعے حاصل ہونے والے اضافہ پر بھی سود صدق آجائے اور آیت کے شروع اور آخر میں تضاد کی کیفیت پیدا ہوجائے گی، بلکہ ربا سے مراد ایک مخصوص قسم کا اضافہ ہے، جسے دو ہم جنس اشیاء کی خرید وفروخت کے وقت، یا قرضہ لوٹانے کی مہلت میں توسیع کے عوض لیا جاتا ہے۔اس کا تجارت میں حاصل ہونے والے اضافے (منافع) سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

(۱) جواہر البلاغہ، احمد ہاشمی، ص۱۳۲ تا ۱۳۳؛ مغنی اللبیب، ابن ہشام، جلد۱، ص۷۲،۷۳؛ النحو الوافی، عباس حسن، جلد۱، ص۳۸۱-۳۸۸

maablib.org

دوم: بالفرض اگر یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ لغت میں کلمہ ''الرِّبٰوا'' مطلق اضافہ کے معنی میں آیا ہے۔ تو آیت کا معنی مجمل ہو جاتا ہے، پھر تو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ جب مسلمانوں نے یہ آیت سنی تھی اس وقت اُن کے ذہنوں میں معاملی سود کے بارے میں پہلے سے کچھ نہیں تھا اور آیت کو سمجھنے کے لئے انہوں نے ''الرِّبٰوا'' کے لغوی معنی پر تکیہ کیا تھا۔ حالانکہ اس دعویٰ پر نہ صرف یہ کہ کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ بہت سے قرائن اس کے برخلاف ہیں۔ سود کے متعلق سینکڑوں روایات اور قرآن کی دوسری آیات کی موجودگی میں یہ دعویٰ کیسے کرسکتے ہیں کہ مسلمان ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے سود کے شرعی معنی سے ناواقف تھے؟

سوم: حضرت عمر جیسے صحابی کا ربا کے معنی سے لاعلم ہونا، آیات کے مجمل ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ ان کی لاعلمی کی وجہ شاید وہی رہی ہو جس کا برملا اظہار وہ خود کئی مرتبہ کرچکے تھے:

أَخَفِيَ عَلَيَّ مِنْ أَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ .

''میرے لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ کرنے میں بازار کی تجارت رکاوٹ بنی''۔

maablib.org

دوسری فصل:

رِبا — پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی سنت میں

سود کے انفرادی اور اجتماعی مضر اثرات کی وجہ سے اس کے متعلق قرآن کریم کے ساتھ ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بھی متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔ان تمام روایات کو ایک باب میں ترتیب وار جمع کر کے سود کی حرمت کو مزید نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔مگر تکرار سے بچنے کے لئے اس باب میں صرف ان احادیث کو بیان کریں گے، جن کا ذکر اس کتاب کے دوسرے ابواب میں کم ہوا ہے۔

ا۔سود کھانا گناہان کبیرہ میں سے ہے:

عَنْ فِقْهِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ:

اِعْلَمْ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ اَنَّ الرِّبَا حَرَامٌ سُحْتٌ مِنَ الْكَبَائِرِ وَمِمَّا قَدْ وَعَدَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلٰى لِسَانِ كُلِّ نَبِيٍّ وَفِيْ كُلِّ كِتَابٍ.

"فقہ رضا میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "جان لو! خدا تم پر رحمت نازل فرمائے سود، حرام و بدترین گناہان کبیرہ میں سے ہے۔اس کا شمار اُن گناہوں میں ہوتا ہے جن پر خدا نے عذاب کی وعید دی ہے۔پس سود سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں، سود تمام انبیاء کی تعلیمات اور تمام آسمانی کتابوں میں حرام قرار دیا گیا ہے"۔(۱)

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ آبَائِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَصِيَّةٍ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: يَا عَلِيُّ! اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْءًا فَاَيْسَرُهَا

---

(۱) بحار الانوار، محمد باقر مجلسی، جلد۱۰۳، ص۱۲۱، ح۳۳

مِثْلُ اَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ فِیْ بَیْتِ اللّٰہِ الْحَرَامِ ، یَا عَلِیُّ! دِرْھَمٌ رِبًا اَعْظَمُ
عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ سَبْعِیْنَ زَنْیَۃً کُلُّھَا بِذَاتِ مَحْرَمٍ فِیْ بَیْتِ اللّٰہِ الْحَرَامِ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباد اجداد کے توسط سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے علیؑ! سود کے (گناہ کے) ستر حصے ہیں اور معمولی ترین حصہ خانہ کعبہ میں اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کے گناہ کے برابر ہے۔ اور اے علی، خدا کے ہاں ایک درہم سود کا گناہ، خانہ کعبہ میں اپنے محارم کے ساتھ ستر مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ ہے"۔ (۱)

اس طرح کی کئی روایات شیعہ اور سنی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ (۲)

۲۔ بدترین کسب، سود کی کمائی:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ شَرُّ الْمَکَاسِبِ کَسْبُ الرِّبَا.

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: بدترین کمائی سود کی کمائی ہے"۔ (۳)

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ: اَخْبَثُ الْمَکَاسِبِ کَسْبُ الرِّبَا.

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خبیث ترین کمائی سود کی کمائی ہے"۔ (۴)

عَنْ مُوْسَی بْنِ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْ آبَائِہٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ ھٰذِہِ
الْمَکَاسِبُ الْحَرَامُ وَالشَّھْوَۃُ الْخَفِیَّۃُ وَالرِّبَا.

"حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے اجداد کے توسط سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے بعد اپنی امت سے حرام

---

(۱) ص ۱۷۵ (وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۲۶، ح ۱۲)

(۲) ص ۱۷۵ (وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۲۲، باب ا صحیح احادیث نمبر ۱، ۵، ۶، ۸، ۱۸، ۱۹، اور دو مرسل احادیث نمبر ۲۱، ۲۲؛ کنز العمال، جلد ۴، ص ۱۹۰، ح ۱۰۱۰۳ و ص ۱۹۳، ح ۱۰۱۱۳)

(۳) (وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۲۶، ح ۱۳؛ من لا یحضرہ الفقیہ، ابوجعفر صدوق، ص ۴۳۶، ح ۸۲۸)

(۴) ص ۱۷۵ (وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۲۳، ح ۲؛ الکافی، جلد ۵، ص ۱۳۹، باب ۵۱، ح ۱۲)

کی کمائی، پوشیدہ شہوت اور سود کے بارے میں بہت زیادہ ڈرتا ہوں"۔(۱)

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ: اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ ھَلَاکًا ظَھَرَ فِیْھِمُ الرِّبَا۔

"حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا جب کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اُن میں سود خوری کا رواج عام کر دیتا ہے"۔(۲)

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: اِذَا ظَھَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِیْ قَرْیَۃٍ اُذِنَ فِیْ ھَلَاکِھَا۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جب بھی کسی معاشرہ میں زنا اور ربا عام ہوتا ہے، تو اس کی بربادی کا پروانہ جاری کر دیا جاتا ہے"۔(۳)

۳۔ ربا ایک پیچیدہ معاملہ:

عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ قَالَ (فِیْ حَدِیْثٍ):

مَنِ اتَّجَرَ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلَا بُدَّ لَہٗ مِنْ اَکْلِ الرِّبَا وَ لَا بُدَّ لِآکِلِ الرِّبَا مِنَ النَّارِ۔

"حضرت علی علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ جو بھی تجارت کے احکام کا علم حاصل کیے بغیر لین دین کرتا ہے وہ بلاشبہ سود میں پڑ جاتا ہے اور سود کھانے والا یقیناً دوزخ میں جائے گا"۔(۴)

عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ: مَعَاشِرَ النَّاسِ! اَلْفِقْہَ ثُمَّ الْمَتْجَرَ، اَلْفِقْہَ ثُمَّ الْمَتْجَرَ، اَلْفِقْہَ ثُمَّ الْمَتْجَرَ، وَاللّٰہِ لَلرِّبَا فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلَی الصَّفَا۔

"حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: لوگو! پہلے فقہ کی تعلیم حاصل کرو پھر تجارت شروع کرو، خدا کی قسم! اس اُمت میں سود سیاہ پتھر پر چلنے والی چیونٹی سے بھی زیادہ پنہاں ہے"۔(۵)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اَکَلَ الرِّبَا فَاِنْ لَمْ یَأْکُلْہُ اَصَابَہٗ مِنْ غُبَارِہٖ۔

---

(۱) ص ۱۷۵ (مستدرک الوسائل، جلد۱۳، ص۳۲۹)

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۲۷، ح۱۷

(۳) مستدرک الوسائل، جلد۱۳، ص۳۳۲، ح۱۱

(۴) مستدرک الوسائل، جلد۱۳، ص۳۳۱، کتاب التجارۃ، ابواب الربا، باب ۱، ح۱۰؛ جامع احادیث شیعہ، جلد۱۸، ص۱۲۶

(۵) بحار الانوار، جلد۱۰۳، ص۱۱۷

"نبی اکرم کا ارشاد گرامی ہے: عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے، جس میں کوئی بھی سود سے بچ نہیں سکے گے اور اگر کوئی بچ بھی جائے تو اس کے غبار سے ہرگز نہیں بچے گا"۔ (۱)

۴۔ سودخوری کے بہانے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَسْتَحِلُّ فِيْهِ الرِّبَا بِالْبَيْعِ وَالْخَمْرُ بِالنَّبِيْذِ وَالسُّحْتُ بِالْهَدِيَّةِ .

"نبی اکرم ارشاد فرماتے ہیں کہ: ایک دور ایسا آئے گا، جس میں سود کو تجارت، شراب کو نبیذ (کھجور اور جو کی شراب)، اور رشوت کو ہدیہ کے نام سے حلال سمجھا جائے گا"۔ (۲)

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ كَلَامٍ لَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَهُ: يَا عَلِيُّ! إِنَّ الْقَوْمَ سَيُفْتَنُوْنَ بِأَمْوَالِهِمْ - إِلَى أَنْ قَالَ - وَيَسْتَحِلُّوْنَ حَرَامَهُ بِالشُّبُهَاتِ الْكَاذِبَةِ وَالْأَهْوَاءِ السَّاهِيَةِ فَيَسْتَحِلُّوْنَ الْخَمْرَ بِالنَّبِيْذِ وَالسُّحْتَ بِالْهَدِيَّةِ وَالرِّبَا بِالْبَيْعِ .

"حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! عنقریب لوگوں سے اُن کے اموال کے ذریعے امتحان لیا جائے گا... یہاں تک کے آپؑ نے فرمایا، لوگ جھوٹے شبہات اور خواہشات کی محبت میں حرامِ خدا کو حلال قرار دیں گے۔ پس شراب کو نبیذ، رشوت کو ہدیہ اور سود کو خرید و فروخت کے نام سے حلال سمجھیں گے"۔ (۳)

۵۔ سودخور کا انجام:

سودخوروں کو دنیا کی ہزیمت والی آیت:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ .

"اگر ایسا نہ کرو گے تو خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ (۴)

(۱) مستدرک الوسائل، جلد۱۳، ص۳۳۳، ح۱۸

(۲) مستدرک الوسائل، جلد۱۳، ص۳۳۲، ح۱۶

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۵۶، ح۴؛ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۶؛ کنز العمال، جلد۱۶، ص۱۹۵، حدیث ۴۴۲۱۶

(۴) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۹

نازل ہونے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَخَذَ الرِّبَا وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ : ''جو بھی سود لے وہ واجب القتل ہے''۔ (۱)

اسی طرح سے آخرت کے عذاب کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ وائمہ طاہرینؑ سے کئی روایات نقل ہوئی ہیں:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ : وَمَنْ اَكَلَ الرِّبَا مَلَاَءَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ بِقَدْرِ مَا اَكَلَ وَ اِنِ اكْتَسَبَ مِنْهُ مَالاً لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ شَيْئاً مِنْ عَمَلِهٖ وَ لَمْ يَزَلْ فِیْ لَعْنَةِ اللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ مَا كَانَ عِنْدَهٗ مِنْهُ قِيْرَاطٌ وَاحِدٌ .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جو جتنا سود کھائے گا، خداوند عالم اس کے پیٹ کو اتنا ہی آتش جہنم سے بھر دے گا، اور اگر سود کے ذریعے کمایا ہے تو اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا۔ جب تک ایک قیراط کے برابر سود کا مال اس کے پاس ہوگا' خدا اور ملائکہ کی مسلسل لعنت اس پر برستی رہے گی''۔ (۲)

۶۔ سود پر گواہ بننے اور کتابت کی حرمت:

سود کے لین دین کے ساتھ سودی معاملات میں بطور گواہ یا کاتب شریک ہونا بھی حرام ہے۔ جس کے متعلق شیعہ اور سنی کتب میں متعدد روایات موجود ہیں:

عَنْ عَلِیٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الرِّبَا وَآكِلَهٗ وَبَائِعَهٗ وَمُشْتَرِيَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ .

''حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، اسے فروخت کرنے والے، اسے خریدنے والے، اس کی کتابت کرنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے''۔ (۳)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ۴۲۸، ح۱: الفروع من الکافی، جلد۵، ص۱۳۹، باب ۵۱، کتاب المعیشہ، ح۱۲

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص ۴۲۷، ح ۱۵: مستدرک الوسائل، جلد۱۳، ص۳۳۲، ح ۱۲: ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، شیخ صدوق، ص۳۳۵: جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۱۳۶

(۳) تہذیب الاحکام، جلد۷، ص۱۷، حدیث ۶۳: وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۳۰، ابواب الربا، ح ۲: من لا یحضرہ الفقیہ، جلد۳، ص۲۰۴، باب ۸۷، ح ۳/۷۸۳

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ : قَالَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اٰکِلُ الرِّبَا وَمُؤْکِلُهٗ وَکَاتِبُهٗ وَشَاهِدَاهُ فِی الْوِزْرِ سَوَاءٌ .

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''سود کھانے اور کھلانے والا، اسے لکھنے والا اور اس کے گواہ' گناہ میں سب برابر کے شریک ہیں'' ۔(۱)

۷۔ سود کے حرام ہونے کی علت :

عَنْ هِشَامِ بْنِ الْحَکَمِ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنْ عِلَّةِ تَحْرِیْمِ الرِّبَا، فَقَالَ: اَنَّهٗ لَوْ کَانَ الرِّبَا حَلَالاً لَتَرَکَ النَّاسُ التِّجَارَاتِ وَمَا یَحْتَاجُوْنَ اِلَیْهِ فَحَرَّمَ اللّٰهُ الرِّبَا لِتَنْفِرَ النَّاسُ مِنَ الْحَرَامِ اِلَی الْحَلَالِ وَ اِلَی التِّجَارَاتِ مِنَ الْبَیْعِ وَ الشِّرَاءِ .

ہشام بن حکم نے جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سود کے حرام ہونے کی علت پوچھی تو آپ نے فرمایا:

''سود اگر حلال ہوتا تو لوگ ضروری معاملات اور تجارت کو چھوڑ دیتے، چنانچہ خداوند عالم نے سود کو حرام کیا تاکہ لوگ حرام کی بجائے حلال اور سود کی بجائے تجارت ومعاملات کی جانب آئیں'' ۔(۲)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ مُوْسَی الرِّضَا عَلَیْهِ السَّلَامُ کَتَبَ اِلَیْهِ فِیْ مَا کَتَبَ مِنْ جَوَابِ مَسَائِلِهٖ : وَعِلَّةُ تَحْرِیْمِ الرِّبَا لِمَا نَهَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهُ ، وَلِمَا فِیْهِ مِنْ فَسَادِ الْاَمْوَالِ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا اشْتَرَی الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَیْنِ کَانَ ثَمَنُ الدِّرْهَمِ دِرْهَماً وَثَمَنُ الْآخَرِ بَاطِلاً فَبَیْعُ الرِّبَا وَشِرَاؤُهٗ وَکْسٌ عَلٰی کُلِّ حَالٍ عَلَی الْمُشْتَرِیْ وَعَلَی الْبَائِعِ فَحَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَی الْعِبَادِ الرِّبَا لِعِلَّةِ فَسَادِ الْاَمْوَالِ ...... وَعِلَّةُ تَحْرِیْمِ الرِّبَا بِالنَّسِیْئَةِ لِعِلَّةِ ذَهَابِ الْمَعْرُوْفِ وَتَلَفِ الْاَمْوَالِ وَ رَغْبَةِ النَّاسِ فِی الرِّبْحِ وَتَرْکِهِمُ الْقَرْضَ وَالْقَرْضُ صَنَائِعُ الْمَعْرُوْفِ ، وَ لِمَا فِیْ ذٰلِكَ مِنَ الْفَسَادِ وَالظُّلْمِ وَفَنَاءِ الْاَمْوَالِ .

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۲۹، باب۴، ابواب الربا، ح۱؛ الفروع من الکافی ، جلد۵، ص۱۴۴، ح۴؛ من لا یحضرہ الفقیہ ، جلد۳، ح۴/۳۸۳

(۲) وسائل الشیعہ ، جلد۱۲، ص۴۲۳، ح۸؛ من لا یحضرہ الفقیہ ، جلد۳، ص۴۲۳، ح۱۷۵۱

''حضرت امام رضا علیہ السلام نے محمد بن سنان کے پوچھے گئے سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: خدا نے سود کو اس لئے حرام قرار دیا کہ یہ اموال کی بربادی کا باعث ہے۔ کیونکہ انسان جب ایک درہم کو دو درہم کے عوض خرید لیتا ہے تو ایک درہم کا اصلی عوض ایک درہم ہی ہوتا ہے جبکہ دوسرا درہم ناجائز ہے۔ چنانچہ سودی لین دین، بیچنے والے اور خریدار دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ خدا نے بندوں پر سود اس لئے حرام کیا کہ یہ اموال کی تباہی کا باعث ہے۔ اور معاملات نسیہ میں سود کے حرام ہونے کی وجہ لوگوں کے درمیان نیکیوں کا خاتمہ، اموال کی بربادی اور نفع کمانے کی طرف لوگوں کی رغبت اور قرض دینے سے ہاتھ کھنچنا ہے۔ جبکہ قرض دینا نیک کاموں میں سے ہے اور یہ کہ سود ظلم، فساد اور اموال کی بربادی کا باعث ہے''۔ (۱)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۲۵، ح ۱۱، باب ۱: من لا یحضرہ الفقیہ، جلد ۳، ص ۳۷۳، ح ۱۷۶۸

تیسرا باب:

ربا کی اقسام

پہلی فصل :

معاملی ربا
(معاملات میں واقع ہونے والا سود)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں ایک مخصوص قسم کا سود (معاملی سود) یعنی لین دین کا سود حرام قرار دیا گیا ہے۔ سود کی یہ قسم گذشتہ زمانوں میں بھی جب ایک جنس دے کر دوسری جنس لینے کا رواج عام تھا، پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فقہی کتابوں کا ایک حصہ انہی مباحث پر مشتمل ہے۔ پھر گزرتے وقت کے ساتھ معاملات اور لین دین میں نوٹوں (CURRENCY NOTES) کے اثر ونفوذ میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا اور جنس کے بدلے جنس لینے کے رجحان میں کمی آتی گئی۔ اس کے باوجود اس قسم کا لین دین آج بھی بعض دیہاتوں اور کچھ ممالک میں رائج ہے۔ اس لئے معاملی سود کی حدود اور اس کی تفصیل سے آشنائی فائدہ سے خالی نہیں۔ اس کے علاوہ معاملی سود سے آگاہی ہمیں "قرضی سود" کے مسائل کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

معاملی ربا کی تعریف :

کچھ خاص شرائط کے ساتھ کسی قسم کے اضافے کے ساتھ دو ہم جنس اشیاء کے لین دین یا ایسا معاملہ جس میں ادل بدل کی جانے والی دو چیزوں میں سے ایک دوسری سے "زیادہ" ہو تو یہ معاملی سود کہلاتا ہے۔(۱)

معاملی سود کی یہ تعریف دوسری تمام تعریفوں سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اگر کہا جائے کہ حرام سود سے

---

(۱) العروۃ الوثقی، جلد ۲، ص ۴۰، مسئلہ ۳

مراد "ہر قسم کا اضافہ یا زیادہ" ہے، یا پھر حرام معاملی سود سے مراد "اضافہ" پر مشتمل معاملہ ہے تو یہ تعریف ان دونوں تعریفوں کے ساتھ سازگار ہوتی ہے۔ بعض علما صرف "زیادتی" پر مشتمل معاملات کو حرام سود سمجھتے ہیں۔(۱)

معاملی سود کو دو جملوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ "معاملی سود" ایک معاملہ کے ضمن میں لیا جاتا ہے، جبکہ "قرضی ربا" عقد قرض کے ضمن میں وجود میں آتا ہے۔

منصوص ربوی اشیاء:

اہلسنت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے چھ چیزوں، گندم، جو، کھجور، نمک، سونا اور چاندی کے لین دین کو بعض شرائط کے ساتھ منع فرماتے ہوئے انہیں سود قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ سے مروی روایات میں عبادۃ بن صامت اور ابوسعید خدری سے منقول روایات ہیں۔ عبادۃ بن صامت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَاءً يَداً بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَداً بِيَدٍ.

"سونے کو سونے کے ساتھ، چاندی کو چاندی، گندم کو گندم، جو کو جو، کھجور کو کھجور اور نمک کو نمک کے ساتھ نقد معاملہ کرتے وقت ضروری ہے کہ دونوں مقدار میں برابر ہوں، اور اگر معاملہ نقد ہے اور عوضین کا تعلق ایک ہی جنس سے نہیں ہے تو جیسے چاہو معاملہ کرو۔"(۲)

ابوسعید بھی رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ يَداً بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبَىٰ، اَلْآخِذُ وَالْمُعْطِي فِيهِ سَوَاءٌ.

"سونے کو سونے کے ساتھ، چاندی کو چاندی، گندم کو گندم، جو کو جو، کھجور کو کھجور اور نمک کو نمک کے ساتھ لین دین کرتے وقت ضروری ہے کہ عوضین مقدار میں برابر ہوں اور اگر معاملہ نقد ہے تو جس

---

(۱) جواہر الکلام، شیخ محمد حسن نجفی، تحقیق علی آخوندی، جلد ۲۳، ص ۳۳۴

(۲) کنز العمال، جلد ۴، ص ۱۱۹، حدیث ۹۸۳۸؛ تکملۃ المجموع شرح المہذب، جلد ۱، ص ۴۰

نے بھی زیادہ دیا یا زیادہ لیا وہ سود کا مرتکب ہوا۔اور سود دینے والا اور لینے والا دونوں اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں"۔(۱)

ان دو احادیث کی روشنی میں مذکورہ چھ چیزوں (سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) کی خرید وفروخت درج ذیل صورتوں میں سودی معاملہ اور حرام ہے۔

الف: ان چیزوں کا اپنے ہم جنس اشیاء کے بدلے معاملہ کرنا جبکہ ایک جانب زیادہ ہو۔مثلاً سونے کے ایک درہم کو دو درہم سونے کے عوض یا ایک کلو گندم کو دو کلو گندم کے ساتھ لین دین کیا جائے جسے (ربائے فضل) یا (ربائے معاملی نقد) سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ایسا معاملہ تمام شیعہ، سنی فقہاء کے نزدیک حرام ہے۔

ب: مذکورہ چھ چیزوں کا اپنی ہم جنس اشیاء کے بدلے نسیہ کا معاملہ کرنا، عوضین کی مقدار اگر چہ برابر بھی ہو تب بھی سود اور حرام ہے۔جسے اصطلاح فقہاء میں (ربائے نسیہ) یا (ربائے حکمی) کہتے ہیں۔

ج: مذکورہ چھ چیزوں کا اپنی ہم جنس کے علاوہ دیگر اشیاء کے بدلے نسیہ کا معاملہ کیا جائے، جیسے گندم کو کھجور کے بدلے نسیہ معاملہ کرنے کو حنفی فقہاء، حرام اور سود قرار دیتے ہیں۔جبکہ شیعہ فقہاء سونا اور چاندی میں اس طرح کے معاملات کو حرام سمجھتے ہیں۔

اہلسنت کے علماء مذکورہ چھ چیزوں میں سود واقع ہونے کے متعلق متفق ہیں مگر (معاملی سود) کے احکام کے دوسری اشیاء کی طرف سرایت کرنے یا نہ کرنے اور ان کی علت اور معیار کے بارے میں اُن میں اختلاف ہے۔جس کے متعلق ہم "معاملی سود" کی علت کے باب میں مکمل بحث کریں گے۔

معاملی ربا کی شرائط:

شیعہ فقہاء، ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات کی روشنی میں "معاملی سود" کے لئے درج ذیل شرائط بیان کرتے ہیں۔

پہلی شرط: عوضین کا مکیل وموزون ہونا

اجناس کی خرید وفروخت مختلف پیمانوں اور اوزان کے ذریعے کی جاتی ہے۔مثلاً گندم، چاول اور جو

---

(۱) تکملۃ المجموع شرح المہذب، جلد ۱، ص ۹۳

وغیرہ کو وزن کے ذریعے، مائع اور سیال چیزوں جیسے پیٹرول، دودھ وغیرہ کو ماپ کر، انڈے، کینو وغیرہ کو گنتی کے ذریعے، کپڑے اور زمین وغیرہ کو میٹر، گز یا کلومیٹر کے ذریعے ناپ کر معاملہ کیا جاتا ہے اور بعض اشیاء جیسے گھر یا گاڑی وغیرہ کا لین دین مشاہدہ کے ذریعے ہوتا ہے۔ شیعہ روایات کے مطابق ناپ اور تول کے ذریعے بیچی اور خریدی جانے والی اشیاء کے عوضین میں سے کسی ایک کے دوسرے سے زیادہ ہونے سے سود واقع ہوتا ہے۔

مُوَثَّقَةُ عُبَيْدِ بْنِ زُرَارَةَ : قَالَ: سَمِعْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ:
لَا يَكُوْنُ الرِّبَا اِلَّا فِيْ مَا يُكَالُ اَوْ يُوْزَنُ .

عبید بن زرارۃ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ: صرف ناپ تول کے ذریعے خرید و فروخت کی جانے والی اشیاء میں سود ہوتا ہے۔ (۱)

مُوَثَّقَةُ مَنْصُوْرِبْنِ حَازِمٍ : عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَاَلْتُهُ عَنِ الشَّاةِ بِالشَّاتَيْنِ وَالْبَيْضَةِ بِالْبَيْضَتَيْنِ فَقَالَ: لَابَاْسَ مَالَمْ يَكُنْ كَيْلًا وَلَا وَزْنًا .

"منصور بن حازم روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک بکری کو دو بکریوں اور ایک انڈے کو دو انڈوں کے بدلے خرید و فروخت کرنے کے بارے میں پوچھا تو امام نے فرمایا: یہ معاملہ اگر ناپ تول کے ذریعے انجام نہیں پاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" (۲)

اس سلسلے میں مذکورہ احادیث کے علاوہ بھی متعدد روایات ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی ہیں۔ (۳)

تمام شیعہ فقہا اس پر متفق ہیں کہ "معاملی سود" کے لئے مکیل و موزون (ناپ تول والا ہونا) شرط ہے مگر کیا "معاملی سود" صرف مکیل و موزون میں ہی منحصر ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں:

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۳۴، حدیث ۳

(۲) تہذیب الاحکام، جلد ۷، ص ۱۰۷، حدیث ۵۱۳/۱۱۹؛ وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۳۵، ح ۵؛ الفروع من الکافی، جلد ۵، ص ۱۹۱، ح ۸

(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۴۸، حدیث ۱-۳، ص ۴۵۰، حدیث ۳

۱۔ مشہور فقہاء:

جیسے شیخ طوسیؒ (۱) ابن ادریسؒ، (۲) ابن براجؒ (۳) علامہ حلیؒ، (۴) محقق ثانیؒ، (۵) شہید ثانیؒ،(۶) آیت اللہ خمینیؒ، (۷) آیت اللہ خوئیؒ، (۸) آیت اللہ حکیمؒ،(۹) اور آیت اللہ تبریزیؒ(۱۰) عقیدہ رکھتے ہیں کہ:

''معاملی سود' صرف ناپ تول کے ذریعے خرید وفروخت ہونے والی اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔''

اس نظریے کے حق میں کتاب جواہر الکلام میں اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔(۱۱)

۲۔ مشہور فقہاء کے برعکس:

شیخ مفید، ابن جنید، سلار اور شہید مطہری ''معدودات'' (یعنی گنتی کے ذریعے معاملہ ہونے والی اشیاء) کو بھی معاملی سود کے موضوع میں شامل کرتے ہیں۔

---

(۱) المبسوط، شیخ طوسی، تصحیح محمد کشفی، جلد۲، ص۸۸

(۲) السرائر، محمد بن ادریس حلی، جلد۲، ص۲۵۸

(۳) المھذب، ابن براج، جلد۱، ص۳۶۲

(۴) مختلف الشیعہ، علامہ حلی، جلد۵، ص۳۸

(۵) جامع المقاصد، علی بن الحسین کرکی، جلد۴، ص۲۶۹

(۶) مسالک الافہام، شہید ثانی، جلد۳، ص۳۲۲

(۷) تحریر الوسیلہ، امام خمینی، جلد۱، ص۵۳۷

(۸) توضیح المسائل، ص۳۵۲، مسئلہ ۲۰۸۳

(۹) منھاج الصالحین، سید محسن حکیم، حاشیہ شہید صدر، جلد۲، ص۷۱-۷۲

(۱۰) توضیح المسائل، ص۳۵۹، مسئلہ ۲۰۸۳

(۱۱) جواہر الکلام، جلد۲۳، ص۳۵۸

۳۔شہید اولؒ، (۱) محقق ؒ اور صاحب جواہرؒ (۲):

"معدو دات" (یعنی گنتی والی اشیاء) کے سود کو مکروہ سمجھتے ہیں۔کتاب دروس میں شہید اولؒ نے کراہت کے قول کو مشہور ترین قول قرار دیا ہے۔ (۳)

۴۔شیخ طوسیؒ کتاب نہایہ (۴) میں اس کے علاوہ ابن حمزہؒ (۵) اور عمانیؒ (۶):

تفصیل کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ غیر مکیل وموزون (ناپ تول کے بغیر بیچی اور خریدی جانے والی) اشیاء کا زیادہ اور اضافہ کے ساتھ خرید وفروخت نقدی معاملات میں جائز اور ادھار کے معاملات میں ممنوع ہے۔

معدود کسے کہتے ہیں؟

گذشتہ فقہاء کے کلمات کی چھان بین اور تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مکیل وموزون کے دائرہ سے باہر سمجھے جانے والی ہر چیز کو معدود قرار دیتے تھے۔مثال کے طور پر ابن حمزہ اشیاء کو تین حصوں ،مکیل ،موزون اور معدود میں تقسیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ معدود اشیاء کی خرید وفروخت عوضین میں سے کسی ایک کے اضافہ کے ساتھ نقد معاملات میں جائز اور نسیہ (ادھار) میں ناجائز ہے۔البتہ اس کے لئے شرط ہے کہ طرفین کا تعلق ایک ہی جنس سے ہو جیسے ایک انڈے کے عوض دو انڈے لینا،ایک اخروٹ کے دانے کے بدلے دو اخروٹ لینا اور ایک جوڑا لباس دے کر دو جوڑے لباس لینا وغیرہ۔ہاں اگر طرفین ایک ہی جنس سے نہ ہوں تو نقد اور ادھار دونوں میں زیادہ لینا جائز ہے۔جیسے ایک انڈہ دے کر دو اخروٹ اور ایک جوڑا

---

(۱) شرح لمعہ،شہید ثانی،جلد۱،ص۳۲۰

(۲) جواہر الکلام،جلد۲۳،ص۳۶۱

(۳) الدروس الشرعیہ،شہید اول،جلد۳،ص۲۹۳-۲۹۴

(۴) النھایہ،ص۳۷۷

(۵) الوسیلہ الی نیل الفضیلہ،ص۲۵۴

(۶) جواہر الکلام،جلد۲۳،ص۳۶۰

maablib.org

لباس کے عوض میں دو بکریاں یا ایک بکری دے کر کئی مرغیاں لے سکتے ہیں۔(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حمزہ بکری، مرغ اور لباس وغیرہ کو معدودات میں سے سمجھتے ہیں۔جبکہ یہ اشیاء قیمی ہیں اور ان کی خرید وفروخت مشاہدہ کے ذریعے ہوتی ہے۔

شیخ طوسیؒ کتاب نہایہ میں لکھتے ہیں کہ: جن اشیاء کی خرید وفروخت، ناپ تول کے ذریعے نہیں ہوتی ان کی ہم جنس اشیاء کوایک طرف کے اضافہ کے ساتھ فروخت کیاجاسکتاہے۔البتہ اس میں شرط ہے کہ معاملہ نقدی ہو۔کیونکہ نسیہ (ادھار) میں اس طرح سے معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔جیسے ایک قمیض کو دو قمیضوں کے عوض، ایک حیوان کو دو حیوانوں کے عوض اور ایک مکان کو دو مکانات کے بدلے میں فروخت کیاجاسکتاہے۔اسی طرح وہ اشیاء جو ان کی مثل ہیں اور مکیل وموزون نہیں ہیں، انہیں بھی اپنے ہم جنس کے بدلے کچھ اضافہ کے ساتھ معاملہ کرسکتے ہیں۔

شیخ طوسی کتاب خلاف میں لکھتے ہیں کہ: معدود اشیاء میں سود نہیں ہوتا ہے۔ان اشیاء کو مساوی یا غیر مساوی اشیاء کے ساتھ نقد یا نسیہ (ادھار) کے طور پر معاملہ کرسکتے ہیں۔

محقق اول شیخ طوسی کی دونوں عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: کتاب خلاف کے بیان کے ساتھ تنافی سے بچنے کے لئے شیخ طوسی کی کتاب نہایہ کے بیان کو کراہت پر حمل کیاجانا چاہیے۔(۲)

محقق اوّل کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں جو اشیاء کیل (ناپ)اور وزن کے ذریعے فروخت نہیں ہوتیں وہ معدود ہیں۔جبکہ فقہاء لباس، گھر اور حیوانات وغیرہ کو قیمی (یعنی قیمت طے کرکے بیچے جانے والی) اور مشاہدہ کے ذریعے خرید وفروخت ہونے والی اشیاء میں شمار کرتے ہیں۔

محقق کی نظر میں ''معدود'' عام ہے اور اس طرح کی اشیاء کو بھی شامل ہے۔

آگے چل کر ہم ''مستند اقوال'' کی بحث میں بیان کریں گے کہ مشہور فقہاء کی نظر میں معدود (گن کر بیچی جانے والی) اشیاء میں سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی معتبر ومستند روایات محمد بن مسلم اور ابن مسکان کی روایات ہیں۔جبکہ ان دو روایتوں میں ان اشیاء کا بیان ہے جن کا لین دین مشاہدہ کے ذریعے ہوتاہے۔

کتاب وسائل الشیعہ کے ''ابواب الربا'' میں حر عاملی نے: "بَابُ اَنَّهُ لَایَحْرُمُ الرِّبَا فِی الْمَعْدُوْدِ وَالْمَذْرُوْعِ لٰکِنْ یُکْرَهُ" کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں ان روایات کو بیان کیا ہے جن

(۱) الوسیلہ، ص ۲۵۴

(۲) النہایہ دیکھیں، شیخ طوسی، حاشیہ محقق حلی، جلد ۲، ص ۱۱۹

میں مشاہدہ کے ذریعے خرید وفروخت ہونے والی اشیاء کا بیان ہے۔ جیسے گائے، بھیڑ، بکری، گھوڑا اور اونٹ وغیرہ۔صرف دوروایات میں انڈے کے بارے میں پوچھا گیا ہے جوکہ علماء کے درمیان مورد اختلاف بنا ہوا ہے کہ انڈہ اس وقت مشاہدہ کے ذریعے لین دین کی جانے والی اشیاء میں شمار ہوتا تھا یا پھر آج کی طرح گنتی کے ذریعے فروخت ہونے والی اشیاء میں شمار ہوتا تھا؟

اس عظیم محدث کی نظر میں بھی لفظ ''معدود'' کا معنی عام ہے جو مشاہدہ کے ذریعے بیچی اور خریدی جانے والی اشیاء پر بھی صدق کرتا ہے۔

البتہ شیخ مفید کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مشاہدہ اور گنتی کے ذریعے معاملہ ہونے والی (معدود) اشیاء میں فرق کے قائل تھے۔ مشاہدہ کے ذریعے معاملہ ہونے والی اشیاء کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ: غیر مکیل وموزون اشیاء (وہ اشیاء جن کا معاملہ ناپ تول کے ذریعے نہیں ہوتا) کے نقدی معاملات میں ایک کے عوض میں دو یا دو سے زیادہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔البتہ ادھار میں اس طرح سے لینا جائز نہیں ہے۔مثلا ایک پیراہن کے عوض دو پیراہن ،ایک اونٹ کے عوض دو اونٹ ، ایک گھر کے عوض دو گھر اور کھجور کے ایک درخت کے عوض میں دو درخت لینا نقدی معاملات میں جائز ہے جبکہ نسیہ (ادھار) میں اس طرح کی خرید وفروخت نا جائز اور باطل ہے۔

وہ گنتی کے ذریعے خرید وفروخت ہونے والی اشیاء کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

گنتی کے ذریعے خرید وفروخت کی جانے والی اشیاء کا حکم وہی ہے جو اشیائے مکیل وموزون کا ہے۔ اشیاء اگر ہم جنس ہوں تو اضافہ کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں اور اگر ہم جنس نہیں ہیں تو نسیہ (ادھار) کے طور پر ان کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔(۱)

مذکورہ بیانات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ فقہاء لفظ ''معدود'' کو دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

الف: گنتی کے ذریعے معاملہ ہونے والی اشیاء اور کسی بھی معاملہ میں خرید وفروخت کی جانے والی اشیاء جن کی قیمت کا حساب گنتی کے ذریعے ہوتا ہے۔

ب: ناپ اور تول کے بغیر خرید وفروخت ہونے والی تمام اشیاء۔یہ معنی عام ہے اور معدودات کے علاوہ مشاہدات پر بھی صدق کرتا ہے۔گزشتہ علماء وفقہاء ''معدود'' کو اسی معنی میں استعمال کرتے تھے۔

maablib.org

---

(۱) المقنعہ ،ص۶۰۴،۶۰۵)

بہر حال لفظ ''معدود'' کے معنی میں اختلاف کسی مشکل کا باعث نہیں کیونکہ اگر بنا بر قول صحیح عرف کو مشاہدات کے ذریعے معدودات کو پہچاننے کا معیار قرار دیا جائے تو عرف سے رجوع کرتے ہوئے معدودات کو بھی مشاہدات کے توسط سے پہچانا جا سکتا ہے۔ یہ بحث تب مفید ثابت ہو سکتی ہے جب ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ معدودات میں سود ہے اور مشاہدات میں سود نہیں ہے۔ اور اگر مشہور کے قول کے مطابق دونوں کے بارے میں سود کے قائل نہ ہوں تو اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مستند اقوال:

اشیائے معدود کے سود کے بارے میں ہم نے جو اقوال نقل کیے ہیں، فقہی کتابوں میں ان کے دلائل موجود ہیں جنہیں ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

جواز:

قول مشہور کی دلیل، متعدد روایات ہیں، جو سود کو صرف مکیل وموزون (ناپ تول کے ذریعے بیچی اور خریدی جانے والی اشیاء) کے ساتھ مخصوص ثابت کرتی ہیں جیسے یہ روایت جس میں معصوم نے بیان کیا ہے کہ لَا یَكُونُ الرِّبَا اِلَّافِي مَایُكَالُ اَوْ یُوْزَنُ :سود صرف ناپ تول (کے ذریعے خرید وفروخت ہونے والی) اشیاء میں ہوتا ہے۔(۱)

(تحریم) حرمت:

بعض فقہی کتابوں، جیسے مختلف الشیعہ وجواہر الکلام وغیرہ میں شیخ مفید وسلار اور ابن جنید کے اس قول کے حق میں کہ ''معدودات میں مطلقا سود ہوتا ہے'' درج ذیل دلائل بیان ہوئے ہیں۔

ا۔ ربا کے لفظ کا اطلاق:

لفظ ''ربا'' لغت میں زیادہ کے معنی میں آیا ہے، چنانچہ معدودات میں بھی اگر ایک جانب زیادہ ہو تو ''ربا'' صدق آتا ہے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۳۴، حدیث ۱،۲۳۰۵

۲۔ صحیحہ محمد بن مسلم:

سَأَلْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ: عَنِ الثَّوْبَیْنِ الرَّدِیَّیْنِ بِالثَّوْبِ الْمُرْتَفِعِ وَالْبَعِیْرِ بِالْبَعِیْرَیْنِ وَالدَّابَّۃِ بِالدَّابَّتَیْنِ فَقَالَ: کَرِہَ ذَالِکَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَنَحْنُ نَکْرَھُہٗ اِلَّا اَنْ یَخْتَلِفَ الصِّنْفَانُ۔

''محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دو سستے کپڑوں کو ایک قیمتی (اور فاخرانہ) کپڑے کے عوض اور ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے عوض اور ایک حیوان کو دو حیوانوں کے بدلے خرید وفروخت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ حضرت علی علیہ السلام اس طرح کے معاملات کو پسند نہیں فرماتے تھے ۔اس لئے ہم بھی پسند نہیں کرتے ۔ہاں اگر دونوں مختلف جنس کے ہوں تو اس طرح کے معاملات میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' (۱)

۳۔ صحیحہ ابن مسکان:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ یَقُوْلُ: عَاوِضْنِیْ بِفَرَسِیْ وَ فَرَسَکَ وَاَزِیْدُکَ قَالَ: لَا یَصْلُحُ وَلٰکِنْ یَقُوْلُ: اَعْطِنِیْ فَرَسَکَ بِکَذَا وَ کَذَا وَاُعْطِیْکَ فَرَسِیْ بِکَذَا وَکَذَا ۔

ابن مسکان نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ: اپنے گھوڑے کو میرے گھوڑے کے ساتھ ادل بدل کرو تو میں (اپنے گھوڑے کے ساتھ) کچھ اضافی رقم بھی دوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا اس طرح سے کہنا صحیح نہیں بلکہ اُسے چاہئے کہ یوں کہے: اپنے گھوڑے کو اتنے (پیسے) میں میرے ہاتھ بیچو میں اپنے گھوڑے کو اتنے (پیسے) میں تجھے بیچ دوں گا۔ (۲)

فقہاء فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس، گھوڑے اور اونٹ کا شمار اگرچہ ناپ تول کے ذریعے خرید وفروخت ہونے والی اشیاء میں نہیں ہوتا ۔اس کے باوجود عوضین میں سے کسی ایک کے زیادہ ہونے سے سود واقع ہوتا ہے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ ،جلد۱۲،ص ۴۳۹ ،حدیث ۷

(۲) وسائل الشیعہ ،جلد۱۲،ص ۴۵۳ ،حدیث ۱۶

مذکورہ دلائل کا جواب:

اولاً: ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ "ربا" لغت میں زیادہ کے معنی میں آیا ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ ہر قسم کا اضافہ حرام نہیں بلکہ خاص شرائط کے ساتھ (جس کا ذکر مکیل وموزون کی روایتوں میں ہو چکا ہے۔) زیادہ لینا حرام ہے۔ (۱)

ثانیاً: جن دو روایتوں کو آپ نے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ حرمت میں ظہور نہیں رکھتیں، بلکہ اصطلاحی کراہت میں ظہور رکھتی ہیں۔ ان دو روایتوں کو اگر حرمت پر حمل کیا جائے تو اس وقت غیر مکیل وموزون میں زیادہ لینے کو جائز قرار دینے والی روایات ان سے تعارض (ٹکراتی) کرتی ہیں۔ ایسے میں ان دونوں روایتوں کو اصطلاحی کراہت پر حمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ (۲)

ثالثاً: یہ احتمال بھی یہاں موجود ہے کہ یہ دونوں روایات معصوم سے تقیہ کے طور پر صادر ہوئی ہوں۔ (۳)

شہید مطہریؒ (جو نیز معدودات میں زیادہ لینے کو سود اور حرام سمجھتے ہیں) نے بعض جدید نکات بیان کئے ہیں جس کی مثال گزشتہ فقہاء کے بیانات میں نہیں ملتیں۔ ہم شہید مطہریؒ کے اصل استدلال کو جس ترتیب کے ساتھ انہوں نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے نقل کرتے ہیں۔ آپ "معدودات میں سود" کے عنوان کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

۱۔ شیعہ علماء کے درمیان مشہور ہے کہ "معدودات (یعنی گنتی کے ذریعے لین دین ہونے والی اشیاء) سود سے مستثنیٰ ہیں بلکہ سود کی حرمت صرف مکیل وموزون (یعنی ناپ اور تول کے ذریعے خرید وفروخت ہونے والی چیزوں) کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ مسئلہ سود کی بحث کے مشکل ترین مسائل میں سے ہے۔ اس لئے کہ صرف معدود یا مکیل وموزون ہونا سود کی حرمت کے حکم کے لئے کیونکر ملاک ومعیار بن سکتا ہے؟ جبکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ سود بنیادی طور پر ظلم ہونے کی وجہ سے حرام ہوا ہے، اور بعض چیزیں کسی شہر میں معدود شمار ہوتی ہیں تو دوسرے شہروں میں مکیل وموزون۔ اس کے علاوہ زمانے کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے فرق کرتی ہیں۔ (۴)

---

(۱) مختلف الشیعہ، جلد ۵، ص ۸۵

(۲) مختلف الشیعہ، جلد ۵، ص ۸۵

(۳) الحدائق الناظرہ، شیخ یوسف بحرانی، جلد ۱۹، ص ۲۵۳

(۴) ملحقات عروہ، جلد ۲، مسئلہ ۳۵

جبکہ یہ تمام فرق معاملہ کی ماہیت میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کئے بغیر صرف معمول ومرسوم کے تابع ہیں۔ کیا حرام سود (جس کی حرمت کی شدت کا علم سب کو ہے) بغیر کسی ملاک کے حلال ہوسکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اشعری مسلک اختیار کرتے ہوئے ہر طرح کے ملاک ومعیار کی نفی کی جائے؟

۲۔ یہ مسئلہ اہل سنت کے ہاں ایک اور صورت میں مورد بحث واختلاف واقع ہوا ہے۔ ان کے بعض فقہاء نے سود کو چھ چیزوں میں منحصر کر کے حرام قرار دیا ہے تو بعض نے ارزاق میں اور بعض فقہاء جیسے ابو حنیفہ وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ مکیل وموزون میں حرام قرار دیا ہے۔ اختلاف کی بنیادی وجہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں کسی ضابطۂ کلی کا بیان نہ ہونا ہے۔

۳۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں جن روایات سے مدد لی گئی ہے اُن میں دیکھنا چاہیے کہ استثناء لفظ" لاَ رِبَا فِي الْمَعْدُوْدِ" (یعنی گنتی کے ذریعے معاملہ ہونے والی کسی شئے میں ربا نہیں" کی صورت میں بھی آیا ہے یا پھر صرف "لاَ رِبَا اِلاَّ فِي مَا يُكَالُ اَوْ يُوْزَن" "سوائے ناپ تول کے ذریعے بیچی جانے والی اشیاء کے کسی اور چیز میں ربا نہیں ہے" کی صورت میں بیان ہوا ہے؟

اگر دوسری عبارت صحیح ہے یعنی "لاَ رِبَا اِلاَّ فِي مَا يُكَالُ اَوْ يُوْزَن" تو اس میں یوں کہا جاسکتا ہے کی چیزیں دو طرح کے ہیں، پہلی قسم وہ ہیں جو مثلی نہیں ہیں جیسے، گھر وغیرہ، یہ اشیاء نہ تو مکیل میں شامل ہیں اور نہ موزون ومعدود میں، بلکہ اصولا مشاہدہ کے بغیر ان کی خرید وفروخت نہیں ہوتی، دوسری قسم مثلی اشیاء ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ قرض صرف مثلی اشیاء میں ہی ممکن ہے۔ اگر چہ فقہاء کے درمیان مشہور ہے کہ قرض میں مثلی ہونا معتبر نہیں حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ قرض میں انسان کی ضرورت ہم مثل اشیاء کی ہوتی ہے۔ جبکہ قیمی امور میں قرض معتبر نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ معاملی سود کی حرمت قرضی سود کے حریم کی حفاظت کی خاطر ہے، لہٰذا جس طرح قیمی اشیاء جیسے گھر وغیرہ قرض پر نہیں دیا جاسکتا تو ان میں سود بھی فرض نہیں کیا جاسکتا۔ پس معاملات میں بھی حرام سود مثلی اشیاء کے ساتھ مختص ہوجاتا ہے۔ پس ثابت ہوا "لاَ رِبَا اِلاَّ فِي مَا يُكَالُ اَوْ يُوْزَن" اُن اشیاء کا استثنیٰ کرتا ہے، جنہیں ہم کسی صورت ناپ تول نہیں سکتے بلکہ ان کا معاملہ ہمیشہ مشاہدہ سے کیا جاسکتا ہے جیسے گھر جو معدود میں بھی شامل نہیں کیونکہ معدود کو تو ناپ تول کر خرید وفروخت کیا جاسکتا ہے۔ پس ان روایات میں زیادہ غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ (۱)

(۱) اس کے لئے شمارہ ۶ کا مطالعہ کریں

maablib.org

۴۔روایات کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی روایات کو ہر چیز پر اولویت حاصل ہے ،اور اسے متن قانون کی صورت میں اسے قبول کرنا چاہیے اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی روایات کو روایات نبوی کی شارح ومفسّر کی نظر سے دیکھنا چاہئے کیونکہ ائمہ علیہم السلام ،پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعلیمات اور فرامین کی تفسیر اور شرح بیان کرتے تھے۔احادیث کے متعلق اس طرح کا نظریہ رکھنا مقصود کو سمجھنے کے لئے زیادہ موثر ہے ،کیونکہ اگر کسی کلام کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ کوئی معنی دیتا ہے،اور اگر کسی اور کلام کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کوئی اور معنی دیتا ہے ۔لہٰذا یہ نکتہ بہت اہم ہے جسے فقہ کے تمام مسائل میں مدنظر رکھنا چاہئے۔

۵۔مثلیات میں وزن ،کیل اور عدد (وزن،ناپ اور گنتی) میں اصل کیا ہے؟روایات کیا کہتی ہیں؟کیا وزن کے لئے یا پھر وزن وکیل وعدد میں سے ہر ایک کے لئے مستقل دلائل موجود ہیں؟(۱)

حق یہ ہے کہ ہم وزن کو ہمیشہ ہر چیز کی اصل نہیں کہہ سکتے ۔کیونکہ چینی کے بنے ہوئے برتنوں (پلیٹ ،کپ اور کیتلی وغیرہ) میں اصل عدد (گنتی) ہے۔ممکن ہے بعض اوقات زیادہ مقدار کی خرید وفروخت میں سہولت کی خاطر وزن کے ذریعے بھی معاملہ کیا جائے۔ البتہ یہاں وزن گنتی کے لئے کنایہ ہے۔عام طور پر کسی بھی چیز کی مالیت اس کے فوائد کے اعتبار سے ہوتی ہے ۔یعنی کسی بھی چیز کی مالیت اس کے فوائداور مقصود پر موقوف ہے۔ چنانچہ فائدہ جتنا زیادہ ہوتا ہے اسی حساب سے اس کی مالیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔اور اسی فائدہ کی مقدار کا تعین کبھی وزن ،کبھی کیل ،کبھی گنتی کے ذریعے اور کبھی دوسری چیزوں یا ذرائع سے ہوتا ہے۔یہ درست ہے کہ بہت سے امور میں وزن اصل ہے اور گنتی وزن کے لئے کنایہ ہے۔اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے جیسے چینی کے ظروف میں اصل گنتی ہے اور ممکن ہے سہولت کی خاطر زیادہ مقدار کو وزن کے ذریعے بھی بیچا یا خریدا جائے۔

۶۔شمارہ ۳ میں ہم نے عرض کیا تھا کہ "مَا لَا یُکَالُ وَ لَا یُوزَنُ" سے مراد معدودات نہیں بلکہ وہ اشیاء ہیں جن کا معاملہ مشاہدہ کے ذریعے ہوتا ہے ۔ یہاں بھی اُسی بات کو جاری رکھتے ہوئے ہم کہیں گے کہ روایات میں "مَا لَا یُکَالُ وَ لَا یُوزَنُ" کے لئے متعدد مثالیں بیان ہوئی ہیں، جیسے (لباس) ، (اونٹ) ، (غلام) ،اور (انڈہ) وغیرہ۔ لباس ، اونٹ اور غلام کے بارے میں سب متفق ہیں کہ یہ مشاہدہ کے ذریعے معاملہ ہونے والی چیزیں ہیں۔ انڈے کا شمار اگرچہ معدود اشیاء میں ہوتا ہے مگر چینی کے ظروف کے مانند نہیں ،بلکہ اس کی تشخیص میں مشاہدہ کا بھی عمل دخل ہے ۔کیونکہ انڈے کو ہم چھوٹے اور بڑے

(۱) ملحقات عروہ، ج ۲، مسئلہ ۴۳

انڈے کہ کر اس کی صفت بیان کرتے ہیں اور چھوٹے و بڑے کی بھی قسمیں ہوتی ہیں جسے ہم مشاہدہ ہی کے ذریعے معین کر سکتے ہیں جو گنتی کے ذریعے معاملہ ہونے والے چینی کے ظروف کے برعکس ہیں۔ کیونکہ چینی کے برتن کے لئے مشاہدہ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کی صفت بیان ہونے کے ساتھ اس کی تعیین ہوجاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ روایات میں مذکور مثالوں سے "مطلق معدود میں سود نہیں ہے" یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ (۱)

شرائع کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ محقق جیسے علماء، معدود کو بھی مشاہدہ کے ذریعے معاملہ ہونے والی اشیاء کی مانند سمجھتے ہیں۔ (۲)

چند نکات کا بیان:

شہید مطہریؒ کے مطالب کو مکمل نقل کرنے کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان مطالب پر ہونے والے چند مباحث کی وضاحت کریں۔

۱۔ شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ "ہم سمجھتے ہیں کہ سود کی بنیادی حرمت کی وجہ اس کا ظلم ہونا ہے" اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ:

اولاً۔ جو لوگ سود کی حرمت کی بنیادی وجہ ظلم کو قرار دیتے ہیں، وہ قرضی سود سے متعلق ہے جبکہ ہماری بحث معاملی سود کے بارے میں ہے۔

ثانیاً۔ جب تک معاملی سود کی حرمت کی علت کو ہم دریافت نہیں کرتے، ہم معدود میں سود کی حرمت کا حکم نہیں لگا سکتے اور اس بات کا لازمہ یہ نہیں کہ ہم اشعری مسلک کے ماننے والے کہلائیں بلکہ بات یہ ہے کہ ہمیں معاملی سود کی حرمت کی علت کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے، اور نہ ہم اس چیز کے قائل ہیں کہ تحریم کا حکم شارع مقدس کی جانب سے بغیر کسی علت کے صادر ہوا ہے۔

۲۔ شمارہ ۳ میں جو مطالب بیان ہوئے ہیں وہ واضح نہیں ہیں۔ ظاہراً طرز استدلال کچھ اس طرح سے ہے کہ:

---

(۱) کتاب سرائر کے باب الربا میں شیخ کی اس عبارت کو نقل کیا ہے کہ: اضافہ کے ساتھ معدود کا نسیہ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) ربا، بانک و بیمہ، ص ۲۰۴-۲۰۷

maablib.org

پہلا مقدمہ:

قرض صرف مثلی چیزوں میں ہوتا ہے اور قیمی چیزوں کو قرض کے طور پر نہیں دیا جاسکتا۔

دوسرا مقدمہ:

معاملی سود کی حرمت کی وجہ قرضی سود کے حریم کی حفاظت ہے۔

نتیجہ:

جس طرح قرض کے باب میں قیمی چیزوں میں قرض نہیں ہوتا اور سود بھی نہیں ہے، معاملات کے باب میں بھی قیمی چیزوں میں سود کی حرمت ممکن نہیں، بلکہ سود کی حرمت صرف مثلی چیزوں کے ساتھ مختص ہے۔

اس استدلال کے ذریعے ہم اس سے زیادہ نتیجہ حاصل نہیں کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ معاملات میں سود کی حرمت مثلی چیزوں کے ساتھ مختص ہے جو تمام مثلی اشیاء کو شامل ہے پس معدود میں بھی سود ہے اس لئے کہ روایات میں آیا ہے کہ "لَا رِبَا اِلَّا فِی مَا یُکَالُ اَوْ یُوزَنُ" جو سود کی حرمت کو کیل وموزون کے ساتھ مختص کرتی ہے، جبکہ غیر کیل وموزون کے متعلق روایت مطلق ہے اور اپنے مفہوم کے ذریعے معدود ومشاہد (گنتی اور مشاہدہ کے ذریعے لین دین ہونے والی اشیاء) کے سود کی نفی کرتی ہے۔

۳۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ "کیل (ناپ)" اور "وزن" کا عنوان حرمت کے حکم میں مکمل دخالت رکھتا ہے۔ لہٰذا "کیل" اور "وزن" کے بغیر فروخت ہونے والی معدود ومشاہد (گنتی اور مشاہدہ والی) اشیاء میں سود نہیں ہوتا ہے۔

الف: علی ابن ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ معصوم علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَا عُدَّ عَدَداً وَ لَمْ یُکَلْ وَ لَمْ یُوْزَنْ فَلَا بَأسَ بِهِ اِثْنَانِ بِوَاحِدٍ .

"گنتی کے ذریعے خرید وفروخت ہونے والی اشیاء کو جسے ناپ تول کے ذریعے خرید وفروخت نہیں کیا جاتا ایک کے بدلے میں دو لیکر فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" (۱)

اس حدیث میں جواز کے حکم کی نسبت بلاواسطہ معدود کی طرف دی گئی ہے۔

ب: منصور بن حازم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ:

سَأَلْتُهُ عَنِ الْبَیْضَةِ بِالْبَیْضَتَیْنِ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ وَالثَّوْبِ بِالثَّوْبَیْنِ، قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ وَالْفَرَسِ بِالْفَرَسَیْنِ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ ، ثُمَّ قَالَ: کُلُّ شَیْءٍ یُکَالُ اَوْ یُوْزَنُ

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۴۸، حدیث ۲ و ص ۴۵۲، حدیث ۱۲

فَلَا يَصْلُحُ مِثْلَيْنِ بِمِثْلٍ إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ، فَإِذَا كَانَ لَا يُكَالُ وَلَا يُوْزَنُ فَلَا بَأْسَ بِهِ إِثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ .

''میں نے ایک انڈے کو دو انڈوں کے بدلے ،ایک لباس کو دو لباس کے عوض ،ایک گھوڑے کو دو گھوڑوں کے عوض فروخت کرنے سے متعلق امام علیہ السلام سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس کے بعد آپ نے فرمایا: ناپ تول کے ذریعہ خرید وفروخت ہونے والی ہر چیز (اگر دونوں ایک ہی جنس سے ہو) کا ایک کے بدلے دو لینا صحیح نہیں ہے اور اگر وہ چیز مکیل وموزون نہ ہو تو دو کو ایک کے عوض خرید وفروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' (۱)

اس روایت میں راوی نے جب امام علیہ السلام سے اشیائے معدود جیسے ''انڈے'' اور اشیائے مشاہد جیسے ''لباس'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ایک کلی قانون بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا كَانَ لَا يُكَالُ وَلَا يُوْزَنُ فَلَا بَأْسَ بِهِ إِثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ .

''اگر معدود و مشاہد میں سے کوئی ایک بھی ناپ اور تول کے ذریعے خرید و فروخت نہیں ہوتی تو ان میں سود بھی نہیں ہے۔'' (۲)

چنانچہ آپ کا یہ فرمانا کہ "مَا لَا يُكَالُ وَلَا يُوْزَنُ" سے مراد صرف مشاہدہ کے ذریعے خرید و فروخت ہونے والی اشیاء ہیں ۔روایات کے ظاہر سے مطابقت نہیں رکھتا اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ روایات میں جو مثالیں بیان ہوئی ہیں وہ مشاہدات کے مصادیق ہیں ،پھر بھی "مَا لَا يُكَالُ وَلَا يُوْزَنُ" کی عبارت عمومیت سے خارج نہیں ہوتی ،کیونکہ مفہوم عام کو مشاہدات کی چند مثالوں کے ذریعے تخصیص نہیں دیا جاسکتا۔

معدود کا معیار، گنتی کے ذریعے اس کا معاملہ ہوتا ہے ۔اگرچہ یہ معاملہ مشاہدہ کا محتاج ہی کیوں نہ ہو۔گنتی کے ذریعے معاملہ ہونے والے چینی کے برتن بھی انواع واقسام ہونے کی وجہ سے مشاہدہ کے محتاج ہوتے ہیں۔

۳۔معدودات میں سود کے قائلین کا قول، مشہور فقہاء کے نظریہ کے برخلاف ہونے کے علاوہ مسئلہ سود میں ضرورت سے زیادہ احتیاط کا موجب اور معاملات کی راہ میں رکاوٹ کا باعث ہے ۔اس کے علاوہ

maablib.org

(۱) تہذیب الاحکام ،جلد ۷،ص ۱۱۹،حدیث ۵۱۳/۱۱۹: وسائل الشیعہ ،جلد ۱۲،ص ۴۳۵،حدیث ۵: الفروع من الکافی ،جلد ۵،ص ۱۹۱،حدیث ۸

(۲) وسائل الشیعہ ،جلد ۱۲،ص ۴۳۵،حدیث ۵ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے

اسے قبول کرنے کی صورت میں اقتصادی معاملات میں سود کے مسئلہ کے حل اور معدود میں سود نہ ہونے کے بارے میں جو تجاویز پیش ہوئی ہیں وہ خود بہ خود ختم ہو جائیں گی۔

قول تفصیل:

جو لوگ غیر مکیل وغیر موزون اشیاء کے اضافہ کے ساتھ معاملہ کو نقد معاملات میں جائز اور نسیہ (ادھار) میں حرام سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں: بعض روایات ایسی بھی ہیں جو: "لَا رِبَا اِلَّا فِی مَا یُکَالُ اَوْ یُوْزَنُ" کے اطلاقات کو مقید کرتی ہیں (یعنی مطلق روایات کے دائرہ کو محدود کرتی ہیں) جس کے نتیجے میں اضافہ کا جائز ہونا نقدی معاملات کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ وہ روایات یہ ہیں کہ:

۱۔ صحیحہ زرارہ:

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: اَلْبَعِیْرُ بِالْبَعِیْرَیْنِ وَالدَّابَّةُ بِالدَّابَّتَیْنِ یَدًا بِیَدٍ لَیْسَ بِهٖ بَأْسٌ۔

روایت صحیحہ میں زرارۃ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے ساتھ ایک چوپایہ کو دو چوپایوں کے ساتھ خرید وفروخت کرنے میں، اگر معاملہ نقد ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

۲۔ صحیحہ عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ:

سَاَلْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الْعَبْدِ بِالْعَبْدَیْنِ وَالْعَبْدِ بِالْعَبْدِ وَالدِّرْهَمِ،
قَالَ: لَا بَاْسَ بِالْحَیَوَانِ کُلِّهٖ یَدًا بِیَدٍ۔

عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک غلام کو دو غلاموں کے عوض اور ایک غلام کو ایک غلام اور ایک درہم کے عوض خرید وفروخت کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: تمام حیوانات کا اس طرح سے نقد معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۵۰، حدیث۳

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۵۰، حدیث۶

مذکورہ دونوں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف نقد کی صورت میں اس طرح سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔پس ہم ان اطلاقات سے دست بردار ہوتے ہیں۔

اس استدلال کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ بعض روایات ایسی بھی ہیں جو ان دونوں روایتوں سے مقید کی صلاحیت کو چھین لیتی ہیں:

ا۔ صحیحہ زرارۃ:

عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: اَلْبَعِیرُ بِالْبَعِیرَیْنِ وَالدَّابَّةُ بِالدَّابَّتَیْنِ یَداً بِیَدٍ لَیْسَ بِهِ بَأْسٌ وَقَالَ: لَا بَأْسَ بِالثَّوْبِ بِالثَّوْبَیْنِ یَداً بِیَدٍ وَ نَسِیئَةً اِذَا وَصَفْتَهُمَا

زرارۃ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے عوض اور ایک جانور کو دو جانوروں کے عوض نقد معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔آپ نے مزید فرمایا: ایک لباس کو دو لباس کے ساتھ ان کے اوصاف مشخص کرنے کے بعد معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معدود میں نسیہ (ادھار) کا معاملہ سود کی وجہ سے نہیں بلکہ غرر (Uncertainty) کی وجہ سے حرام ہے، چنانچہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عوضین کی اس طرح سے توصیف کی جائے کہ غرر کا احتمال باقی نہ رہے تو ادھار معاملہ میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۲۔ موثقہ سعید بن یسار:

سَأَلْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الْبَعِیرِ بِالْبَعِیرَیْنِ یَداً بِیَدٍ و نَسِیئَةً فَقَالَ: نَعَمْ لَا بَأْسَ اِذَا سُمِّیَتِ الْأَسْنَانُ جَذَعَیْنِ اَوْثَنِیَّیْنِ، ثُمَّ اَمَرَنِی فَخَطَطْتُ عَلَی النَّسِیئَةِ.

سعید بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق عَلَیْهِ السَّلَامُ سے ایک اونٹ کے دو اونٹوں کے عوض نقد یا نسیہ (ادھار) معاملہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: اونٹوں کی عمریں متعین کرنے کے بعد (ان کا نقد یا نسیہ معاملہ کرنے میں) کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد آپ نے کلمہ نسیہ (ادھار) پر خط پھیرنے کا مجھے حکم دیا، اور میں نے اس پر لکیر کھینچی۔(۲)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۴۹، حدیث ۱

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۵۱، حدیث ۷

شیخ صدوق کے مطابق راوی کو امام نے تقیہ کی وجہ سے کلمہ ''نسیہ'' پر خط کھینچنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ عامّہ (اہلسنت) کے نزدیک اس طرح سے نسیہ معاملہ کرنا حرام ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ اس سے پہلے کی دو روایتوں میں ''یَداً بِیَدٍ'' (یعنی نقد) کی قید بھی تقیہ کی وجہ سے لائے ہوں۔ لہٰذا ان دو روایتوں کی موجودگی اور اُن دو روایتوں میں تقیہ کا احتمال ہوتے ہوئے اطلاقات سے چشم پوشی اور تفصیل پر مبنی قول کو قبول کرنے کے لئے کوئی دلیل باقی نہیں رہتی ہے۔

کراہت:

کراہت پر دلالت کرنے والی معتبر اور مستند روایات محمد بن مسلم اور ابن مسکان کی روایات صحیحہ ہیں، جسے ہم نے حرمت کے لئے مستند قول کے طور پر نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ محقق اوّل اور صاحب جواہرالکلام جیسے فقہاء نے ازباب احتیاط اور اختلاف شبہ سے نکلنے کے لئے نہی پر دلالت کرنے والی روایات کو کراہت پر حمل کیا ہے۔ (۱)

ناپ تول کا معیار:

یہ جان لینے کے بعد ''کہ مشہور فقہاء کی نظر میں سود کی حرمت، مکیل وموزون (ناپ تول کے ذریعے معاملہ ہونے والی اشیاء) کے ساتھ مخصوص ہے۔'' یہ بات زیر بحث آتی ہے کہ: کیل اور وزن کا معیار کیا ہے؟ فقہاء کونسی جنس کو مکیل (ناپ کے ذریعے معاملہ ہونے والی شئے) اور کس چیز کو موزون (وزن کے ذریعے معاملہ ہونے والی چیز) قرار دیتے ہیں؟ اس بارے میں دو نظریات پائے جاتے ہیں:

اول: مشہور فقہاء خصوصاً متقدمین فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مکیل وموزون ہونا ثابت ہے وہ سودی شمار ہوتی ہیں اگرچہ بعد میں وہ مکیل وموزون شمار نہ ہوتی ہوں۔ مثلاً وہ اشیاء جن کا لین دین آپ کے دور میں وزن کے ذریعے ہوتا تھا جبکہ آج کل گنتی کے ذریعے ان کا لین دین ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ ثابت ہوجائے کہ فلاں چیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مکیل وموزون شمار نہیں ہوتی تھی تو اس پر سود کا حکم لاگو نہیں ہوتا ہے اگرچہ بعد میں اس کا لین دین ناپ اور تول کے ذریعے کیوں نہ ہوتا ہو۔

---

(۱) جواہرالکلام، جلد ۲۳، ص ۳۹۱

بعض فقہاء، مکہ ومدینہ میں رائج لین دین کو معیار قرار دیتے ہیں تو بعض حجاز کی پوری سرزمین اور بعض پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے تمام اسلامی ممالک کو معیار سمجھتے ہیں کہ ان ممالک میں جو اشیاء مکیل وموزون شمار ہوتی تھیں وہ آج بھی مکیل وموزون شمار ہوں گی۔

کسی چیز کے بارے میں اگر یہ تشخیص نہ کی جاسکے کہ شارع مقدس کے دور میں ناپ اور تول کے ذریعے اس کا لین دین ہوتا تھا یا گنتی کے ذریعے؟ تو عرف اور شہر میں رائج طریقہ کار کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ اگر تمام شہروں میں ایک ہی طریقہ کار رائج ہے تو کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ اس کے برعکس اگر ہر شہر میں الگ الگ طریقہ کار رائج ہو تو مشہور علمائے متاخرین کی اکثریت، مبسوط میں شیخ طوسی اور مہذب میں قاضی کے مطابق ہر شہر کا حکم علیحدہ ہوگا۔ جبکہ "کتاب نہایہ" میں شیخ طوسیؒ کا نظریہ اور جناب سلار کا نظریہ، اختلاف کی صورت میں ناپ تول کے حکم کو مقدم کرتے ہوئے تمام شہروں میں اس چیز پر سودی حکم لاگو کریں گے۔ (۱)

دوم: مشہور کے مقابلے میں فقہاء معاصر کا نظریہ یہ ہے کہ ہر دور اور علاقہ میں چیزوں کی اندازہ گیری کے لئے اس زمانے اور جگہ کا عرف معیار ہے۔ مثلاً ایک چیز کا معاملہ اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کیل (ناپ) کے ذریعے ہوتا تھا مگر موجودہ دور میں گنتی کے ذریعے ہوتا ہے تو موجودہ دور کے عرف کے مطابق اس کا معاملہ سودی شمار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک چیز کسی شہر میں وزن کے ذریعے بیچی جاتی ہے جبکہ دوسرے شہر میں اسی چیز کا لین دین اگر مشاہدہ کے ذریعے ہوتا ہے تو صرف پہلے شہر میں جہاں وزن کے ذریعے اس کا معاملہ ہوتا تھا سودی شمار ہوگا۔

اس نظریے کے حق میں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ: چیزوں کے معیار کا اندازہ کرنا (یعنی معدود اور مکیل وموزون کا تعین) کرنا کوئی شرعی اور تعبدی مسئلہ نہیں بلکہ معاملات وعقود کی طرح عرفی مسئلہ ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لوگوں کے لئے کسی مخصوص "کیل ووزن" کو معیار قرار نہیں دیا بلکہ اس وقت جو متعارف تھا اسی کو رہنے دیا اور اس سے منع نہیں فرمایا۔ آپؐ کے دور میں جو متعارف تھا وہ اسی طرح دوسرے زمانوں کے لئے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ شارع مقدس کی ذمہ داری زیادہ تر احکام بیان کرنا ہے۔ یوں سوائے خاص موارد کے عرفی موضوعات اور معاملات میں وہ مداخلت نہیں فرماتے۔

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۳۶۳؛ شرح تبصرۃ المتعلمین، ضیاء الدین عراقی، جلد ۵، ص ۲۳۹

maablib.org

دوسری شرط : جنس میں اتحاد

معاملی سود کے واقع ہونے کی شرائط میں سے دوسری شرط، عوضین کا تعلق ایک ہی جنس سے ہونا ہے۔جیسے گندم کا گندم کے ساتھ اور کھجور کا کھجور کے ساتھ معاملہ کرنا وغیرہ، اگر عوضین کا تعلق ایک ہی جنس سے نہ ہو بلکہ گندم کو کھجور کے ساتھ اور جَو کا نمک کے ساتھ لین دین کیا جائے تو یہ سودی معاملہ نہیں ہوتا ہے۔اس شرط کا بیان ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول متعدد روایات کے مفہوم ومنطوق میں آیا ہے۔معاملہ اگر نقد ہو تو اس کے سودی ہونے میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ ہم جنس اشیاء نہ ہوں تو ان کے نسیہ (ادھار) معاملہ کے سودی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

موثقہ سماعۃ:

قَالَ:سَاَلْتُهُ عَنِ الطَّعَامِ وَالتَّمرِ وَالزَّبِيبِ، فَقَالَ: لَا يَصْلُحُ شَيْءٌ مِنْهُ اِثْنَانِ بِوَاحِدٍ اِلَّا اَنْ يُصْرِفَهُ نَوْعاً اِلَى نَوْعٍ آخرَ فَاِذَا صَرَفْتَهُ فَلَا بَاْسَ اِثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ وَ اَكْثَر.

سماعۃ روایت کرتے ہیں کہ: امام علیہ السلام سے میں نے طعام، خرما اور کشمش کے لین دین کے متعلق پوچھا تو امام علیہ السلام نے فرمایا ان میں سے کسی میں بھی ایک کے عوض دو لینا جائز نہیں، ہاں البتہ ایک جنس کو دوسرے جنس کے ساتھ لین دین کیا جائے تو اس صورت میں ایک کے عوض میں دو یا دو سے زیادہ لینا جائز ہے۔(۱)

موثقہ منصور بن حازم:

عَنْ اَبِيْ عَبدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فِي حَدِيثٍ: كُلُّ شَيْءٍ يُكَالُ اَوْ يُوْزَنُ فَلَا يَصْلُحُ مِثْلَيْنِ بِمِثْلٍ اِذَا كَانَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ.

منصور بن حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ناپ تول کے ذریعہ لین دین ہونے والی تمام اشیاء اگر ایک ہی جنس سے ہوں تو ایک کو دو کے بدلے لین دین کرنا صحیح نہیں۔(۲)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۴۳، حدیث۵

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۴۸، حدیث۳

چیزوں کے ہم جنس ہونے کا معیار:

جنس متحد ہونے سے مراد کیا ہے؟اس سوال کے جواب میں ''جنس'' کی تعریف میں بیان ہونے والے فقہاء کے نظریات کو،ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

ا۔ نام میں اتحاد:

فقہاء کی اکثریت کے مطابق روایات اور فتاوای میں ''جنس'' سے مراد اشیاء کی حقیقت نوعیہ ہے۔جسے منطق میں ''نوع'' اور لغت میں ''جنس'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔مگر اس طرح کی حقیقتوں کو پہچاننا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔چنانچہ کتاب سرائر، تذکرہ، تحریر، دروس اور شرح لمعہ جیسی متعدد کتابوں میں اس کی تشخیص اور تعیین کے لئے ضابطے اور طریقہ کار وضع کیے گئے ہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ: ایک خاص اسم میں تمام اشیاء مشترک ہوں جیسے گندم کی تمام اقسام اور چاول کی تمام اقسام، گندم اور چاول کہلانے میں مشترک ہیں، نام کا ایک ہونا،ان تمام اشیاء کے ایک حقیقت نوعیہ میں متحد ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔(۱)

صاحب حدائق ''جنس'' کی مذکورہ تعریف کو قبول کرنے کے بعد نام میں اتحاد اور اختلاف کو علامت غالبی قرار دیتے ہیں کہ جب تک دقیق علامت ظاہر نہیں ہوتی ہے حکم اس پر لاگو ہوتا ہے کیونکہ شرعی احکام نام اور عرفی اطلاق کے تابع ہوتے ہیں' حقیقت اور واقعیت کے تابع نہیں ہوتے۔ہاں اگر کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ مقصود اور مراد اشیاء کی حقیقت ہے جیسے گندم اور جو اگرچہ نام کے لحاظ سے جدا ہیں مگر روایات میں آیا ہے کہ ان دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے۔

۲۔ مبدا میں اتحاد:

آقا ضیا عراقی نام میں اتحاد کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ: مذکورہ تعریف جامع ومانع نہیں ہے کیونکہ بعض مشتقات کا مبدا اور منبع ایک ہوتا ہے مگر ان کے نام مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے دہی ،پنیر، لسی اور مکھن وغیرہ سب کے نام الگ ہیں مگر سب دودھ ہی سے بنتے ہیں، اور ان کی حقیقت ایک ہی ہے۔اس کے برعکس بعض اشیاء جیسے بھیڑ، بکری کا گوشت یا بھینس وبیل کا گوشت یا پھر بھیڑ، بکری کا دودھ یا بھینس کا

maablib.org

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۳۳۸

دودھ کی حقیقتوں سے ہونے کے باوجود (دودھ اور گوشت کے) نام میں مشترک ہیں۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ ''جنس میں اتحاد'' سے مراد ایک ہی حقیقت کی جانب سب کا پلٹ جانا ہے تو زیادہ حقیقت سے قریب بات ہوگی۔ (۱)

اگر دو چیزوں کے بارے میں شک ہو جائے کہ ان کے درمیان اتحاد جنس ہے یا نہیں؟ تو ظاہراً ان میں سے کسی ایک کے اضافے کے ساتھ ان کا لین دین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے لین دین کا حرام ہونا عوضین کے ہم جنس ہونے سے مشروط ہے جبکہ یہاں اس میں شک ہے، جو حرام ہونے میں شک کا موجب بنتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ''اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ خدا نے ہر خرید وفروخت کو حلال کیا ہے'' جیسے عمومات (عام حکم) کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کے حلال ہونے کا حکم جاری کیا جاتا ہے۔

اضافہ سے مراد:

اضافہ سے مراد کیا ہے؟ اور یہ کن چیزوں کو شامل ہے؟ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ ''ہر وہ چیز جو عقلاء کے نزدیک مالی حیثیت رکھتی ہے کہ لین دین میں اس کی شرط کرنا حرمت کا باعث بنتا ہے۔''

کتاب ''عروۃ الوثقیٰ'' کے مصنف نے اضافہ کی متعدد صورتیں بیان کی ہیں۔ وہ سب سے پہلے اضافہ کو ''عینی'' اور ''غیر عینی'' میں تقسیم کرتے ہیں پھر ہر ایک کے لئے شقیں بیان کرتے ہیں:

۱۔ عینی اضافہ ثمن (قیمت) یا مثمن (مال) کے جزء کے عنوان سے ہو، چاہے ثمن یا مثمن کی جنس میں سے ہو یا نہ ہو۔ جیسے ایک کلو گندم کو دو کلو گندم یا ایک کلو گندم اور دس روپیہ کے بدلے بیچنا جو کہ روایات میں مذکورہ زیادہ یا اضافہ کا واضح ترین مصداق ہے۔

۲۔ عینی اضافہ کو لین دین میں اس طرح سے ''شرط'' قرار دے کہ وہ کسی چیز کے عوض میں نہ ہو، جیسے ایک کلو کھجور کا ایک کلو کھجور کے عوض اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کرنا کہ خریدار، بیچنے والے کو کھجور کے ساتھ ایک کلو گندم بھی دے گا۔

۳۔ غیر عینی اضافہ جو مالیت رکھتا ہو۔ جیسے کسی مکان میں سکونت اختیار کرنا، ایک جوڑا لباس سینا وغیرہ، یعنی دو ہم جنس اور مساوی اشیاء کا اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کرنا کہ خریدار، بیچنے والے کو اپنا گھر کرایہ کے بغیر سکونت کے لئے دیگا، یا پھر ایک جوڑا لباس مفت میں سی کر دیگا وغیرہ۔

---

(۱) شرح تبصرۃ المتعلمین، جلد ۵، ص ۲۲۸

۴۔ معنی اضافہ، جو مالیت نہ رکھتا ہو مگر اسے انجام دینے کو عقلاء صحیح سمجھتے ہوں، جیسے کسی ہم جنس اشیاء کے لین دین میں قرآن مجید کے ایک حصہ کی تلاوت کرنے یا واجبات کو انجام دینے کی شرط کرنا وغیرہ۔ (۱)

۵۔ حکمی اضافہ، جیسے ایک من گندم کو ایک من گندم کے ساتھ نسیہ (ادھار) معاملہ کرنا، اس طرح سے کہ عوضین میں سے ایک کا مدت دار ہونا اضافہ کے حکم میں آتا ہو۔ البتہ کتاب عروۃ الوثقیٰ کے مصنف نے اس شق کو ذکر نہیں کیا ہے۔

معاملی ربا کی اقسام:

سودی معاملات اپنی نوعیت کے اعتبار سے دو قسموں ''نقد و نسیہ (ادھار)'' میں تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ تقسیم بندی ان کے احکام کی وجہ سے ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

نقد معاملے کا سود: جب بھی دو ہم جنس اشیاء کا لین دین نقد صورت میں انجام پائے، اور عوضین میں سے ایک کی مقدار دوسرے سے زیادہ ہو، نیز سود کی شرائط بھی اس میں پائی جاتی ہوں، تو وہ معاملہ سودی کہلاتا ہے۔

نسیہ (ادھار) معاملے کا سود: جب بھی دو سودی اشیاء کا لین دین، نسیہ کی صورت میں ہو، جس کے عوضین مقدار میں چاہے برابر ہوں یا نہ ہوں ''نسیہ معاملے کے سود'' کا موجب بنتا ہے۔

اب ہم سودی معاملات کے احکام اور اس کی قسموں کو تفصیلاً بیان کریں گے۔

الف: نقد معاملے کا سود

نقد معاملہ میں جن چیزوں کا لین دین ہوتا ہے، اُن کا تعلق یا تو ایک ہی جنس سے ہوتا ہے یا پھر یہ چیزیں مختلف اجناس سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان اشیاء کا معاملہ، یا تو ناپ تول کے ذریعے ہوتا ہے یا پھر ناپ تول کے بغیر، پس ان کی کل چار صورتیں بنتی ہیں۔

۱۔ **مکیل و موزون ہم جنس اشیاء کا نقد معاملہ:** ناپ اور تول کے ذریعہ معاملہ ہونے والی ہم جنس اشیاء کے نقد معاملات کے بارے میں تمام فقہاء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ ایک چیز کا زائد یا اضافی ہونا سود ہے جو

---

(۱) العروۃ الوثقیٰ، جلد ۲، ص ۴

حرام کا موجب بنتا ہے۔ چاہے ایک طرف معیار اور کوالٹی کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ تکمیل وموزون غیر ہم جنس اشیاء کا نقد معاملہ : تمام فقہاء کا مشترکہ فتویٰ ہے کہ اس طرح کے معاملات میں ایک جانب کا زیادہ ہونا حلال اور جائز ہے۔

۳۔ غیر تکمیل وموزون ہم جنس اشیاء کا نقد معاملہ : جب بھی ایک ہی جنس سے تعلق رکھنے والی دو غیر تکمیل وموزون اشیاء کا نقد معاملہ ہو تو مشہور فقہاء کی نظر میں ایک جانب زیادہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ،چاہے ان کا تعلق گنتی کے ذریعے لین دین ہونے والی اشیاء میں سے ہو یا پھر مشاہدہ کے ذریعہ معاملہ ہونے والی اشیاء سے۔ شیخ مفید ،ابوعلی اور سلار کے مطابق جو معدودات (گنتی کے ذریعے معاملہ ہونے والی چیزوں) میں سود کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان اشیاء کے نقدی معاملات میں ایک جانب کا زیادہ ہونا سود اور حرام ہے۔ جبکہ شیخ مفید اور سلار ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ غیر تکمیل وموزون اشیاء کے ایک طرف اضافہ کے باوجود ان کا لین دین جائز ہے۔

۴۔ غیر تکمیل وموزون اور غیر ہم جنس اشیاء کا نقد معاملہ : اس صورت میں بھی تمام فقہاء متفق ہیں کہ ایک جانب اضافہ کے ساتھ معاملہ کرنا جائز اور حلال ہے۔

ب: نسیہ (ادھار) معاملات کا سود

ا۔ ناپ تول کے ذریعے معاملہ ہونے والی کسی بھی چیز کو اپنے ہم جنس کے ساتھ نسیہ معاملہ کرنا (خواہ طرفین مقدار میں برابر ہوں یا کم وزیاد) سود کا موجب ہے۔ جیسے دس کلو گندم کو دس کلو یا بارہ کلو گندم کے ساتھ ادھار معاملہ کرنا سود اور حرام ہے۔

فقہاء کی اکثریت کے مطابق اس طرح کے معاملات کے حرام ہونے میں فرق نہیں پڑتا کہ طرفین مقدار میں برابر ہوں یا نہ ہوں۔ بعض فقہاء نے بطور مطلق کہا ہے کہ اس طرح کے معاملات جائز نہیں ہیں۔

شیخ طوسی کتاب خلاف (۱) میں دو ہم جنس اشیاء کے نسیہ معاملہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں، جبکہ کتاب مبسوط (۲) میں فرماتے ہیں کہ : احوط یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات کو نقد کی صورت میں انجام دیا

---

(۱) الخلاف ،شیخ طوسی ،جلد ۳،ص ۳۶،مسئلہ ۶۵

(۲) المبسوط ،جلد ۲،ص ۸۹

maablib.org

جائے۔ کتاب مختلف(۱) میں علامہ اور دروس (۲) میں شہید، شیخ کے کلام کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''کراہت'' سے شیخ کی مراد ''حرمت'' ہے۔

۲۔ ناپ تول کے ذریعے معاملہ ہونے والی غیر ہم جنس اشیاء کے نسیہ (غیر نقدی) معاملے کے بارے میں، مشہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس طرح کا نسیہ معاملہ جائز ہے۔ شیخ مفید، سلار، ابن البراج اور ابوالصلاح اسے جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ جبکہ ابن ابی عقیل اور ابن جنید کے مطابق اس طرح کا لین دین حرام ہے۔ بعض دوسرے فقہاء جیسے ابن ادریس اور'' کتاب مختلف ''میں علامہ حلّی، صاحب کتاب ''وسیلہ'' فخر الدین ''کتاب ایضاح'' میں، شہید'' کتاب ''دروس ''میں فاضل مقداد کتاب ''تنقیح'' میں محقق ثانی کتاب ''جامع المقاصد ''میں اور مقدس اردبیلی کتاب ''مجمع الفائدہ ''میں کراہت کے قائل ہوئے ہیں۔

۳۔ ناپ اور تول کے بغیر خرید وفروخت ہونے والی ہم جنس اشیاء کا نسیہ معاملہ:

مشہور فقہاء، غیر مکیل وموزون ہم جنس اشیاء کے ادھار معاملہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ صرف مکیل وموزون اشیاء میں سود کے قائل ہیں۔ شیخ طوسی ''نہایہ'' میں، ابن حمزہ ''وسیلہ'' میں اور ابن زہرہ ''غنیۃ'' میں معدودات میں سود کے قائل نہ ہونے کے باوجود معدودات کیا نسیہ معاملات کو حرام قرار دیتے ہیں۔ شیخ طوسی کتاب ''خلاف'' کے ایک مسئلہ میں ایک لباس کو دوسرے اور حیوان کے اس جیسے یا دوسرے حیوان کے ساتھ نسیہ معاملہ کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ ابن ادریس، شیخ طوسی کی کتاب ''نہایہ'' میں حرمت پر مبنی قول کو کراہت پر حمل کرتے ہیں۔

جو لوگ اس طرح کے نسیہ معاملات کو جائز نہیں سمجھتے اُن کی اکثریت عدم جواز کو جنس کے اتحاد سے مشروط کرتی ہے۔ ابن ابی عقیل اور ابن جنید نے اس طرح کے معاملات کے عدم جواز پر بغیر کسی قید وشرط کے بطور مطلق فتویٰ دیا ہے۔

۴۔ ناپ تول کے بغیر معاملہ ہونے والی غیر ہم جنس اشیاء کا ادھار معاملہ:

اس صورت کے جائز ہونے پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

معاملی ربا کی عمومیت:

معاملی ربا کی مباحث میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ: کیا معاملی سود صرف بیع (خرید وفروخت) کے

(۱) مختلف الشیعہ، جلد۵، ص۸۶

(۲) الدروس الشرعیہ، جلد۳، ص۲۹۵

ساتھ مخصوص ہے یا پھر دوسرے تمام معاملات جیسے صلح وغیرہ میں بھی معاملی سود کا عمل دخل ہوتا ہے؟ مشہور فقہاء، جیسے شیخ طوسی، سید مرتضی، شہید اول و شہید ثانی اور محقق ثانی عمومیت کے (یعنی تمام معاملات میں سود کے) قائل ہیں۔ جبکہ علامہ حلّی، ابن ادریس اور محقق اوّل معتقد ہیں کہ معاملی ربا صرف بیع (خرید وفروخت) کے ساتھ مخصوص ہے۔(۱)

بعد کے فقہاء میں مرحوم سبزواری مشہور کے برعکس معاملی سود کو صرف بیع (خرید وفروخت) کے ساتھ مختص قرار دیتے ہیں۔ "جامع المدارک" میں مرحوم خوانساری دوسرے تمام معاملات کے دلائل ذکر کرنے کے بعد اس کے مکروہ ہونے کا احتمال دیتے ہیں۔ آیت اللہ خوئی اور آیت اللہ العظمیٰ سیستانی فرماتے ہیں کہ: سود دو عین اشیاء کے معاملات کے ساتھ مختص ہے، چاہے خرید و فروخت کی صورت میں ہو یا صلح کی صورت میں۔ ہاں اگر دو عین اشیاء کے درمیان معاوضہ نہ ہو، مثلاً اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ تمہارے ساتھ اس بات پر صلح کرتا ہوں کہ تم اس دس درہم کو مجھے بخش دوگے تو میں بھی یہ پانچ درہم تمہارے نام ہبہ کروں گا یا پھر تمہارے ذمے جو پانچ درہم ہیں اُسے میں اس شرط کے ساتھ معاف کرتا ہوں کہ تم بھی میرے ذمے دس درہم کو معاف کروگے" تو یہ معاملہ صحیح ہے۔

عمومیت کے دلائل:

۱۔ قرآن وسنت اور اجماع کی رو سے ربا حرام ہے۔ لغت میں ربا (سود) مطلق زیادہ یا اضافہ کو کہتے ہیں۔ عرف یا شریعت میں ربا کے لئے کوئی اور معنی نقل نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ "ربا" سے اس کے لغوی معنی مراد لئے جائیں اور ہر وہ مورد جس کے استثناء پر اجماع یا کوئی اور دلیل موجود ہو اسے لغوی معنی سے خارج کردیں تاکہ بقیہ دلائل اس معنی کے تحت باقی رہیں۔ "ربا" عرف (جوکہ الفاظ کے معانی کو تشخیص اور مراد متکلم کو متعین کرنے کا معیار ہے) کی نظر میں "ناپ تول کے ذریعہ معاملہ ہونے والی ہم جنس اشیاء کے عوضین میں سے ایک کا زائد ہونا ہے۔" یہ دعویٰ کرنا کہ شارع نے اسے خصوصیت کے ساتھ "بیع" کے لئے وضع فرمایا ہے یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۲۔ ربا کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیات و روایات مطلق ہیں، خصوصاً آیہ شریفہ "حَرَّمَ الرِّبٰوا خدا سود کو حرام قرار دیتا ہے" مطلق ہے جو تمام معاملات کو شامل ہے۔ صاحب حدائق "مجمع البیان" سے

---

(۱) علامہ کتاب قواعد باب صلح میں عمومیت کے قائل ہوئے ہیں اور محقق اوّل نے کتاب شرائع، باب غصب میں صراحت کے ساتھ عموم کا دعویٰ کیا ہے

نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس کہتے تھے" دور جاہلیت میں جب بھی قرض کے مطالبہ کا وقت قریب آتا تھا تو طلبگار، مقروض سے جب اپنی رقم کا مطالبہ کرتا تو مقروض کہتا کہ قرضہ کی مہلت میں اضافہ کرو تا کہ اس کے عوض میں میں تیری رقم میں اضافہ کر کے لوٹاؤں ....جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ یہ "سود" ہے۔تو وہ جواب میں کہتے تھے کہ اس میں اور معاملہ نسیہ (ادھار) میں کوئی فرق نہیں۔وہ لوگ معاملہ کے وقت زیادہ قیمت لینے اور معاملہ کے بعد مدت بڑھانے کے عوض کئے جانے والے اضافہ میں فرق کے قائل نہیں تھے۔چنانچہ خداوند عالم نے ان کے استدلال کو اس آیت "اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا خدا بیع (تجارت) کو حلال اور سود کو حرام کرتا ہے" کے ذریعے باطل قرار دیا۔ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک میں اضافہ قرض میں تاخیر کے سبب ہے، تو دوسرے میں اس کا سبب بیع (لین دین) ہے۔"

اس کے بعد صاحب حدائق فرماتے ہیں کہ فقہاء اس آیت کے کلمہ "الربا" کے مطلق ہونے کی وجہ سے مدت کے عوض میں لینے والے اضافہ کی حرمت کے قائل ہوئے ہیں۔جبکہ عوض میں لیا جانے والا اضافہ نہ تو بیع (خرید و فروخت) میں شمار ہوتا ہے اور نہ قرض میں۔(۱)

اسی طرح سے ہم جنس اشیاء کے لین دین میں مساوی کی شرط کرنے والی روایات بھی مطلق ہیں۔

الف: عمر بن یزید کی صحیح روایت

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: يَا عُمَرُ قَدْ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَارْبِحْ وَلَا تَرْبِهْ ، قُلْتُ: وَ مَا الرِّبَا ؟ قَالَ : دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ مِثْلَيْنِ بِمِثْلٍ . (۲)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ درہم کو درہم کے بدلے خرید و فروخت کرتے وقت برابری کو مد نظر رکھنا چاہئے اور یہ حکم صرف بیع (خرید و فروخت) کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام معاوضات میں بھی یہی حکم ہے۔

ب: لَا يَكُوْنُ الرِّبَا اِلَّا فِیْ مَا يُكَالُ اَوْ يُوْزَنُ

اس روایت کا اطلاق، جس نے "ربا" کو صرف مکیل و موزون کے ساتھ مختص کیا ہے، دوسرے تمام معاملات کو بھی شامل ہے۔(۳)

---

(۱) الحدائق الناضرہ، جلد ۱۹، ص ۲۷۴

(۲) تہذیب الاحکام، جلد ۷، ص ۱۹، حدیث ۷۸؛ من لا یحضرہ الفقیہ، جلد ۳، ص ۱۷۶

(۳) الفروع من الکافی، جلد ۵، ص ۱۴۶؛ تہذیب الاحکام، جلد ۷، ص ۱۹، حدیث ۷۴

ج: ابوبصیر کی صحیح روایت

ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ:

قَالَ: اَلحِنطَةُ وَالشَّعِيرُ رَأساً بِرَأسٍ لاَ يُزدَادُ وَاحِدٌ مِنهُمَا عَلَى الآخَرِ . (۱)

یہ حدیث بھی مطلق ہے۔اس کا مقصود ہر قسم کے معاملات میں برابری کی رعایت کرنا ہے۔

د: محمد بن مسلم کی صحیح حدیث

قَالَ: سَأَلتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَدفَعُ إِلَى الطَّحَّانِ الطَّعَامَ فَيُقَاطِعُهُ عَلَىٰ اَن يُعطِيَ صَاحِبَهُ لِكُلِّ عَشَرَةِ اَرطَالٍ اِثنَيْ عَشَرَ دَقِيقاً؟ فَقَالَ:لاَ . قُلتُ: الرَّجُلُ يَدفَعُ السِّمسِمَ إِلَى العَصَّارِ وَيَضمِنُ لِكُلِّ صَاعٍ اَرطَالاً مُسَمَّاةً ، قَالَ : لاَ .

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام سے کسی ایسے شخص کے متعلق پوچھا جو چکی والے کے ساتھ معاملہ کرتا ہے کہ وہ ہر دس رطل (ناپنے کا خاص پیمانہ) گندم کے عوض اسے بارہ رطل آٹا دے گا۔امام علیہ السلام نے فرمایا یہ جائز نہیں ہے۔اس کے بعد امام علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جو تیل نکالنے والے کو تیل نکالنے کے لئے تل (SESAME) دیتا ہے اور وہ ہر صاع (۳کلو) کے عوض ایک معین مقدار تیل اپنے لئے رکھ لیتا ہے۔امام علیہ السلام نے فرمایا: جائز نہیں ہے۔(۲)

اس روایت میں آٹے کو گندم اور تل کو تیل کے عوض لین دین کرنے سے منع کیا گیا ہے اور کوئی ایسا قرینہ بھی موجود نہیں ہے۔جس کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ حکم صرف بیع یعنی خرید وفروخت کے ساتھ مختص ہے۔چنانچہ مرحوم اردبیلی فرما چکے ہیں کہ یہ حدیث عمومیت پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔

۳۔جن روایات میں سود کی حرمت کی حکمت بیان ہوئی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکمت صرف بیع کے ساتھ مختص نہیں بلکہ دوسرے تمام معاملات میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: سود اس لیے حرام ہوا ہے تاکہ لوگ نیکی کے کاموں کو ترک نہ کریں۔(۳)

---

(۱) الفروع من الکافی،جلد۵،ص۱۸۷،۱۸۸،۱۸۹

(۲) الفروع من الکافی،جلد۵،ص۱۸۹؛ تھذیب الاحکام،جلد۷،ص۸۸،حدیث ۱۷/۳۱۱؛ من لا یحضرہ الفقیہ،جلد۳،ص۱۴۷

(۳) الفروع من الکافی،جلد۵،ص۱۴۶؛ تھذیب الاحکام،جلد۷،ص۱۸،حدیث ۱۷،۲

ایک اور روایت میں ہشام نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے سود کی حرمت کی علت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: سود اگر حلال ہوتا تو لوگ تجارت کو چھوڑ دیتے۔ (۱)
چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام حکمتیں صرف بیع کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام معاملات کو بھی شامل ہیں۔

سود کی حرمت بیع کے ساتھ مخصوص ہونے کے دلائل

۱۔ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی روایات میں ''ربا'' کا لغوی معنی مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اگر لغوی معنی مراد ہوتا تو ہر قسم کے اضافہ پر سود صدق آتا۔ چونکہ یہاں لغوی معنی مراد نہیں ہے اس لئے عوضین کا تعلق ایک ہی جنس سے نہ ہونے کی صورت میں سود نہیں ہوتا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ سود یعنی ربا کا لغوی معنی یہاں مراد نہیں ہے، تو ایسے میں لوگوں کے درمیان رائج کوئی ایک معنی مراد ہوگا۔ اور وہ لین دین میں زیادہ لینا ہی ہے۔

۲۔ آیات و روایات کے ظواہر کی دلالت کے مطابق جواز، طرفین کی رضایت سے حاصل ہوتا ہے یعنی، اگر طرفین کسی معاملہ پر راضی ہوں تو وہ معاملہ صحیح اور جائز ہوتا ہے۔ دوسری جانب کسی معاملہ کا حرام اور باطل ہونا بھی آیات و روایات سے ثابت ہے۔ اُن میں سے ایک قرض اور بیع میں سود کا حرام ہونا ہے جبکہ دیگر معاملات میں سود کی حرمت پر ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ پس یہ سودی معاملہ بیع کے ساتھ مخصوص ہے۔

۳۔ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والے دلائل کا اطلاق (مطلق ہونا) بیع کی طرف پلٹتا ہے۔

۴۔ اجناس ربوی (سودی) کے لین دین میں مماثلت کی شرط پر دلالت کرنے والی روایات موضوع کو بیان نہیں کرتیں، بلکہ سود کی شرط کو بیان کرتی ہیں۔ چنانچہ اس طرح کے موضوعات میں شک پیدا ہونا ہی اطلاقات سے تمسک کی راہ کو مسدود کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے علاوہ مذکورہ بیشتر روایات میں ''باء'' مقابلہ کے معنی میں ہے جو ''علیٰ'' اور ''عن'' سے عاری معوّض کے ساتھ جب بھی آتی ہے تو صرف بیع میں ظہور رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر صلح میں ''بائے مقابلہ'' ''مصالح بہ'' کے ساتھ آتا ہے لیکن ''مصالح عنہ'' بھی حرف جر سے عاری نہیں۔ یہ اشکال صرف چکی والی روایت پر نہیں ہوتا ہے جو سند کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے۔

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ، جلد ۳، ص ۳۷۱

۵۔وحی الٰہی سے مربوط ہوئے بغیر کوئی بھی شخص اسلامی احکام کے معیارات کو درک نہیں کرسکتا۔ چنانچہ سارے معاملات میں حرمت کی علت کے وجود کا یقین کے ساتھ دعوی کرنا مشکل ہے۔

٦۔ اصالت صحت اور اصالت برائت اقتضا کرتی ہیں کہ "سود" کی حرمت صرف قرض اور بیع کے ساتھ مختص ہے۔شرطیت اور مانعیت میں شک کی صورت میں عبادات اور معاملات میں برائت عقلی ونقلی سے رجوع کیا جاتا ہے۔(۱)

سود کی عمومیت کے بعض قائلین معاملات کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں،اور کہتے ہیں کہ:

معاملہ/ لین دین اگر دو معین اشیاء کے درمیان ہو، چاہے بیع کے عنوان سے ہو یا صلح وغیرہ کے عنوان سے اس میں اضافہ سود ہے اور اگر وہ معاملہ دو معین اشیاء کے درمیان نہ ہو، جیسے اگر کوئی کہے کہ: آپ نے جو پانچ روپیہ مجھے دینا ہے، اُسے میں اس شرط پر معاف کرتا ہوں کہ تم بھی اپنے دس روپیہ کو جو میرے ذمہ ہے معاف کردو" تو ظاہراً یہ صحیح ہے۔(۲)

سودی لین دین کی صحت وفساد

قدیم فقہی کتابوں میں اس بحث کی الگ اور مستقل طور پر وضاحت نہیں ہوئی ہے۔بعض قدیم علماء نے اپنی کتابوں میں دوسرے مطالب کے ضمن میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔اور بعض فقہاء کا نظریہ اُن کے مبانی سے حاصل ہوتا ہے۔مثلاً اگر ایک فقیہ شرط فاسد کو مفسدِ بیع سمجھتا ہے تو لامحالہ اسے سودی لین دین کو بھی فاسد اور باطل سمجھنا چاہئے۔اور اگر کوئی فقیہ شرط فاسد کو باطل کنندہ نہیں سمجھتا ہے، تو ہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ فقیہ سودی لین دین کو صحیح معاملہ سمجھتا ہے۔جیسا کہ صاحب جواہرالکلام نے اس مطلب کی جانب اشارہ کیا ہے۔(۳) ممکن ہے سودی لین دین کے باطل ہونے پر دلالت کرنے کے لئے کوئی خاص دلیل موجود ہو یا اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ سود کا مال اس کے مالک کو لوٹانا چاہیے، تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں یہ معاملہ باطل ہے۔اور اگر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ صرف اضافی مقدار ہی اس کے مالک کو لوٹانا چاہیے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اصل معاملہ کو باطل نہیں سمجھتا ہے۔

---

(۱) مذکورہ دلائل درج ذیل منابع سے حاصل کئے گئے ہیں۔ جامع المدارک،سید احمد خوانساری،جلد۳،ص۲۳۰؛مفتاح الکرامۃ، محمد جواد حسینی عاملی،جلد۴،ص۵۰۲؛مہذب الاحکام،سید عبدالاعلی موسوی سبزواری،جلد۱۷،ص۳۳۲

(۲) منہاج الصالحین،آیت اللہ خوئی،جلد۲،ص۵۲

(۳) جواہرالکلام،جلد۲۳،ص۳۳۵

کتاب مبسوط میں شیخ طوسی (۱) جامع الشرائط میں ابن سعید اور کشف الرموز میں محقق، بیع ربوی کو صحیح مگر شرط کو باطل سمجھتے ہیں۔ ابوعلی اسکافی اور ''مہذب'' (۲) میں قاضی سے بھی اسی طرح کا قول نقل ہوا ہے۔

علامہ'' قواعد، تذکرہ، مختلف اور ارشاد'' میں، فخرالدین ''شرح ارشاد'' میں، شہید اوّل ''دروس'' میں، محقق ثانی '' جامع المقاصد اور تعلیق الارشاد'' میں، شہید ثانی ''میسیہ اور مسالک'' میں اور مقدس اردبیلی '' مجمع الفائدہ، البرہان'' میں بیع اور شرط دونوں کو باطل سمجھتے ہیں۔

متاخرین میں صاحب جواہر، بجنوری، خوانساری، صاحب عروۃ الوثقیٰ اور سبزواری نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ ان میں صرف مرحوم سبزواری ''مہذب الاحکام'' میں سودی معاملہ کے صحیح ہونے کو تقویت دیتے ہیں۔ جبکہ باقی تمام فقہاء سودی معاملے کے باطل ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

عام طور سے سودی معاملہ کا صحیح یا باطل ہونا، مذکورہ سوالوں کے جوابات پر موقوف ہے کہ: جس سود کے بارے میں شارع کی طرف سے نہی آئی ہے، اس سے مراد اضافی مال پر مشتمل معاملہ ہے یا صرف اضافہ کو ہی سود کہا جاتا ہے؟ پہلی صورت میں کیا سودی معاملہ اصلاً باطل ہے، یا پھر خود معاملہ کے بارے میں آنے والی نہی اس کے بطلان کا تقاضا کرتی ہے۔ یا اس لئے کہ پھر روایات بتاتی ہیں کہ سود کا کھانا حرام ہے۔ چنانچہ ثمن اور مثمن کا کھانا اکل ربا (سود کا کھانا) شمار ہوتا ہے۔ اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ خریدار مثمن (مال) اور بیچنے والا ثمن (قیمت) میں تصرف نہیں کرسکتا، تو یہ معاملہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جبکہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ معاملات میں نہی باطل ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے؟

دوسری صورت میں، یعنی اضافہ کو سود کہا جائے اور اسی پر نہی آئی ہو تو اس صورت میں اضافہ' ثمن اور مثمن کا جز ہے یا شرط؟ اس میں فرق کرنا چاہیے۔

پہلی حالت میں' یعنی اضافہ، ثمن یا مثمن کا جز ہونے کی صورت میں، معاملہ باطل اور فاسد ہوجاتا ہے کیونکہ عوض یا معوض کی بدل واقع ہونے والی چیز کو اضافی مال سے الگ اور جدا نہیں کیا جاسکتا۔ جب یہ دونوں قابل تمیز نہیں، تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عوض کی نسبت معاملہ صحیح اور اضافی مال کی نسبت معاملہ باطل ہے؟ مثال کے طور پر اگر کوئی ایک گائے دیکر ایک بھیڑ اور ایک سور خرید لیتا ہے، تو بھیڑ کی نسبت معاملہ صحیح، اور سور کی نسبت باطل نہیں ہوسکتا، بلکہ گائے کے ہر ایک جز کے مقابل میں بھیڑ اور سور دونوں کا ایک ایک جز ہوتا ہے۔ چنانچہ پورا معاملہ باطل اور فاسد ہوجاتا ہے۔

madablib.org

---

(۱) المبسوط، جلد۲، ص۱۲۳

(۲) المہذب، جلد۱، ص۳۵۹

دوسری حالت میں (یعنی اضافی مال شرط معاملہ ہونے کی صورت میں) شرط فاسد کے لئے ضروری ہے کے وہ مفسد (یعنی معاملہ کو باطل کرنے والی) بھی ہو! البتہ کتاب جواہرالکلام ،عروۃالوثقیٰ اور جامع المدارک کے مصنفین فرماتے ہیں کہ:

بالفرض اگر شرط فاسد معاملہ کو باطل نہ بھی کرتی ہو پھر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ معاملہ باطل ہے۔کیونکہ صاحب جواہر کے بقول :نص اور فتویٰ کے ظہور کے مطابق ،جس معاملہ میں سود ہوتا ہے وہ اس معاملہ کو فاسد کرتا ہے۔(۱)

یا پھر مرحوم خوانساری کے بقول اس طرح کے معاملات مماثلت کے ساتھ مخصوص ہیں،اور اس شرط کی موجودگی میں مماثلت کی قید کی اس معاملے میں نفی ہو جاتی ہے،اس کے ساتھ معاملہ دو حصوں میں تقسیم بھی نہیں ہوتا تاکہ ہم کہہ سکیں کہ مثل کی نسبت معاملہ صحیح ،اضافہ یا زیادہ کی نسبت باطل ہے۔البتہ انہوں نے اس اشکال کا جواب دیا ہے۔

مرحوم بجنوردی ایک اور شکل میں استدلال کرتے ہیں ،ان کے استدلال کا کچھ حصہ جواہر الکلام میں بیان ہوا ہے۔وہ تین دلیلیں لاتے ہیں۔

ا۔قول خداوندی: " أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ، تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام'' کا ظاہر یہ ہے کہ ہم جنس اشیاء کے معاملات کی دو قسمیں ہیں۔

الف: حلال اور صحیح معاملات ،جس کی ایک طرف دوسرے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ب: حرام اور باطل معاملات،جس کی ایک طرف جز یا شرط کی صورت میں دوسری طرف کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ معاملہ جب بھی فاسد ہوتا ہے تو عوض یا معوض میں سے کوئی بھی خریدار اور بیچنے والے کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا۔

۲۔عقد قصد کا تابع ہے،یعنی بیچنے یا خریدنے والا مثل کا مثل کے بدلے معاملہ کرتا ہے۔اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو معاملہ باطل ہو جاتا ہے۔کیونکہ اس طرح سے بیچنے یا خریدنے والے نے جس چیز کا قصد کیا تھا وہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

۳۔روایات کے ظاہر کے مطابق،سودی معاملے کی اصل معاملہ کا باطل ہونا ہے۔ایسا نہیں کہ معاملہ صحیح ہو اور صرف اضافی مال منتقل نہ ہوتا ہو۔(۲)

maablib.org

---

(۱) جواہر الکلام ،جلد ۲۳ ،ص ۳۳۴

(۲) القواعد الفقہیہ ،محمد حسن بجنوردی ،جلد ۵ ،ص ۱۵۰-151

مرحوم سبزواری سودی معاملہ کی صحت کے قول کو تقویت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

الف: سودی معاملہ حتی کہ غیر اضافی مال کی نسبت بھی باطل ہے۔

ب: سودی معاملہ غیر اضافی مال کی نسبت صحیح ہے۔

ج: تفصیل ،اضافی مال کا تعلق اگر اصل جز سے ہے تو معاملہ باطل اور اگر شرط سے ہے تو صرف اضافی مال کی نسبت باطل باقی کی نسبت معاملہ صحیح ہے۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر چار جہتوں سے بحث ہو سکتی ہے۔

الف: اطلاقات (مطلق ہونے) کے اعتبار سے۔

ب: اصل عملی کے اعتبار سے۔

ج: ادلۂ خاص (دلیل خاص) کے اعتبار سے۔

الف: قرآن وسنت کے عمومات اور اطلاقات تقاضا کرتے ہیں کہ اضافہ چاہے جز ہو یا شرط ،اصل معاملہ صحیح ہے۔

ب: اصل عملی اور برائت عقلی ونقلی ،حتی غیر زائد کی نسبت بھی حرمت کا تقاضا کرتی ہیں۔

ج: علماء سودی لین دین کے باطل ہونے کی درج ذیل وجوہات بیان کرتے ہیں:

۱۔ ''ربا'' سے مراد اضافہ پر مشتمل معاملہ ہے، چنانچہ نہی یعنی حرمت کا تعلق بھی خود معاملہ (بیع) ہے۔

۲۔اضافی مال کو مجموع سے الگ کرنا اور مشخص کرنا ممکن نہیں، چنانچہ پورے معاملے کو باطل قرار دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

۳۔ اضافہ چاہے جز ہو یا شرط ،عوضین کو ہم مثل ہونے سے روکتا ہے۔پس شرط موجود نہ ہونے کی وجہ سے اصل بیع باطل ہو جاتی ہے۔

۴۔ ''نہی'' کا تعلق اگرچہ اضافہ سے ہی کیوں نہ ہو ،عرفاً یہ پورے معاملہ کی جانب سرایت کرتی ہے۔

۵۔ روایت میں سود کا لین دین کرنے والے اور معاملے کے گواہوں کو''ملعون'' کہا گیا ہے اس طرح معاملہ خود بخود باطل ہو جائے گا۔

مرحوم سبزواری ان تمام دلائل کو مسترد کرتے ہیں۔

پہلی دلیل کا رد:

اس مطلب (کہ رباسے مراد اضافہ پر مشتمل معاملہ ہے) کے حق میں نہ تو کوئی عقلی ونقلی دلیل موجود ہے اور نہ اس پر اجماع قائم ہوا ہے۔ بلکہ یہ مطلب "مسالک اور مجمع البیان" کے مصنفین سے منسوب ہے، جو ان دونوں کا ذاتی اجتہاد واستنباط ہے، جو حجت نہیں۔

دوسری دلیل کا رد:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اضافہ مشخص اور معین ہونے کی صورت میں آپ کی دلیل خود بخود ٹوٹ جاتی ہے۔دوسری یہ کہ مبیع مشخص نہ ہونے کی صورت میں دوسرے کے ساتھ مشترک اموال کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ مثل کی نسبت بیع صحیح اور اضافہ کی نسبت باطل ہے۔ جسے بائع اور مشتری کی باہمی رضا مندی یا پھر قرعہ اندازی کے ذریعے الگ کیا جاسکتا ہے۔

تیسری دلیل کا رد:

آپ کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں کیونکہ یہاں معاملہ مماثل اور غیر مماثل میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی اپنے اموال کے ساتھ کسی اور کا مال مخلوط کر کے فروخت کرے،تو اپنے مال کی نسبت معاملہ صحیح اور دوسرے کی نسبت باطل ہے اسی طرح یہاں مثل کی مقدار کی نسبت بیع صحیح اور اضافہ کی نسبت باطل ہے۔

چوتھی دلیل کا رد:

یہ دلیل تو وہی عین دعویٰ ہے۔

پانچویں دلیل کا رد:

روایت میں بیچنے والے اور گواہ پر جو لعنت آئی ہے وہ اصل معاملہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ اضافہ کی وجہ سے ہے۔

د: مذکورہ دونوں اقوال میں سے کسی ایک پر بھی اجماع قائم نہیں ہوا ہے۔

کتاب "جواہر الکلام" میں اصل بیع کے باطل ہونے کی نسبت اگرچہ فقہاء کے کلام کے ظاہر کی طرف دی ہے مگر اس مسئلہ میں (جس کے بارے میں کئی نظریات پائے جاتے ہوں) اس طرح کی نسبت دینا کچھ مناسب نہیں لگتا ہے۔اس کے علاوہ قدیم فقہاء کی کتابوں میں اس مسئلہ پر علیحدہ بحث نہیں ہوئی ہے۔اس لئے خداوند متعال کے اس فرمان: "وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ اگر توبہ کرلو اور سود چھوڑ دو تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے" کے ذریعے اصل معاملہ کی صحت پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ

اس معاملہ کے بارے میں یقین سے یہ کہنا کہ "اصل معاملہ" ہی باطل ہے، بہت ہی مشکل ہے۔ اگرچہ ایسا کہنا مطابق احتیاط ضرور ہے۔

معاملی ربا کی حرمت کی علت

اس مسئلہ پر شیعہ اور سنی کتابوں میں مختلف طریقوں سے بحث ہوئی ہے، معاملی سود کی فروعات کے بارے میں اسلامی مذاہب کے درمیان پائے جانے والے نظریاتی فرق کے علاوہ شیعہ اور سنی فقہاء کے درمیان یہ کلی فرق بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ شیعہ فقہاء اس مسئلہ پر "معاملی سود کی شرائط" کے عنوان سے بحث کرتے ہیں، جبکہ اہل سنت کی فقہی کتابوں میں عنوان بحث "معاملی سود کی علت" ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس بحث کے مطالب اہلسنت کے فقہی منابع سے لئے گئے ہیں۔ "معاملی سود کی شرائط" کے بارے میں شیعہ فقہاء کے نظریات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ جاننے سے پہلے ہم "علت" کے اصطلاحی معنی کے بارے میں شیعہ اور سنی فقہاء کے نظریات کو بیان کریں گے۔

فقہ میں "علت" سے اس کا فلسفی معنی (۱) مراد نہیں، بلکہ شیعہ فقہ میں کسی حکم یا متعلق حکم میں پائے جانے والے اس مفسدہ (خرابی) یا مصلحت (خوبی) کو "علت" کہا جاتا ہے جسے معیار قرار دیتے ہوئے شارع مقدس حکم صادر فرماتا ہے۔ اگر مکلف کو کسی چیز میں موجود معیار کا علم نہ ہو تو وہ صرف روایات اور آیات کے ظواہر کے ذریعے اسے جان سکتا ہے۔ چونکہ اکثر موارد میں آیات اور روایات میں فقط حکم شرعی بیان ہوا ہے اور حکم کی علت بیان نہیں ہوئی ہے اس لئے اس علت کو کشف کرتے ہوئے کسی حکم تک پہنچنا بہت ہی مشکل اور بعض صورتوں میں ناممکن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ فقہاء قیاس پر عمل کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ مگر یہ کہ قیاس "منصوص العلت" ہو، یعنی کسی صحیح روایت میں کسی حکم کی "علت تامہ" (یعنی مکمل وجہ) واضح بیان ہو تو جس چیز میں بھی یہ علت پائی جاتی ہو وہ حکم اس پر بھی جاری کرتے ہیں۔ البتہ بعض شیعہ فقہاء "قیاس منصوص العلت" کو در حقیقت قیاس ہی نہیں سمجھتے بلکہ وہ "منصوص العلت" کو ظہور کی ایک قسم قرار دیتے ہیں۔ یعنی روایت میں مذکور "علت" کے ذریعے ایک عام معنی حاصل

---

(۱) فلسفہ میں علت سے مراد وہ ہے جو اپنے معلول کو وجود میں لاتی ہے اور اس سے معلول کو الگ کرنا ممکن نہیں، جو مقتضی سے مرکب، شرط اور عدم مانع ہے۔

ہوتا ہے جو نص اور غیر نص دونوں کو شامل ہے، یہ ''حجیت ظواہر'' کے باب سے حجت ہے۔(۱)

سنی فقہاء شیعوں کے برعکس قیاس پر عمل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ اپنی فقہ کی مشکل گرہوں کو قیاس (۲) کی مدد سے کھولتے ہیں اور علت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ مختلف احکام میں اس کا جاننا ان کے لئے چنداں مشکل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مقدسی اور غزالی ''علت'' کو ''مناط حکم'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ غزالی مناط حکم کی یوں تعریف کرتے ہیں:

''شارع، حکم کی نسبت' جس چیز کی طرف دے اور حکم کو جس کے ساتھ منحصر کرے اور جسے وجود حکم کے لئے علامت قرار دے، وہی مناط (معیار) حکم ہے''۔

غزالی اس تعریف کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: علت شرعی، علامت اور امارہ ہے۔ جو حقیقی علل کی طرح اپنے معلول یعنی حکم کو وجود میں نہیں لاتی ہے۔ لیکن ہم علت شرعی کو اس لئے ''علت'' کہتے ہیں کہ شارع نے اسے علامت حکم قرار دیا ہے۔

بعض فقہاء' علت کے امارہ اور علامت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اور قید کو بھی معتبر سمجھتے ہیں اور وہ علت اور حکم کے درمیان مناسبت کا ہے۔ ''مناسبت'' سے اُن کی مراد یہ ہے کہ حکم کو وجود اور عدم کے اعتبار سے علت میں منحصر کرنا' شارع کے مقصود کو (یعنی یہ کہ فلاں حکم کسی فائدہ کے حصول یا نقصان سے بچنے کے لئے وضع کیا ہے) کو بتانے کی اہلیت رکھتی ہو۔

---

(۱) اصول الفقہ، محمد رضا مظفر، جلد۲، ص۱۷۶، ۱۷۷

(۲) قیاس لغت میں اندازہ کرنے، جانچنے اور تخمینہ لگانے کو کہا جاتا ہے۔ اسلامی فقہ میں دوسری صدی ہجری میں ابو حنیفہ نے سب سے پہلے قیاس کو رواج دیا اور انہی کے دور میں قیاس کا بازار زیادہ گرم ہوا، اس کے بعد شافعی اور مالکی بھی اس کی راہ پر چل پڑے اور بعض تو قیاس کے اس قدر شیدائی ہوئے کہ انہوں نے اسے اجماع پر مقدم قرار دیا۔ ایک گروہ نے قیاس میں مبالغہ کرتے ہوئے اس کی مدد سے بعض احادیث کا انکار کردیا تو ایک گروہ نے قیاس ہی کی مدد سے قرآنی آیات میں بے سروپا تاویلیں کرنا شروع کیں۔ شیعہ علماء، اہلبیت علیہم السلام کی پیروی کرتے ہوئے قیاس پر عمل کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ اہلسنت میں بھی ظاہریہ اور حنبلی فرقے قیاس کو حجت نہیں مانتے ہیں۔ قیاس، اہلسنت کے علماء کی اصطلاح میں بھی ''اجتہاد'' کے معنی میں بھی آیا ہے، (چنانچہ شافعی نے اس سے اجتہاد مراد لیا ہے) تو کبھی ((بذل الجہد لاستخراج الحق)) کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے علی بن ابی علی آمدی نے (الاحکام فی اصول الاحکام) کے جلد۳، ص۱۶۵ میں یہی معنی کیا ہے۔ جبکہ معروف شیعہ عالم دین محمد رضا مظفر قیاس کی اس تعریف کو ''هو اثبات حکم فی محلّ بعلّة لثبوته فی محلّ آخر بتلك العلّة'' بہترین تعریف قرار دیتے ہیں۔

اسی لئے اہل سنت کے بعض علمائے اصول نے "علت" کی یہ تعریف کی ہے:

اَلْوَصْفُ الظَّاهِرُ الْمُنْضَبِطُ الَّذِی جَعَلَهُ الشَّارِعُ عَلَامَةً عَلَی الْحُكْمِ مَعَ مُنَاسَبَةٍ لَهُ .

"علت، معین و مشخص صورت میں ایک واضح صفت ہے جسے شارع نے اس کے اور حکم کے درمیان پائی جانے والی مناسبت کی وجہ سے علامت حکم قرار دیا ہے۔"

اہلسنت کے علماء نے اس تعریف سے ایسے امور خود اخذ کیے ہیں جن کو "متفق علیہ شرائط" کا نام دیا گیا ہے۔ البتہ اگر انہیں "ارکان" کا نام دیتے تو زیادہ مناسب تھا، کیونکہ یہ امور تعریف میں پائے جانے والے اصل نکات کو واضح کرتے ہیں۔

۱۔ علت ایک ظاہری صفت ہونی چاہیے یعنی ظاہری حواس میں سے کسی ایک کے ذریعے اسے درک کیا جاسکے؛ تاکہ اس کی موجودگی فرع میں بھی ممکن ہو۔

۲۔ علت، معین صفت ہونی چاہیے ،یعنی کسی معین حدود کے دائرہ میں ہو تاکہ فرع میں اس کی موجودگی کے بارے میں یقین کیا جاسکے۔

۳۔علت، مناسب صفت ہونی چاہیے، اور مناسبت کا معنی ہے کہ یہ گمان پیدا ہو کہ حکم کی حکمت یہی ہے۔

۴۔ علت کو اصل (مقیس علیہ) میں منحصر نہیں ہونا چاہیے ،کیونکہ علت قیاس کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ مگر یہ کہ اصل سے فرع کی طرف آنا ممکن ہو۔

علت کے معنی کے ذیل میں جو مطالب ہم نے بیان کیے ہیں اس سے "معاملی سود" کے متعلق شیعہ اور سنی علماء کے اختلاف کی وجہ کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ شیعہ علماء فرماتے ہیں کہ ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول روایات میں مذکورہ "مکیل وموزون اور ہم جنس" کی قیود معاملی سود کی حرمت کی علت نہیں بلکہ معاملی سود کی شرائط ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ: عوضین کا مکیل وموزون ہونا یا ہم جنس ہونا ایسے مفاسد کا باعث بنتا ہے کہ شارع مقدس انہی مفاسد کو اس کی حرمت کے حکم کی علت سمجھتا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس اعتبار سے شیعہ فقہ کی مباحث کا یہ حصہ مکمل و واضح ہو جاتا ہے۔

اہلسنت کے فقہاء (جنہوں نے خود کو ائمہ اطہار علیہم السلام کی تعلیمات کے فیض سے محروم رکھا ہے) اپنی فقہی مباحث میں معاملی سود کو واضح نہیں کرسکے۔ چنانچہ ان کے درمیان اختلافات اس حد تک بڑھ گئے کہ اس باب میں اہلسنت کے فقہی آراء متعدد و متفرق ہو گئے۔

قیاس کے عادی سنی فقہاء نے جب ،گندم ،جو ،کھجور ،نمک ،سونا اور چاندی کے اپنی ہم جنس شئے کے ساتھ بطور مساوی یا ایک طرف اضافہ کے ساتھ معاملہ سے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان

روایات کو ملاحظہ کیا جن میں ایسے معاملات سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ ان میں حرمت کے حکم کو دوسری اجناس کے لئے ثابت ہونے کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی معیار بیان نہیں فرمایا ہے۔ (۱)

دوسری طرف خدا کی طرف سے سود کھانے والوں کے لئے سخت ترین عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ سخت ترین عذاب کا وعدہ صرف ان چھ اشیاء کے لین دین میں منحصر ہے یا پھر حرمت کا حکم کوئی خاص وجہ سے ہے، جو اگر کسی اور چیز میں پایا جائے تو کیا اس پر بھی حرمت کا وہی حکم لگا سکتے ہیں جو ان چھ اشیاء میں بطور مثال بیان ہوا ہے؟

چنانچہ مذہب ظاہریہ کے علماء (جو قیاس پر عمل کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں) کے علاوہ، اہلسنت کے اکثر فقہاء نے اشیائے منصوص (جو، گندم، کھجور، نمک، طلا اور چاندی) کی حرمت کی علت کو تلاش کرنے کی انتھک کوششیں کیں تاکہ اس حکم کو دوسری اشیاء پر (جن کا ذکر حدیث میں نہیں آیا ہے) جاری کیا جاسکے حالانکہ انہیں اس طرح کی زحمت کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ حرمت کے دائرہ کو ایک عام جملہ میں ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بیان کیا تھا اور معاملی سود کی شرائط معین ووا ضح ہو چکی تھیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ذیل کی حدیث میں معاملی سود کی حدود معین کردی تھیں کہ:

كُلُّ شَيْءٍ يُكَالُ أَوْ يُوزَنُ فَلَا يَصْلُحُ مِثْلَيْنِ بِمِثْلٍ إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ.

ناپ تول کے ذریعے لین دین ہونے والی تمام اشیاء کا ایک کا دو کے ساتھ معاملہ کرنا - اگر دونوں ایک ہی جنس سے ہوں تو - جائز نہیں ہے"

اب ہم آپ کی خدمت میں معاملی سود اور اس کی حرمت کی علت کے بارے میں اہلسنت کے مختلف مذاہب کے نظریات پیش کرتے ہیں:

مذہب حنبلی

گندم، جو، کھجور، نمک، سونا اور چاندی کے لین دین میں ہونے والے سود کی حرمت کی علت کے بارے میں مذہب حنبلی کے بانی احمد بن حنبل سے تین نظریے نقل ہوئے ہیں۔ (۲)

---

(۱) البتہ یہ استنباط سنی علماء کا ہے، ورنہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض روایات میں اس ملاک یا کسوٹی کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔ بیہقی نے کئی روایات نقل کی ہیں جن سے کیل ووزن کے متعلق اس عام ملاک کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ (السنن الکبریٰ، جلد ۸، ص ۱۳۴-۱۳۷)

(۲) المغنی والشرح الکبیر، عبداللہ بن احمد بن قدامہ وعبدالرحمٰن بن محمد بن قدامہ، جلد ۴، ص ۱۲۳-۱۲۸

پہلا نظریہ:

سونا اور چاندی میں سود کی وجہ، وزن کے ذریعہ معاملہ ہونے والی دو ہم جنس اشیاء کا معاملہ ہونا ہے، اسی طرح گندم، جو، کھجور اور نمک میں سود کی علت، تول (پیمانہ) کے ذریعے لین دین ہونے والی دو ہم جنس اشیاء کا معاملہ ہوتا ہے۔

اس نظریہ کی بنیاد پر (جسے ان کے دوسرے نظریات کی نسبت زیادہ شہرت حاصل ہے) ناپ تول کے ذریعہ لین دین ہونے والی تمام اشیاء، چاہے وہ کھانے پینے میں استعمال ہوں یا نہ، جیسے دالیں، روئی، اون، کپاس، لوہا اور پیتل وغیرہ بھی اپنے ہم جنس کے ساتھ لین دین ربا (سودی معاملہ) ہوتا ہے۔ جبکہ ناپ اور تول کے بغیر معاملہ ہونے والی کھانے کی اشیاء کا اپنے ہم جنس کے ساتھ لین دین میں ربا (سود) نہیں ہوتا ہے۔

اس نظریہ کے حق میں دلائل:

الف: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گھوڑے کو کئی گھوڑوں کے ساتھ اور ایک اعلیٰ نسل کے اونٹ کو معمولی نسل کے کئی اونٹوں کے ساتھ لین دین کو جائز قرار دیا ہے۔

ب: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: تولے اور ناپے جانے والی اشیاء کو اپنے ہم جنس کے ساتھ مساوی معاملہ کرو۔

ج: عمار کہتے ہیں کہ: ایک غلام کو دو غلاموں اور ایک قمیض کو دو قمیضوں کے عوض معاملہ کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ سود فقط نسیہ (ادھار)، تول اور ناپ کے ذریعے معاملہ ہونے والی اشیاء میں ہوتا ہے۔

د: بیع (خرید و فروخت) میں ثمن (قیمت) اور مثمن (خریدی یا بیچی جانے والی شئے) میں برابری ہونی چاہیے۔ جو کہ ناپ تول اور ہم جنس (کے کلمات) سے سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ ناپ تول، ظاہری برابری، اور ہم جنس ہونا باطنی برابری کو ثابت کرتا ہے۔

دوسرا نظریہ:

سونا اور چاندی میں سود کی علت' ان کا قیمت ہونا ہے جبکہ باقی اشیاء میں سود کی علت ان کا غذا اور ہم جنس ہونا ہے۔ چنانچہ صرف غذا اور قیمت واقع ہونے والی اشیاء میں سود ہے۔ یہ قول شافعی کے قول کے مشابہ ہے۔

اس نظریہ کے حق میں دلائل:

الف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غذا کو غذا کے بدلے معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر دونوں کی مقدار برابر ہو تو کوئی اشکال نہیں۔

ب: کسی شئے کا طعام ہونا اس کی بہترین صفت ہے کیونکہ بدن کی تندرستی اسی پر منحصر ہے۔ اسی طرح سے ثمن (قیمت) واقع ہونا بھی کسی چیز کے بہتر ہونے کی دلیل ہے کیونکہ مال کا قوام اسی کے سبب ہوتا ہے لہٰذا سود کی علت انہی دو صفتوں میں منحصر ہونی چاہیے۔

ج: سونا اور چاندی میں سود کی علت اگر وزن ہے، تو قابل وزن اشیاء کے ساتھ سونا اور چاندی کا معاملہ ''سلم'' حرام ہونا چاہیے کیونکہ غیر نقدی معاملہ کے سود میں سود کی دو علتوں میں سے ایک کی موجودگی میں حرمت کا حکم لگایا جاسکتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سونا اور چاندی کا قابل وزن اشیاء کے ساتھ معاملۂ ''سلم'' جائز اور صحیح ہے۔

تیسرا نظریہ:

کھجور، نمک، جو اور گندم میں سود کی علت ہم جنس، غذا، قابل وزن اور تول (پیمانہ) کے ذریعے لین دین ہوتا ہے۔ بنابرایں ناپ تول کے بغیر معاملہ ہونے والی غذائی اجناس اسی طرح ناپ اور تول کے ذریعے معاملہ ہونے والی غیر غذائی اجناس اور غیر ہم جنس اشیاء میں سود نہیں ہوتا۔ یہ قول شافعی کے پرانے نظریے سے مطابقت رکھتا ہے۔

اس نظریہ کے حق میں دلائل

الف: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: خوردنی اور ناپ تول کے ذریعے معاملہ ہونے والی اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز میں سود نہیں ہوتا ہے۔

ب: اس دلیل کے تحت مذکورہ اوصاف میں سے ہر ایک سود کے حکم میں مؤثر ہے۔ روایات میں حرمت کا حکم انہی اوصاف کے ساتھ آیا ہے، چنانچہ ان اوصاف میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

ج: صرف وزن، پیمانہ اور جنس سے ہی مماثلت پیدا نہیں ہوتی، اسی طرح ''غذائی اجناس'' ہونا بھی ہم مثل ہونے کا باعث ہے۔ چنانچہ مکیل و موزون میں سودی ہونے کے لئے ''غذائی اجناس'' ہونے کو بھی

ضروری قرار دینا چاہیے ۔اور احادیث کو جمع کرتے ہوئے ایک دوسرے کومقید کرنا پڑتا ہے ۔اس وقت غذائی اشیاء کے غیر مساوی معاملہ کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہی ،کیل وموزون کے ساتھ مقید ہوجاتی ہے۔اور کیل (ناپ) کے ذریعے معاملہ ہونے والی اشیاء کا اضافہ کے ساتھ لین دین کے متعلق نہی، غذائی اجناس کے ساتھ مقید ہوجاتی ہے۔جس کے نتیجہ میں تیل ،چاول ،سرکہ اور دودھ وغیرہ جن میں ناپ تول کے علاوہ غذائی اور ہم جنس ہونے کی صفات بھی پائی جاتی ہیں، کے اضافی مقدار کے ساتھ معاملہ کرنے کی صورت میں سود یقینی ہوجاتا ہے۔اور جن اشیاء میں ،ناپ ،تول،غذائی اور ہم جنس کی صفات نہیں پائی جاتیں، ان میں سود کا نہ ہونا یقینی ہوتا ہے۔اگر چیزوں کا اپنے ہم جنس کے ساتھ معاملہ کیا جائے تو اس کے بارے میں دو مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔

حنبلی مذہب کے علماء، احمد بن حنبل کے مذکورہ نظریات میں سے کسی نہ کسی ایک نظریہ کو قبول کرتے ہیں ۔(۱)

مذہب مالکی

''معاملی سود'' کی حرمت کی علت کے بارے میں مالکی علماء کے نظریات مختلف ہیں۔اس بارے میں خود امام مالک سے تفصیلاً کوئی قول نقل نہیں ہوا ہے، البتہ انہوں نے جو فروعات بیان کئے ہیں ان سے مالکی علماء نے مختلف نظریات قائم کیے ہیں۔

قاضی ابو ولید اندلسی کتاب ''المنتقی'' میں'' قوت بخش انسانی غذا'' کو نقد معاملات میں سود کی علت اور ''مطلق غذا'' کو نسیہ (غیر نقدی) معاملات میں سود کی علت قرار دیتے ہیں۔

ابن عربی'' احکام القرآن'' میں سونا اور چاندی میں ان دونوں کے ثمن (قیمت) واقع ہونے کو سود کی علت قرار دیتے ہیں ۔قرطبی بھی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''معاملی سود کی علت کے متعلق امام مالک کے اصحاب کی آرا مختلف ہیں۔اور'' غالباً انسانی غذا بننے والی اشیاء'' کو معاملی سود کی علت سمجھنا بہترین قول ہے۔

ابن رشد کے مطابق امام مالک کی نظر میں نقد معاملات میں حرام سود کی علتیں درج ذیل ہیں:

---

(۱) مزید معلومات کے لئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔المقنع شرح مختصر، جلد۲، ص۶۶۲؛ الفتاوی الکبری، ابن تیمیہ، جلد۴، ص۴۷۳؛ مجموع فتاوی ابن تیمیہ، جلد۲۹، ص۴۷۱، ۵۱۵؛ اعلام الموقعین، ابن قیم، تحقیق محمد عبدالسلام ابراہیم جلد۲، ص۱۰۴

الف: اشیاء کا خوردنی ہونا۔

ب: باقی رہنے کے قابل ہونا۔

ج: ایک ہی صنف کا ہونا (یعنی سب کا منافع ایک جیسا ہونا)۔

امام مالک کی نظر میں نسیہ (غیر نقدی) معاملات میں سود کی حرمت کی علت، ربوی اشیاء میں انسان کی غذا بننے والی شئے ہونا اور غیر ربوی اشیاء میں ایک ہی صنف کا ہونا اورزیادہ یا اضافہ کے ساتھ معاملہ ہونا ہے۔(۱)

سود کی حرمت کی علت کے متعلق مالکیوں کے نظریات کومختصر انداز میں ہم یوں سمیٹ سکتے ہیں کہ: سونا اور چاندی میں حرمت کی وجہ ان کا ثمن (قیمت) واقع ہونا ہے اور غذائی مواد میں نقد اور نسیہ (غیر نقدی) معاملات میں ربا کی علتیں مختلف ہیں، نسیہ میں علت' صرف غذا ہونا ہے، چاہے ذخیرہ اندوزی اور انسانوں کی اصلی غذا بننے کی صلاحیت ان میں ہو یا نہ ہو، نقد معاملات میں حرمت کی دو علتیں ہیں:

اوّل: انسان کی قوت اور اس کی زندگی اسی سے قائم ہو۔یعنی اگر انسان صرف اسی کو کھائے تو زندہ رہ سکتا ہو۔

دوم: ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔

مذہب حنفی

الف: نقد معاملات میں ربا کی علت

حنفی علماء کی نظر میں ربوی اشیاء کے لین دین میں ہونے والے ربا کی علت کے دو اجزاء ہیں:

اوّل: اس چیز کا معاملہ ناپ اور تول کے ذریعے ہوتا ہو۔

دوم: اشیاء (ثمن اور مثمن) ہم جنس ہوں مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علت' مقدار اور جنس سے عبارت ہے۔

سرخسی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل دلیل پیش کرتے ہیں کہ:

ا۔ حدیث میں "اَلْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ...." سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد "گندم کو گندم کے ساتھ معاملہ کرو" ہے جبکہ کوئی بھی معاملہ برائے نام گندم پر نہیں ہوسکتا، کیونکہ گندم کے ایک دانے کو

---

(۱) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، جلد۲، ص۱۲۸-۱۳۰؛ المدونۃ الکبریٰ، جلد۳، ص۱۹۵۵

بھی گندم کب جو سکتا ہے۔کوئی بھی گندم کے ایک دانے کا لین دین نہیں کرتا اور اگر کوئی ایسا کرے تو معاملہ باطل ہے۔چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں ''حنطہ'' سے مراد مالیت رکھنے والی گندم ہے۔اور دوسری جانب گندم کی مالیت بھی صرف کیل (ناپ) ہی کے ذریعے معلوم ہوتی ہے۔پس ''کیل (ناپ)'' کی صفت نص رسولؐ کے مقتضا سے ثابت ہے۔گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربوی اشیاء کی بابت ارشاد فرمایا ہو کہ "اَلذَّھَبُ الْمَوْزُوْنُ بِالذَّھَبِ وَالْحِنْطَةُ الْمَکِیْلَةُ بِالْحِنْطَةِ" اور جو حکم بھی نص کے مقتضا سے ثابت ہوتا ہے وہ منصوص کا حکم رکھتا ہے۔

۲۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان "الحنطه بالحنطه مثل بمثل" سے استفادہ ہوتا ہے کہ اشیائے ربوی کے لین دین میں مماثلت شرط ہے۔اور جہاں مماثلت ممکن نہیں جیسے ایک عدد سیب اور ایک مٹھی گندم وغیرہ وہاں یہ حکم بے معنی ہو جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی چیزوں میں سود اصلاً نہیں ہوتا ہے۔یعنی یہ چیزیں اصلاً ربوی شمار نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ ان میں کوئی بھی مماثلت نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض غذائی اشیاء اصلاً ربوی نہیں ہیں، اور بعض ربوی اموال غذائی اشیاء نہیں ہیں۔بنا برایں ((غذائی اجناس ہونا)) جسے شافعی، چار چیزوں (گندم، جو، کھجور اور نمک) میں سود کی علت قرار دیتے ہیں۔یہ سود کی علت نہیں بن سکتیں، کیونکہ شافعی اس معیار حکم کو انار اور گلابی میں ثابت کرتے ہیں، جبکہ ان میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔

۳۔ہم جانتے ہیں کہ ''غذائی اجناس'' ہونا کسی بھی چیز کے بڑے فوائد میں سے ہے۔اسی طرح سے ثمن (قیمت) واقع ہونا سونا اور چاندی کی شدید ضرورت کی علامت ہے۔مگر کسی چیز کی شدید ضرورت ہونا اس کی حلیت (حلال ہونے) میں موثر ہے نہ حرمت (حرام ہونے) میں، چنانچہ ثمن (قیمت) واقع ہونا اور غذائی اجناس ہونا کسی چیز کی شدید احتیاج کی علامت تو ہو سکتی ہے، مگر سود کی حرمت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

۴۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں گندم، جو، کھجور، نمک، سونا اور چاندی ایک دوسرے پر عطف ہوئے ہیں، جس کا لازمہ یہ ہے کہ ان تمام اشیاء میں سود کی علت ایک جیسی ہونی چاہئے اور وہ علت، ''مقدار وجنس'' ہے۔جبکہ ''ناپ اور تول'' مقدار کی دیگر تعبیروں میں سے ہے۔

اب تک جو کچھ بیان ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سونا اور چاندی میں ''ثمن (قیمت) واقع ہونا'' اگر حرمت سود کی علت ہو جبکہ دیگر ربوی اشیاء میں ''غذائی اجناس ہونا'' حرمت کی علت ہو، تو بعض اشیاء کو بعض دیگر پر عطف نہیں کیا جا سکتا۔اس طرح یہاں عطف صحیح نہیں۔(۱)

---

(۱) المبسوط، سرخسی، جلد ۱۲، ص ۱۱۶-۱۲۰؛ بدائع الصنائع، ابوبکر مسعود الکاشانی، جلد ۵، ص ۱۸۴، ۱۸۵

زیلعی نے حنفی نقطہ نظر سے سود کی حرمت کی علت ثابت کرنے کے لئے" شرح کنزالدقایق "میں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے درج ذیل چند فرامین سے استدلال کیا ہے۔

ا۔ عبادہ اور انس، نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: وزن کے ذریعے لین دین ہونے والی اشیاء اگر ایک ہی جنس سے ہوں تو ان کا معاملہ بالکل برابر ہونا چاہئے۔ اور کیل (ناپ) کے ذریعہ معاملہ ہونے والی چیزوں کو بھی (اگر ایک ہی جنس سے ہوں تو) بطور مساوی معاملہ کرو، اور اگر جنس مختلف ہو تو غیر مساوی (ایک کم ایک زیادہ) معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ مکیل و موزون اگر ایک ہی جنس سے ہوں تو اس کے لین دین میں مماثلت کی شرط کی پابندی کرنی چاہیے، اس روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سود کے حکم کو جنس اور مقدار کے ساتھ جوڑا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ربا کی علت" جنس اور مقدار" ہے کیونکہ اسم مشتق کے ساتھ حکم کا معلق ہونا بتاتا ہے کہ مبدأ اشتقاق، علت حکم ہے۔ (کیونکہ آپ کا فرمان ہے۔ ماوزن مثل بمثل...... وماکیل فمثل ذالك)۔

۲۔ ابن عمر، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "ایک درہم کی دو درہم کے ساتھ اور ایک صاع (دوسو چونتیس تولہ کا وزن یا پیمانہ) کی دو صاع کے ساتھ خرید وفروخت مت کرو" صاع، سے مراد ظرف میں موجود چیز ہے، کیونکہ خود صاع (ظرف) میں سود واقع نہیں ہوتا ہے، اور" صاع" مظروف (صاع میں موجود شئے) کی نسبت عمومیت رکھتا ہے، چنانچہ غذائی اور غیر غذائی اجناس دونوں پر مشتمل ہے۔ اور کلمہ صاع کا مجازی ہونا (یعنی ظرف کا مظروف کی جگہ استعمال ہونا) اس کی عمومیت کے لئے کوئی ضرر نہیں پہنچاتا، کیونکہ عموم کا استفادہ ایک لفظ کے ایک معنی میں حقیقت ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ لفظ مجاز کے ساتھ بھی ممکن ہے۔ صاع کی عمومیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ کھانے کی چیز (طعام) ہونا، علت نہیں بلکہ علت" مقدار و جنس" ہے۔

ب۔ نسیہ (غیر نقدی) معاملات میں ربا کی علت

معاملی ربا کی علت دو اجزا (قدر و جنس) سے تشکیل پاتی تھی مگر غیر نقدی سود میں ہر جز مستقل علت بن سکتا ہے۔ چنانچہ گندم کا جو سے نسیہ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (کیونکہ قدر موجود ہے، اگرچہ اُن کی جنس ایک جیسی نہیں ہے) اور ایک ہروی (ہرات افغانستان کے ایک شہر کا نام ہے) یا افغانی لباس کا اسی نوع کے کسی اور لباس سے نسیہ معاملہ جائز نہیں ہے۔ (کیونکہ دونوں کی جنس ایک ہے، اگرچہ دونوں مکیل و موزون نہیں ہیں)۔

زیلعی غیر نقدی سود کی علت کے متعلق کہتا ہے: جنس اور قدر کا اجتماع، ربا کی حقیقی علت ہے، چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک علت جیسی ہے۔ معاملی سود، حقیقی علت کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں حقیقتاً ایک جانب اضافہ ہوتا ہے اور شبہ علت (صرف جنس یا صرف مقدار) کے ذریعے بھی شبہ فضل ''نسیہ (غیر نقدی) سود'' حرام ہوتا ہے، کیونکہ نسیہ مقدار کے لحاظ سے ''زیادہ یا اضافہ'' کے ساتھ شباہت رکھتا ہے۔ (یعنی نسیہ میں، ثمن اور مثمن کی وقت تحویل کا فرق اور معاملی سود کی مقدار میں پایا جانے والا فرق ایک جیسا ہے) جو اس قول کے مانند ہے جس میں کہا گیا ہے:

''لِلْمُدَّةِ قِسْطٌ مِنَ الثَّمَنِ، جنس کی قیمت میں مدت کے لئے بھی ایک حصہ رکھا جاتا ہے۔''(۱)

مذہب شافعی

سونا اور چاندی میں ربا کی علت

امام شافعی سونا اور چاندی کی اشیاء کے (غالباً) اکثر اوقات ثمن واقع ہونے کو حرمت ربا کی علت قرار دیتے ہیں۔ بعض شافعیوں کے مطابق سونا اور چاندی، تلف شدہ اموال کی قیمت واقع ہوتے ہیں اس لئے اس کا سود حرام ہے۔ بعض نے ان دونوں اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

''غالباً'' کی قید، کم قیمت والی رقوم کو اس سے خارج کرنے کے لئے ہے جو گذشتہ بعض ادوار میں رائج تھیں مگر ہر جگہ رائج نہیں تھیں اس لئے ثمن غالب شمار نہیں ہوتیں۔

شافعی مذہب کے بعض فقہاء کہتے ہیں: سونا اور چاندی کے سود کی حرمت کی کوئی علت نہیں ہے۔(۲)

شافعی علماء، ابوحنیفہ کے (سونا اور چاندی میں حرمت سود کی علت، ان کے وزن کے ذریعے لین دین ہونے کو قرار دینے، اور اسی حکم کو دوسرے وزن والی اشیاء میں جاری کرنے کے) نظریے پر تنقید اور اشکالات کرتے ہیں۔

ا۔ سونا اور چاندی میں سود کی علت اگر ''وزن'' ہے تو جس طرح سونے کا چاندی کے ساتھ نسیہ (غیر نقدی) معاملہ صحیح نہیں ہے اسی طرح سے تانبا اور کانسی کے ساتھ بھی ان دونوں کا نسیہ معاملہ، جائز

(۱) تبیین الحقائق، جلد۴، ص۸۸

(۲) الحاوی الکبیر، علی بن محمد ماوردی، جلد۵، ص۹۱؛ روضۃ الطالبین، یحیی بن شرف نووی، جلد۳، ص۳۶؛ المغنی، جلد۸، ص۳۶۹، ۳۷۰؛ الخلاف، جلد۳، ص۴۳؛ المہذب، جلد۱، ص۲۷۰

نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ "وزن" کی علت سب میں موجود ہے، جبکہ تمام علماء، سونا اور چاندی کے تانبا اور کانسی کے ساتھ غیر نقدی معاملہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سونا اور چاندی میں سود کی علت اور تانبا اور کانسی میں حرمت کی علت ایک جیسی نہیں ہے۔(۱)

۲۔ سود کی علت اگر "وزن کے ذریعے لین دین ہونا" ہو تو پھر تانبا، کانسی، روئی اور کپاس میں بھی سود کی یہی علت ہونی چاہیے۔ اور جس طرح سے سونا اور چاندی کے مصنوعات اور اس کے خام مال میں اضافہ حرام ہے اسی طرح سے ان خام اشیاء میں بھی اضافہ حرام ہونا چاہیے، مگر تانبا اور کانسی میں وہ اس حکم کو قبول نہیں کرتے ہیں یعنی تانبا اور کانسی کی مصنوعات میں ایک جانب اضافہ جائز ہے، جبکہ ان کے خام مال میں اضافہ لینا جائز نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سونا اور چاندی کا حکم دوسری دھاتوں سے مختلف ہے۔(۲)

پس علت حرمت اگر وزن ہوتی تو وزن کے ذریعے معاملہ ہونے والی تمام دھاتوں کا حکم یکساں ہونا چاہیے تھا۔

سونا اور چاندی کے علاوہ دوسری اشیاء میں ربا کی علت

اشیائے منصوصہ (چھ اشیاء جن کے بارے میں نص ہے) میں پائی جانے والے سود کی علت کے دوسری اشیاء میں بھی سرایت کرنے کے متعلق شافعی سے دو قول نقل ہوئے ہیں۔ ان کا پہلا قول "قول قدیم" اور دوسرا "قول جدید" کے نام سے مشہور ہے۔

۱۔ قول قدیم: ناپ تول والی اشیاء کا "غذائی ہونا" سود کی علت ہے۔ البتہ بعض شافعی علماء ان کے اس قول کی کچھ اس طرح وضاحت کرتے ہیں کہ: سود کا معیار ناپ اور تول کے علاوہ ایسی "غذائی اشیاء ہونا" ہے جو قابل اندازہ ہوں۔

اس قول کے مطابق (جو کہ سعید بن مسیب کے نظریے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے) سود کی علت کھانے پینے کی ہر اس چیز میں پائی جاتی ہے جو مکیل و موزون ہو یعنی جس کا لین دین ناپ تول کے ذریعے ہوتا ہو۔ البتہ ہر وہ چیز جو مکیل و موزون تو نہیں مگر کھانے کی شئے ہے یا پھر وہ چیز جو مکیل و موزون تو

---

(۱) المجموع، محی الدین بن شرف نووی، جلد۹، ص۳۹۵؛ الحاوی الکبیر، جلد۵، ص۹۱؛ المہذب، جلد۹، ص۳۹۱

(۲) الحاوی الکبیر، جلد۵، ص۹۱؛ حاشیہ المجموع، محمد رافعی، جلد۸، ص ۱۶۳؛ المبسوط، جلد۱۲، ص۱۱۳؛ الام، محمد بن ادریس الشافعی، جلد۳، ص۳۰؛ مختصر المزنی، ص۷۶

ہے مگر کھانے کی چیز نہیں میں یہ علت پائی نہیں جاتی ہے۔(۱)

اس قول کے لئے وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ فرماتے ہیں:

اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَزْناً بِوَزْنٍ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ کَیْلاً بِکَیْلٍ۔

سونے کو سونے کے ساتھ معاملہ کرتے وقت وزن میں برابر ہونا چاہئے اور گندم کو گندم کے ساتھ لین دین کرتے وقت تول (کیل) میں مساوی ہونا چاہئے۔(۲)

شافعی اپنی کتاب "اُم" میں لکھتے ہیں: کھانے کی کیل وموزون وہ اشیاء جن کا ذکر حدیث میں نہیں آیا ہے لیکن ہم نے انہیں حرام قرار دیا ہے وہ سب اُن اشیاء کی مانند ہیں جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔حدیث شریف میں صرف کھانے کی کیل اشیاء کی بابت گفتگو ہوئی ہے مگر ہم نے خریدار اور بیچنے والے کے لئے کسی چیز کی کیت معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہونے کی وجہ سے کیل (تولے جانے والی اشیاء) کے ساتھ وزن کی شرط کا اضافہ کیا ہے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ناپ سے وزن کہیں زیادہ دقیق ہوتا ہے۔"(۳)

۲۔قول جدید: سود کی علت، ماکول ہونا یعنی کھانے کی چیز ہونا ہے، جبکہ بعض شافعی علماء "خوردنی ہونے" کو سود کی علت قرار دیتے ہیں۔ ماکول یعنی "کھانے کی چیز" طعام کی نسبت زیادہ عمومیت رکھتی ہے جو پانی کی نسبت سود کے قائلین کے قول پر بھی صادق آتا ہے۔(۴)

شافعی اپنے اس قول کا ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں جیسے:

۱۔اِنَّ النَّبِیَّ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الطَّعَامِ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طعام کو طعام کے ساتھ معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ معاملہ بطور مساوی انجام دیا جائے۔

۲۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا تَبِیْعُوا الْبُرَّ بِالْبُرِّ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ گندم کو گندم کے ساتھ معاملہ مت کرو مگر بطور مساوی۔

---

(۱) المجموع، جلد۹، ص۴۰۱؛ المبسوط، جلد۱۲، ص۱۱۳؛ حلیۃ العلماء، محمد بن احمد الشاشی القفال، تحقیق یاسین احمد ابراہیم، جلد۴، ص۱۵۰؛ جامع احکام القرآن، جلد۳، ص۳۵۳؛ المغنی، جلد۸، ص۴۷۲

(۲) فتح العزیز، جلد۸، ص۱۶۳ (۳) الام، جلد۳، ص۱۵، ۱۶

(۴) فتح العزیز، جلد۸، ص۱۶۳؛ المبسوط، جلد۱۲، ص۱۱۳؛ کتاب الوجیز، ابوحامد غزالی، جلد۱، ص۱۳۶؛ المجموع، جلد۹، ص۳۹۵، ۴۰۱؛ تکملۃ المجموع، جلد۱۰، ص۹۱؛ جامع احکام القرآن، جلد۳، ص۳۵۳

۳۔ مذکورہ چھ چیزوں کے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث جسے عبادہ نے آپؐ سے نقل کیا ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں، ان روایات سے وہ یوں استدلال کرتے ہیں کہ:

اول: ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اشیاء کا معاملہ اصل میں حرام ہے۔ لیکن اس کا جائز ہونا معاملہ کے طرفین کی برابری سے مشروط ہے۔

دوم: روایات میں ''طعام'' کے لفظ کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ طعام ہونا سود کی علت ہے، کیونکہ لفظ ''طعام'' اسم مشتق ہے جس پر حرمت کا حکم آیا ہے اور حکم جب بھی کسی مشتق اسم کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے تو مبداء اشتقاق اس حکم کی علت بن جاتی ہے۔ جیسے فرمان خداوندی ہے: "اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا" یہاں ہاتھ کاٹنے کا حکم چور سے متعلق ہے، چنانچہ چوری ''قطع ید'' یعنی ہاتھ کاٹنے کی علت ہے۔

شارع مقدس جب ان اشیاء کے لین دین کو دو شرائط؛ مساوی اور نقد ہونے کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ گندم، جو، کھجور اور نمک کا خوراک کی چیز ہونے اور سونا چاندی کا ثمن (قیمت) واقع ہونے سے زیادہ اہم کوئی اور معنی نہیں، کیونکہ اموال کی بقا سونا چاندی اور انسان کی حیات خوراک پر منحصر ہے، لہٰذا ان اشیاء کا لین دین میں قیمت واقع ہونا اور خوراک کی چیز ہونے کو ملاحظہ کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہم جنس ہونے کو معاملی سود کے لئے شرط قرار دیا ہے نہ کہ علت۔

اس کے بعد ناپ اور تول کو سود کی علت قرار دینے والوں کا قول رد کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس بیان سے اس قول کا باطل ہونا واضح ہوتا ہے، کیونکہ کیل (ناپ) اور وزن ان اشیاء کی اہمیت کو واضح نہیں کرتے ہیں، مثال کے طور پر چونا، مکیل اشیاء میں سے ہے مگر اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اگلی دلیل یہ ہے کہ شارع نے سود کا حکم بیان کرتے ہوئے "محل ثمن" یعنی سونا اور چاندی کا ذکر کیا اور کھانے کی چیزوں میں بہترین اور اہم ترین چیز گندم ہے جو کہ انسانوں کی خوراک اور چوپایوں کی بہترین غذا اور نمک جو کہ بہترین دوائی اور کھجور بہترین میوہ ہے کا ذکر فرمایا۔ سود کی علت اگر کیل یا وزن ہوتی تو ان اشیاء کا ذکر بار بار ہوتا کیونکہ اس جہت سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔(۱)

اس دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے نووی کہتا ہے کہ: گندم کے دانے جب تک خوراک شمار ہوتے ہیں اس میں حرام سود کا امکان ہوتا ہے۔ پھر اس دانے کو جب زمین میں کاشت کیا جاتا ہے تو خوراک کے

---

(۱) المبسوط، جلد ۱۲، ص ۱۱۵

زمرے سے خارج ہوتا ہے، تو اس میں حرام سود کا حکم جاری نہیں ہوتا۔ پھر جب دوسری مرتبہ خوشے، دانے بن جاتے ہیں تو پھر سے حرام سود کا امکان ہوجاتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ "خوراک کی شئے ہونا" ہی حرام سود کی علت ہے۔(۱)

شافعی کی نظر میں عام طور پر کھانے میں استعمال ہونے والی اشیاء اور دوائی کے طور پر کھانے والی چیزیں خوراک میں شامل ہیں۔ دالیں، دوائیاں، میوہ جات، سبزی جات اور مٹھائیاں بھی مکمل طور پر کھانے کی چیزوں میں سے ہیں۔ چاہے ان میں ذخیرہ کی صلاحیت وقابلیت ہوں یا پھر ذخیرہ کرنے کی وجہ سے خراب ہوتی ہوں۔(۲)

شافعی کے مطابق سونا اور چاندی کے علاوہ دیگر ربوی اشیاء کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

۱۔ قدیم اور جدید قول کے مطابق سود والی اشیاء خوراک میں استعمال ہونے والی وہ چیزیں ہیں جو مکیل یا موزون ہیں جیسے گندم، جو وغیرہ۔

۲۔ قدیم اور جدید دونوں قول کے مطابق غیر سودی اشیاء وہ ہیں جو خوراک میں استعمال نہیں ہوتیں چاہے مکیل یا موزوں ہوں یا نہ جیسے چونا اور حیوان وغیرہ۔

۳۔ قدیم قول کے مطابق جن چیزوں میں سود نہیں مگر جدید قول کے مطابق سود ہے جیسے کھانے پینے کی وہ اشیاء جو مکیل یا موزون نہیں ہیں۔

مذہب ظاہری

اہل سنت کے تمام فقہاء معتقد ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں مذکور چھ چیزوں میں سود کی حرمت کا حکم دیگر تمام اشیاء میں بھی سرایت کرتا ہے۔ ان کے برخلاف مذہب ظاہریہ کے پیشوا ابو سلیمان ظاہری کہتا ہے کہ عقود میں صرف بیع سلم اور قرض میں سود ہوتا ہے۔ اور بیع سلم میں بھی سود صرف انہی منصوص اشیاء (چھ چیزوں) کے ساتھ مخصوص ہے۔(۳)

---

(۱) المجموع، جلد ۹، ص ۳۹۵

(۲) المجموع، جلد ۹، ص ۳۹۵؛ فتح العزیز، جلد ۸، ص ۱۶۳

(۳) المحلی، جلد ۸، ص ۴۶۷، مسئلہ ۱۴۷۸ و ۱۴۷۹

maablib.org

چنانچہ وہ دیگر اشیاء کے اضافہ کے ساتھ یا بطور مساوی معاملات کو (نقد کی صورت میں ہو یا نسیہ) جائز سمجھتا ہے اور سود کی حرمت کے حکم کو دوسری اشیاء کی طرف بھی سرایت دینے والے فقہاء کے اقوال کو بلا دلیل اور اجتہاد در مقابل نص سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان چھ چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء میں اگر سود ہوتا تو ان کا بیان کرنا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھا۔ اور اہل سنت کے دیگر مذاہب کے دلائل محض ایسی علتیں ہیں جو یا تو خود ساختہ ہیں یا پھر ایسے آثار وروایات سے اخذ کئے ہیں جو سند اور متن حدیث کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ ایسی احادیث یا تو جھوٹی ہیں یا پھر صحیح احادیث سے متعارض ہیں۔

اگر ان کے مذکورہ فتاویٰ کی سند صحابہ اور تابعین کے اقوال ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں اور حجت بھی نہیں ہیں۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا اہم ہونے کے باوجود سود کی اقسام اُمت کے لیے بیان ہی نہ فرمائی ہوں اور حضرت عمر جیسوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کی آیات کی تفسیر بیان نہیں فرمائی، اس بات کی علامت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ان تک نہیں پہنچا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کا حکم بیان ہی نہیں فرمایا ہو اور اُمت کو جہالت کے اندھیرے میں رکھا ہو۔ (۱)

فخر الدین رازی، مذہب ظاہریہ کے دلائل اور اُن کے قیاس کو صحیح نہ سمجھنے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوراک اور مکیل کی تمام اشیاء کے سود کی حرمت کے حکم کو چار موارد میں منحصر کیا ہے۔ حرمت کا حکم مکیل اور کھانے کی تمام چیزوں پر آنے کی صورت میں اگر آپ فرماتے کہ: مکیل کو مکیل کے ساتھ اضافہ کے ساتھ معاملہ مت کرو۔ یا پھر فرماتے کہ: خوراک کی شئے کو خوراک کی شئے کے ساتھ اضافہ کے ساتھ معاملہ مت کرو، تو پھر یہ کلام مختصر اور مکمل ہوتا کیونکہ کلام میں صرف انہی چار چیزوں کا ذکر ہوتا اور معلوم ہوتا کہ حرمت کا حکم صرف انہی چار چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲۔ ارشاد اقدس الٰہی "اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ ...... تجارت کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام کیا ہے" نقد معاملات کے حلال ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ جبکہ مذکورہ چھ چیزوں کا اضافہ کے ساتھ نقد معاملہ خبر واحد کے ذریعے "اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ" کی عمومیت سے خارج ہوا ہے جو کہ خبر واحد کے ذریعے نص قرآن کو

---

(۱) المحلی، جلد ۸، ص ۴۶۷، مسئلہ ۱۴۷۸ و ۱۴۷۹

تخصیص دیتا ہے۔ اور اگر مذکورہ چھ اشیاء کی حرمت کے حکم کو قیاس کے ذریعے دوسری اشیاء میں جاری کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح سے قیاس کرنا بہت ہی ضعیف ہے۔ اور خبر واحد، ظواہر قرآن سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ چونکہ یہ کام قوی پر ضعیف کو ترجیح دینے کے زمرے میں آتا ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔

۳۔ نص والے مورد کا غیر کی جانب سرایت کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ نص کے مورد میں حکم کی علت کا علم ہونے کی صورت میں دوسرے کی طرف اس کا حکم جاری کرنا ممکن ہوتا ہے۔ جس کا یہاں کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآنی آیت کے مورد میں نص کے حکم کو غیر نص کی طرف بھی جاری کرنا حکم خدا کی علت گھڑنے کا باعث بنتا ہے جبکہ علم اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خدا کے احکامات کی علت بیان کرنا ناممکن ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نص کے مورد میں حکم معلوم ہے، جبکہ علت مظنون ہے اور مظنون کا معلوم کے ساتھ تعلق جوڑنا جائز نہیں۔ (۱)

مذکورہ مذاہب کے نظریات پر اشکالات

اب تک جو کچھ بیان ہوا وہ معاملی سود کی علت کے بارے میں اہلسنت کے مختلف مذاہب کے مختلف فقہاء کے نظریات تھے۔ ان کی آراء میں پائے جانے والے تضادات کو دیکھتے ہوئے اہل سنت کے علماء کا ایک طبقہ اپنے فقہاء کے فتاویٰ پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

''مذاہب اربعہ کی جانب سے جو علتیں بیان ہوئی ہیں وہ متضاد اور مخدوش ہیں'' عبدالرحمٰن بدوی کہتا ہے: ''قیاس کو حجت ماننے والوں (یعنی مذاہب اربعہ) کی جانب سے بیان کردہ علتوں اور ان پر ہونے والے اشکالات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ان کے درمیان کھلا تضاد نظر آتا ہے۔ چنانچہ ابن رشد کہتا ہے: گویا ان مذاہب کے تمام فقہاء نے اپنی تمام تر توانائیاں ایک دوسرے کی بیان کردہ علل کو توڑنے اور انہیں باطل قرار دینے کے لئے صرف کیں۔ یہاں تک کہ قیاس کو حجت قرار دینے والوں کے ایک گروہ نے سود کے باب میں قیاس پر عمل کرنے سے اجتناب کیا، کیونکہ ان علتوں میں سے کسی ایک پر بھی انہیں اطمینان نہیں تھا اور اس کے کمزور اور مختلف علتوں کو سود کی حرمت کے لئے معیار قرار دینے کے لئے کوئی ایک بھی تیار نہیں تھا۔ یہ وہ اشکالات ہیں جسے ظاہریہ مکتب فکر کے ماننے والوں نے سود کے باب میں مذاہب اربعہ پر کئے ہیں۔

maablib.org

---

(۱) التفسیر الکبیر، جلد ۷، ص ۸۶

مقبلی کہتا ہے: سود کے باب میں کوئی بھی سود کے حکم کی علت بیان کرنے والی ایک دلیل بھی نہیں ڈھونڈھ سکا ہے اور علماء نے "سبر" (۱) کے ذریعے علت تراشنے کی کوشش کی ہے۔ (یعنی ان کی نظر میں حکم کی جو بھی علتیں ہو سکتی ہیں انہیں لے لیتے ہیں پھر ایک ایک کر کے رد کرتے ہیں، یہاں تک کہ ایک علت باقی بچتی ہے وہی اس حکم کی علت مانی جاتی ہے)۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ طریقہ، ظن قوی کا فائدہ نہیں دیتا اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور ہر وہ حکم جس کی علت کے لئے کوئی دلیل موجود نہ ہو وہ تعبدی کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ اشیائے شش گانہ (چھ چیزوں) کی احادیث کئی بار تکرار ہو چکی ہیں، چنانچہ مذکورہ اشیاء اگر کسی ایک بات میں مشترک ہوتیں اور ان کی علتیں مشترک ہوتیں تو کسی ایک حدیث میں اس کی جانب ضرور اشارہ ہوتا۔ (۲)

ابن رشد، بدایۃ المجتہد میں کہتے ہیں کہ: ربائے فضل اور نسیہ (نقد اور غیر نقدی) معاملات میں سود کو اشیائے شش گانہ (چھ چیزوں) میں منحصر سمجھنے والوں کے دو گروہ ہیں:

ا۔ ظاہریہ کا گروہ، جو احکام شرعیہ میں قیاس کو حجت نہیں سمجھتا۔

۲۔ "قیاس شبہ" (۳) کے منکرین کا گروہ جو "قیاس علت" کے ذریعے نہیں بلکہ "قیاس شبہ" کے ذریعے دوسری چیزوں کو مذکورہ چھ چیزوں کے ساتھ ملحق کرنے والوں کا قول نہیں مانتے۔ البتہ ابن ماجشون، مالیت اور حفظ اموال کو سود کی علت سمجھتا ہے؛ یعنی اس کے مطابق غبن (فراڈ) سے بچنے کی خاطر سود حرام ہوا ہے۔

---

(۱) اہل سنت کے علماء، قرآن وسنت کی نص، اجماع اور سبر و تقسیم کے ذریعے احکامات کی علتیں تلاش کرتے ہیں ((سبر)) لغت میں خبر لینے اور جستجو کے معنی میں آیا ہے۔ اس طریقے کو سبر و تقسیم بھی کہتے ہیں۔ اس طریقہ کار کے ذریعے تحقیق کرنے والا حکم میں دخیل صفات کی تقسیم بندی کے ذریعے حکم کے لئے علت بننے والی صفات جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ کونسی صفت حکم کے لئے علت بن سکتی ہے اور جس میں علت بننے کی صلاحیت نہیں، انہیں ایک ایک کر کے الگ کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی علت جان لیتا ہے۔ بیضاوی ((سبر)) کو دو حصوں ((تقسیم حاصر)) اور ((تقسیم غیر حاصر)) میں تقسیم کرتا ہے۔ (اصول الفقہ الاسلامی، جلد ۱، ص ۶۷۱-۶۷۳)

(۲) الروض النضیر، جلد ۳، ص ۲۲۳

(۳) فرع کو اصل سے جوڑنے کے اعتبار سے شافعی قیاس کو دو نوع میں تقسیم کرتے ہیں:

الف۔ قیاس المعنی: قیاس کی اس قسم میں اصل، کہ جس کے ساتھ فرع کو جوڑا جاتا ہے، ((واضح)) ہے، یعنی فرع اصل کے معنی میں ہے۔

ب۔ قیاس شبہ: اس قیاس میں فرع صرف ایک اصل کے ساتھ شباہت نہیں رکھتی بلکہ کئی اصل کے ساتھ شباہت رکھتی ہے، اور ہر ایک کے ساتھ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ قیاس کی اس قسم میں مجتہد فرع کو اپنے مورد نظر علت کے ساتھ زیادہ شباہت رکھنے والی اصل کے ساتھ قیاس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر گنے کی شراب کو انگور کی شراب کے ساتھ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ انگور کی شراب کی طرح گنے کی شراب بھی مست کرتی ہے۔ اسی طرح ایسی مباح شراب (اہلسنت کے علماء شراب کی بعض اقسام کو مباح سمجھتے ہیں) کے ساتھ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ گنے کی شراب میں موجود مستی طبیعی نہیں ہے (اصول الفقہ، محمد ابو زہرہ، ص ۲۳۱-۲۳۲)۔

قاضی ابوبکر باقلانی "قیاس شبہ" کو "قیاس معنی" سے زیادہ کمزور سمجھتا ہے، اس کے باوجود سود کی بحث میں "قیاس معنی" کو تسلیم بھی کرتا ہے اور صرف کشمش کو اصناف چہارگانہ (جیسے، گندم، جو، کھجور اور نمک) کے ساتھ ملحق کیا ہے۔(۱)

سبل السلام میں صنعانی، عبادہ کی حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

یہ حدیث اشیائے شش گانہ کے معاملی سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ اس بات پر تمام فقہاء متفق ہیں مگر مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی اسی حکم کے بارے میں اُن کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ فقہاء کی ایک بڑی تعداد معتقد ہے کہ حرمت صرف ان چھ اشیاء میں منحصر نہیں بلکہ جس میں بھی ربائے فضل (نقد لین دین کے سود) کی علت پائی جاتی ہے اس کا لین دین حرام ہے۔ اس کے باجود فقہاء کوئی ایک منصوص علت تلاش نہ کرسکے اس لئے اُن کے درمیان اختلاف بڑھ گیا۔ چنانچہ میری نظر میں مذہب ظاہر یہ حق پر ہے جو یہ کہتا ہے کہ مذکورہ چھ اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز میں سود نہیں ہے۔ (۲)

عثمان البتی، قیاس کے حجت ہونے کے قائل ہیں، اس کے باوجود کہتے ہیں کہ قیاس کرنے میں ہر اصل کے لیے الگ سے دلیل کی ضرورت ہے۔ جبکہ سود کے باب میں ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، یوں ہم یہاں قیاس نہیں کرسکتے ہیں۔

بدوی کہتے ہیں: مذکورہ مطالب سے مذاہب اربعہ کی بیان کردہ علتوں کی کمزوریاں عیاں ہوجاتی ہیں۔ میری نظر میں مذاہب اربعہ کی علتیں مذہب حنفی اور شافعی کی جانب سے وضاحت شدہ دو علتوں کے گرد گھومتی ہیں۔ ان دونوں علتوں کو یہ دو مطالب جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں:

۱۔ مذہب حنفی نے (مقدار اور جنس کی) جو علت بیان کی ہے، وہ بلا دلیل ہے۔

۲۔ مذہب شافعی نے (خوراک ہونے اور قیمت واقع ہونے کی) جو علت بیان کی ہے، وہ اگرچہ مقدار وجنس کی نسبت تو صحیح ہے۔ مگر درج ذیل دلائل اسے بھی رد کرتے ہیں:

الف: طعام (خوراک) ہونا اگر علت ہوتا تو حدیث شریف میں طعام کی چار چیزوں (گندم، جو، کھجور اور نمک) کو بار بار بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

ب: مقبلی کی وضاحت کے مطابق مذکورہ چھ اشیاء کی حدیث مختلف راویوں کے توسط سے کئی بار تکرار ہوئی ہے۔ اگر ان کے درمیان کوئی ایک علت مشترک ہوتی تو کسی ایک حدیث میں اس کی جانب ضرور اشارہ

maablib.org

---

(۱) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، جلد۲، ص۱۰۸)

(۲) سبل السلام، محمد بن اسماعیل صنعانی، جلد۳، ص۵۰

اشارہ ہوتا۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ وجہ اشتراک (علت مشترک) بعض روایات میں بیان ہوا ہے، جیسے "اَلطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلاً بِمِثْلٍ..." اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں طعام سے مراد مخصوص گندم ہے؛ کیونکہ بعض روایات میں جیسے ابوسعید کی روایت میں ((طعام)) سے گندم مراد لیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے پاس علت کو واضح کرنے والی کوئی حدیث نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شارع کی نظر میں سود کے حکم میں موثر کوئی علت نہیں تھی اگر ہوتی تو وہ ضرور کسی نہ کسی جگہ بیان فرماتے۔ پس شارع صرف ان چیزوں کو حرام قرار دینا چاہتا تھا جو اس دور میں معاملی سود کے زمرے میں آتی تھیں جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ اسی وجہ سے میری نظر میں ربائے فضل اور نسیہ (نقد اور غیر نقدی سود) مذکورہ چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس میرا نظریہ بھی شرعی احکام میں قیاس کو ناجائز سمجھنے والوں کی طرح ہے، مگر اس کے باوجود میں بذات خود قیاس کا سخت حامی ہوں اور اس کا دفاع کروں گا۔ (۱)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیاس کا دفاع کرنے والے بھی آخر کار معاملی سود کے باب میں ظاہریہ مکتب فکر کے نظریے کی تائید کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اہل سنت کے فقہ میں یہ پہلا موقع نہیں کہ قیاس کے سلسلہ میں علماء و فقہاء کسی ایک نتیجہ پر پہنچے بغیر افتراق و پریشانی کا شکار ہو گئے ہوں، بلکہ مذکورہ تمام مطالب سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرعی احکام کے جاری کرنے کے لئے قیاس سے مدد لینا بالکل بھی قابل اطمینان طریقہ نہیں ہے۔

معاملی ربا کی حرمت کی حکمت

اہلسنت کے بعض علماء ((حکمت)) کا معنٰی یوں کرتے ہیں کہ: حکمت اس مصلحت کو کہتے ہیں جسے شارع احکام وضع کرتے وقت مدنظر رکھتا ہے (۲) ممکن ہے وہ جلب منفعت (کوئی فائدہ لینے کے لئے) یا دفع ضرر (نقصان سے بچانے) کی خاطر ہو۔

حکمت کا اگر یہ معنٰی کیا جائے تو اہل سنت کے علماء کی نظر میں علت اور حکمت میں یہ فرق سامنے آتا ہے کہ: علت میں قید انضباط دخالت رکھتی ہے، یعنی علت کسی خاص معین حد میں ہوتی ہے کہ کسی موضوع میں اس کے وجود پر یقین کرنا ممکن ہوتا ہے۔ جبکہ حکمت میں ایسی کوئی قید نہیں ہوتی ہے جس کی وجہ سے شارع نے حکمت کو امارہ اور حکم کے وجود کی علامت قرار نہیں دیا ہے۔ اور حکم، وجوداً اور عدماً حکمت پر موقوف نہیں جبکہ حکم کا ہونا اور نہ ہونا علت پر موقوف ہوتا ہے۔

---

(۱) نظریۃ الربا المحرم، معاملی ربا کی علت کا بحث

(۲) اصول العامۃ للفقہ المقارن، ص ۳۱۰-۳۱۱؛ مصادر التشریع الاسلامی، ص ۴۲، ۱۳۵۰

اگر چہ یہ جملہ "حکمت سے مراد وہ مصلحت ہے جسے شارع احکام جعل کرتے وقت مدنظر رکھتا ہے اور حکم کا دارومدار حکمت پر نہیں جبکہ اس کے برعکس حکم کا دارومدار علت پر ضرور ہوتا ہے" صحیح ہے۔ مگر اہلسنت کے علماء علت کی ایک خاص تعریف کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ حکمت اور علت کے علیحدہ ہونے کے قائل ہوئے ہیں جو کہ قابل قبول نہیں ہے۔ درحقیقت علت اور حکمت کا تعلق ایک ہی مادّہ سے ہے۔ حکمت وعلت سے مراد وہ مصلحتیں اور معیارات ہیں جنہیں شارع مقدس احکامات جعل کرتے وقت مدنظر رکھتا ہے اور احکامات کو انہی اہداف کے حصول کے لئے بیان فرماتا ہے۔

حکمت اور علت میں فرق یہ ہے کہ کسی حکم کی تمام مصلحتوں اور معیارات کا اگر علم ہے تو اسے علت کہتے ہیں اور ہر اس مورد میں، جہاں یہ علت پائی جاتی ہو وہی حکم جاری کیا جاتا ہے چاہے اس کے بارے میں آیت یا روایت موجود نہ بھی ہو۔ اور اسے مورد منصوص پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی مگر اس طرح کا اتفاق بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم زیادہ تر احکامات کی مصلحتوں سے آگاہ نہیں ہوتے۔

دوسری صورت میں احکام کے ظواہر یا عقل کی مدد سے جب ہمیں کسی خاص حکم کی تشریع میں کسی خاص مصلحت کے ہونے کا علم ہوتا ہے تو اس وقت ہمیں حکم کی مصلحتوں کے ایک جزء سے آگاہی ہوتی ہے۔ جیسے تمام مصلحتوں یا معیارات کا علم ہونے کی صورت میں حکم کو انہی کا شاخصانہ سمجھتے ہوئے عمل کرتے تھے یہاں اس طرح سے عمل نہیں کر سکتے ہیں بلکہ اس صورت میں ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ: ہمیں حکم کی ایک حکمت کا علم ہوا ہے۔

اہلسنت کے علماء کہتے ہیں کہ: علت ایک ظاہری صفت ہے، جسے شارع نے حکم کی نشانی قرار دیا ہے، اور اس میں قید انضباط دخالت رکھتی ہے۔ حکم اور علت ایک دوسرے سے مناسبت بھی رکھتے ہیں۔ حکمت' قید انضباط کی محتاج نہیں ہے، پس حکمت حکم کے لیے امارہ اور نشانی بھی نہیں ہے۔ یہاں ان مطالب کے ذکر کا مقصد دینی احکام میں قیاس کے لیے گنجائش نکالنا ہے۔ علت کے لیے اس طرح کے قیود تراشنا مذہب قیاس کی ذہنی اختراع ہے، ورنہ شرع مقدس نے نہ صرف کسی صفت کو حکم کی علامت قرار نہیں دیا ہے بلکہ استنباط احکام کے اس طرح کے طریقوں سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے۔ (۱)

حکمت کے معنی بیان کرنے کے بعد معاملی سود کے حرام ہونے کی حکمت پر بحث شروع کرتے ہیں کہ گذشتہ مباحث کی روشنی میں معاملی سود سے مراد اشیائے ربوی کا اپنے ہم جنس کے ساتھ اضافہ کیساتھ معاملہ کرنا ہے۔ کلی طور پر معاملی سود کی دو قسمیں ہیں:

---

(۱) اصول العامہ للفقہ المقارن، ص ۳۲۰ - ۳۵۸؛ اصول الفقہ، جلد ۲، ص ۱۶۳-۱۶۷

۱۔ نقد لین دین کا سود (ربائے فضل): ربوی اشیاء (جیسے سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) میں سے کسی ایک کو اپنے ہم جنس کے بدلے اضافہ کے ساتھ نقد معاملہ کرنے کو نقد لین دین کا سود یا ربائے فضل کہتے ہیں۔ اس طرح کے معاملات عموماً ان اشیاء کی کیفیت میں فرق، نوٹوں کا رواج نہ ہونا یا پھر ان اشیاء کی قلت کی وجہ سے انجام پاتے ہیں۔

۲۔ نسیہ (غیر نقدی) لین دین کا سود: ربوی اشیاء میں سے کسی ایک کو اپنے ہم جنس کے ساتھ (طرفین چاہے مساوی ہوں یا نہ ہوں) ادھار کے طور پر معاملہ کرنے کو نسیہ لین دین کا سود کہتے ہیں۔ بعض فقہاء اشیائے ربوی کے غیر ہم جنس کے ساتھ نسیہ (غیر نقدی) معاملہ کو بھی سود قرار دیتے ہیں۔

کسی بھی چیز کی دو مختلف زمانوں میں نقد و نسیہ کی وجہ سے قیمتوں میں آنے والے فرق سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے عام طور پر اس طرح کے معاملات انجام دیئے جاتے ہیں۔ حرام معاملات کی یہ دونوں قسمیں خصوصاً پہلی قسم وہ بھی سود کے عنوان سے علماء کے ذہنوں کو متعدد سوالات کے لیے جھنجھوڑتی ہے کہ جب دس کلو اعلیٰ قسم کے گندم کو ۱۵ کلو گھٹیا قسم کے گندم کے بدلے خرید و فروخت کرتے ہیں یا پھر ایک کلو مکھن کو ۱۰ کلو دہی کے ساتھ (جبکہ ان دونوں کی قیمتیں بھی برابر ہیں) معاملہ کرتے ہیں اور معاملہ کے طرفین بھی اس پر راضی ہیں۔ اس کے باوجود ان میں کیوں سود ہوتا ہے اور ان پر کیوں حرمت کا حکم آتا ہے جبکہ اس طرح کا حکم سود کے اوصاف، جیسے ظلم ہونا اور دوسروں کا مال ناحق کھانا وغیرہ کے زمرے میں بھی نہیں آتا ہے؟

ذہن میں ایسے سوالات اور شبہات پیدا ہونے کا اثر یہ ہوا کہ اہلسنت کے ایک عالم، نقد معاملات کے سود کی تمام روایات کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ: میری نظر میں یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں نے جو دنیا کی اقتصادیات اور تجارت پر اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ ایسے معاملات کی حرمت پر مبنی روایات جعل کی ہیں تا کہ مسلمانوں کو تجارتی سرگرمیوں سے دور رکھا جائے۔ (۱)

اس کے جواب میں یوں کہنا چاہیے کہ: پہلے تو اس سلسلہ میں روایات اتنی زیادہ اور کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کے جعلی ہونے کا احتمال بھی نہیں دیا جا سکتا اس کے نقد معاملات کے سود کی حرمت پر گذشتہ ادوار سے اب تک کے شیعہ و سنی علماء کا اتفاق ہے۔

دوسرے یہ کہ نقد لین دین کے سود کو حرام قرار دینے سے دنیا کی مارکیٹ اور تجارت سے مسلمان دور

(۱) حل ربا الفضل حلال؟ مجلة الازہر، اسماعیل صفو بندا، جزء ۹، سال ۱۳۵۷

نہیں ہوتے بلکہ اس سے صرف معاملہ کی شکل تبدیل ہوجاتی ہے؛ یعنی معاملہ کے طرفین جنس کا جنس کے ساتھ معاملہ کرنے کی بجائے ان میں ہر ایک جنس کا پیسوں کے عوض لین دین کرتے ہیں پھر پیسوں کے ذریعے دوسری اجناس کو خریدتے ہیں۔موجودہ دور میں جنس دیکر جنس لینے کا رواج ویسے بھی بہت کم ہے،لہٰذا مسلمانوں کو اس سلسلے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

اہلسنت کے علماء کا نظریہ

کیا معاملی سود کی حکمت کو واضح کرنا ممکن نہیں تاکہ معاملی سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی روایات کو من گھڑت اور جعلی قرار دینے والے افراد اپنی اس حرکت سے باز آجائیں؟

اہلسنت کے کچھ علماء نے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ہم یہاں ان جوابات کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

ا۔ابن قیم:

اہلسنت کے ایک مشہور عالم دین ابن قیم سود کے بارے میں کہتے ہیں:سود کی دو قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ جلی (آشکار) اور ﴿۲﴾ خفی (پوشیدہ):

جلی (آشکار) سود کی حرمت کا سبب اس قسم کے سود میں پایا جانے والا عظیم نقصان ہے،اور خفی (پوشیدہ) سود کی حرمت ،سد ذرائع کے باب سے ہے (۱) کیونکہ خفی سود جلی سود کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ

---

(۱) لغت میں ((ذریعہ)) وسیلہ کے معنی میں ہے،جس کے ذریعے کسی اور چیز تک پہنچا جائے اور سنی فقہاء اس کی مختلف تعریفیں کرتے ہیں۔بعض متاخرین اس کی تعریف میں کہتے ہیں:((ذریعہ)) ایک وسیلہ ہے،جس کے ذریعے مفسدہ والی ممنوع چیز تک ہم پہنچتے ہیں۔قرافی کہتا ہے: جس طرح سد ذرائع واجب ہے اسی طرح سے فتح ذرائع بھی واجب ہے۔اور ذریعہ ،مکروہ، مستحب اور مباح بھی ہوسکتا ہے۔

ابن قیم ((ذریعہ)) کی چار قسمیں بیان کرتے ہیں:

ا۔بعض وسائل ایسے ہیں جنہیں مفسدہ تک پہنچنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے شراب کا پینا مستی کا ذریعہ اور زنا کرنا نسل میں اختلال اور خاندانی نظام میں خرابی پیدا کرنے کا وسیلہ ہے۔یہ صرف فساد اور خرابی تک پہنچنے کے وسیلے ہیں۔

۲۔بعض وسائل مباح امور تک پہنچنے کے وسیلے ہیں مگر انہیں انجام دینے والے ان کے ذریعے برائی کا قصد کرتے ہیں۔جیسے زنا کے قصد سے نکاح کرنا اور سود کے قصد سے بیع وتجارت وغیرہ کرنا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

جلی سود کی حرمت مقصود شارع ہے؛ اس کے برعکس خفی سود جلی سود کے ارتکاب یا جلی سود تک پہنچنے کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ جلی سود وہی نسیہ (قرض پر) سود ہے، جسے دور جاہلیت میں انجام دیا جاتا تھا؛ جس میں قرض دینے والا مہلت میں اضافہ کے عوض قرض کی رقم میں مزید اضافہ کرتا تھا۔ اور اس طرح کئی بار مہلت میں اضافہ کی وجہ سے ۱۰۰ درہم ہزاروں میں تبدیل ہو جاتے تھے۔ مقروض جب قرض خواہ کو قرض کی رقم میں اضافہ کے عوض ادائیگی کی مہلت میں اضافہ کرتے دیکھتا تھا تو ادائیگی اور پریشانیوں سے بچنے کے لئے اور زیادہ مہلت مانگتا تھا جس کے نتیجے میں اُسے ادائیگی کے بہت سے نقصانات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اس کے ساتھ قرض کی مقدار میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا تھا۔ جس سے مقروض کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا، البتہ سود خور کے مال و دولت میں دوسروں کو کسی قسم کا فائدہ پہنچائے بغیر اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

خداوند عالم نے' جو رحیم اور حکیم ہے' اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے سود کو حرام قرار دیا اور سود کھانے والے، اس کے معاملات کو لکھنے والے کاتب و شاہد کو بھی ملعون کہا اور ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو، تو جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

۳۔ بعض وسائل مباح امور تک پہنچنے کے وسائل ہیں اور ان کو انجام دینے والے بھی ان کے ذریعے کسی برائی کا قصد نہیں کرتے۔ مگر عام طور پر ان میں خود مفسدہ ہوتا ہے، اور اس کا مفسدہ (برائی) مصلحت سے کہیں بڑا اور اہم ہے؛ جیسے مشرکوں کے سامنے ان کے بتوں کو گالی دینا جس کے جواب میں نعوذ باللہ خدائے واحد کو برا بھلا کہنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور عدت وفات میں بیوہ کا اپنے آپ کو آرائش کرنا وغیرہ۔

۴۔ بعض وسائل مباح امور تک پہنچاتے ہیں، کبھی کبھار ان کے ذریعے مفاسد بھی انجام پاتے ہیں۔ مگر ان کے مصالح مفاسد پر فوقیت رکھتے ہیں؛ جیسے ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق بیان کرنا وغیرہ۔

سنی علماء ذرائع کے حکم کے بارے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ ابن قیم اور ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ: مقاصد تک پہنچنے کے لئے وسائل اور ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے۔ وسائل اور ذرائع کا حکم ان کے مقاصد کے حکم کے تابع ہے۔ چنانچہ فعل حرام اور گناہوں کے وسائل کا حکم، ممنوع اور حرام مقاصد کے وسیلہ بننے کی وجہ سے حرام ہے۔ اسی طرح عبادات اور نیک کاموں کے وسائل کا حکم بھی جائز اور مطلوب ہونے کی وجہ سے اپنے مقاصد کا حکم رکھتا ہے۔ پس وسیلہ اور ہدف دونوں مقصود شارع ہیں۔ البتہ ہدف ذاتاً مقصود شارع ہوتا ہے۔ جبکہ وسیلہ صرف ہدف کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

ابن قیم، ((ذریعہ)) کی صرف چوتھی قسم کو جائز باقی تینوں اقسام کو حرام قرار دیتا ہے۔ مالکی اور حنبلی صرف دوسری قسم کو حرام اور باقی تینوں قسموں کو جائز سمجھتے ہیں۔

اصول الفقہ کی کتابوں میں مقدمہ واجب کے عنوان سے اس موضوع پر بحث ہوئی ہے۔ اور علمائے متاخرین، وجوب ذی المقدمہ اور وجوب شرعی مقدمہ کے درمیان ملازمہ کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ (الاصول العامۃ للفقہ المقارن، ص ۴۰۷-۴۱۰)

کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لئے آمادہ ہوتے ہو۔ خداوند عالم نے کسی اور گناہ کے مرتکب کو اس انداز سے دھمکی نہیں دی ہے۔

ابن عباس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ آپؐ نے فرمایا:

إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ سود تو صرف نسیہ (غیر نقدی) معاملات میں ہے۔"

اس طرح کی تعبیر عام طور پر کمال حصر کی وضاحت کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی کامل سود صرف ادھار میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ارشاد اقدس الٰہی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بھی بڑھ جاتا ہے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں یہی سچے مومن ہیں اور ان کیلئے پروردگار کے ہاں بڑے بڑے درجے اور بخشش اور باعزت روزی ہے۔ (۱)

اس آیت میں بھی کامل ایمان کو مذکورہ صفات کے حامل مومنین کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اسی طرح ابن مسعود کا یہ جملہ بھی ہے کہ: إِنَّمَا الْعَالِمُ الَّذِي يَخْشَى رَبَّهُ خدا سے ڈرنے والے تو صرف علماء ہی ہیں۔" اسی طرح یہاں بھی مکمل سود کو نسیہ سے مخصوص کیا گیا ہے۔

معاملی ربا (خفی سود) کی حرمت از باب ((سدّ ذرائع)) ہے، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے، جسے ابو سعید خدری نے نقل کیا ہے، جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَبِيعُوا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمُ الرَّمَا.

ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے خرید و فروخت مت کرو کہ میں تمہارے بارے میں سود سے ڈرتا ہوں۔

"رما" سے مراد وہی ربا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ربائے فضل (معاملی سود) سے منع فرمایا؛ کیونکہ آپ ڈرتے تھے کہ کہیں مسلمان نسیہ (قرضی) سود میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

---

(۱) سورۂ انفال آیات ۲-۴

مسلمان اگر ایک درہم کو دو درہم کے عوض معاملہ کرتے (چونکہ وزن، مہر کے نشان اور خالص ہونے کے اعتبار سے درہم کی کئی قسم کی ہوتی ہیں) تو آہستہ آہستہ نقد معاملات کی فوری منفعت کو ملاحظہ کرتے ہوئے بعد میں حاصل ہونے والی منفعت کا لالچ کرتے جو کہ عین وہی نسیہ (قرضی) سود ہے اور ربائے فضل (معاملی ربا) ربائے نسیہ (قرضی ربا) کے ارتکاب کے لئے وسیلہ بن جاتا، اس لئے شارع مقدس نے اس برائی کے دروازے کو مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے بند کردیا۔

شارع مقدس کا لطف وکرم اور حکمت، مسلمانوں کو اجناس کے غیر نقدی سود سے باز رکھنے کا باعث بنا۔ اسی طرح پیسوں میں نسیہ (قرضی) سود سے منع فرمایا، اگر اس کی اجازت ہوتی تو جاہلی سود کی طرح قرض خواہ کہنا شروع کردیتے: کہ یا تو قرض بروقت ادا کردیا پھر مہلت میں اضافہ کے عوض اس کی مقدار میں اضافہ کرو، جس کے نتیجے میں ایک کلو گندم بہت بڑی مقدار میں تبدیل ہوجاتی۔

اس کے بعد شارع نے نقد معاملات میں ربوی اشیاء کو ایک طرف اضافہ کے ساتھ معاملہ کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ مال و دولت اور نفع کی لذت انہیں بیع نسیہ کی جانب کھینچ سکتی تھی، جو خرابیوں کی جڑ ہے لیکن دو غیر ہم جنس اشیاء کا غیر مساوی معاملہ اس کے برعکس حلال ہے؛ کیونکہ اس میں معاملہ ہونے والی دونوں اشیاء کی حقیقت، صفات ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، اس صورت میں شارع اگر دونوں کو بطور مساوی معاملہ کرنے کا حکم صادر فرماتا، تو مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑتا اس کے علاوہ دو غیر ہم جنس اشیاء کا غیر مساوی معاملہ نسیہ (قرضی) سود کا وسیلہ بھی نہیں بنتا ہے۔ (۱)

ابن قیم، کے ان مطالب کو نقل کرنے کے بعد سنہوری کہتا ہے: نسیہ اور نقد لین دین کے سود کی شناخت کے ذریعے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ چونکہ نسیہ (قرضی) سود کی حرمت بذات خود مقصود شارع ہے، اس کے برعکس نقد لین دین کا سود نسیہ کے سود کے لئے وسیلہ بننے کی وجہ سے حرام ہوا ہے۔ اس وجہ سے نسیہ کے سود کی حرمت کا درجہ نقد معاملہ کے سود کی نسبت زیادہ ہے۔ چنانچہ جیسے مجبوری کے وقت مردار کا کھانا، اور خون کا پینا جائز ہوتا ہے، اسی طرح نسیہ سود کا ارتکاب بھی صرف مجبوری میں ہی جائز ہے، جبکہ ربائے فضل کا ارتکاب بوقت حاجت جائز ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ حاجت کا مرتبہ مجبوری سے کم تر ہے۔

پس جب بھی حاجت تقاضا کرے، ربائے فضل لینا جائز ہے۔ چنانچہ یہ واضح ہوتا ہے کہ حاجت اور ضرورت کی ان صورتوں میں ربائے فضل، ربائے نسیہ کا ذریعہ نہیں بن سکتا چنانچہ ربائے فضل کی حرمت کی علت ختم ہوجاتی ہے۔

---

(۱) مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی، جلد۱، ج۳، ص۲۰۴، ۲۰۵

maablib.org

مذکورہ صورت کے برخلاف، جب بھی نقد سود، نسیہ سود کے لئے وسیلہ بنتا ہے، از باب "سد ذرائع" حرام ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں حرمت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے! کیونکہ نقد سود کی حرمت کی دلیل نسیہ سود کے لئے وسیلہ ہونا ہے۔ چنانچہ نقد سود دو احتمال یعنی شبہ اور حاجت کے ساتھ حاکم ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے سود کا دائرہ شبہ کے وقت نسیہ سود کے لئے وسیلہ بننے کی وجہ سے بڑا اور حاجت کے وقت چھوٹا ہو جاتا ہے۔(۱)

اس کے بعد سنہوری سود کی قسموں کو بالترتیب بیان کرتا ہے:

۱۔ جاہلی سود، جو نص قرآن کے ذریعے حرام ہوا ہے۔

۲۔ نسیہ سود، جو حدیث شریف کے ذریعے حرام ہوا ہے۔

۳۔ نقد لین دین کا سود، جس کی حرمت کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے۔

اس کے بعد وہ کہتا ہے: ابن قیم کی نظر میں جلی سود سے مراد اگر جاہلی سود ہے، تو وہ پہلی قسم ہے اور خفی سود سے اس کی مراد اگر ربائے فضل (نقد سود) ہے تو وہ تیسری قسم ہے، پھر دوسری قسم یعنی نسیہ (غیر نقدی) سود کیا ہے؟ کیا یہ جلی سود ہے تاکہ حکم میں جاہلی سود کے ساتھ ملحق ہو جائے، یا پھر خفی سود ہے، جو حکم میں نقد لین دین کے سود کے ساتھ ملحق ہوتا ہے؟ اس بات کی وضاحت کئے بغیر، ابن قیم نسیہ سود کو جلی سود قرار دیتے ہوئے جاہلی سود کے ساتھ ملحق کرتا ہے کیونکہ جب وہ جلی سود کے عنوان کے تحت نسیہ سود کی بات کرتا ہے، تو اس کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جاہلی اور نسیہ سود دونوں کو ایک سمجھتا ہے۔(۲)

سنہوری کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن قیم "سد ذرائع" کے باب سے، ربائے فضل یعنی نقد معاملات کے سود کو حرام سمجھتے تھے۔ جبکہ نسیہ سود کے بارے میں وہ اس بات کے قائل تھے کہ اس کی حرمت، دوسرے سود کے لئے وسیلہ بننے کی وجہ سے نہیں بلکہ بذات خود مقصود شارع ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

۲۔ رشید رضا

رشید رضا، سود کے متعلق تحریر کردہ اپنے رسالے میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ قرآنی آیات کے ذریعے صرف جاہلی سود حرام ہوا ہے، وہ کہتا ہے: جلی سود وہی جاہلی سود ہے، جو کسی دوسرے سود کے لئے

---

(۱) مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی، جلد ۱، جزء ۳، ص ۲۰۶

(۲) مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی، جلد ۱، جزء ۳، ص ۲۰۶

وسیلہ بننے کی وجہ سے نہیں بلکہ بذات خود مقصود شارع ہونے کی وجہ سے حرام ہوا ہے جسے سوائے شدید مجبوری اور ضرورت کے کھانا جائز نہیں ہے۔ جس طرح انتہائی اضطرار کی صورت میں مردار کا کھانا اور خون وشراب وغیرہ کا پینا انسان کے لئے جائز ہوتا ہے اسی طرح سے شدید ضرورت کے وقت اس کا کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔

نسیہ سود اور نقد سود (ربائے فضل) کے بارے میں، جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے، رشید رضا کا عقیدہ ہے کہ ان دونوں کی حرمت ''سد ذرائع'' کے باب سے ہے ، تاکہ جاہلی سود (جس کی حرمت قطعی ہے) واقع نہ ہونے پائے۔ سود کی ان دونوں قسموں کا وسیلہ بننا قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے ، اس کے بعد وہ کہتا ہے: احادیث میں شارع کی نہی تشریع دین کے لئے نہیں بلکہ صرف ارشاد مکلفین (مکلفین کی ہدایت و رہنمائی) کے لئے ہے۔ ہم ''ادلۂ خاص وقواعد عام'' کے ذریعے ان نواہی اور ان کے درمیان فرق کو پہچان سکتے ہیں یا پھر روایات کے ایک دوسرے سے تعارض کی صورت میں اقویٰ کو ترجیح دیتے ہوئے انہیں پہچان سکتے ہیں۔

مثلاً: احادیث میں درندہ حیوانات اور شکاری پرندوں کا گوشت کھانا سے منع کیا گیا ہے، جبکہ قرآن مجید میں صرف مردار، سور کا گوشت اور خدا کا نام لیے بغیر ذبح ہونے والے جانوروں کا گوشت کھانا حرام ہوا ہے۔ ہم اس تعارض کو حل کرتے ہوئے روایات کی نہی کو کراہت پر حمل کرتے ہیں۔ (جو کہ اتفاق سے مالکیوں کا نظریہ ہے) اور اس حکم کو قرآنی آیات اور تمام روایات (جو سند اور دلالت کے اعتبار سے قطعی ہیں) کو جمع کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ بعض روایات میں حرام کی تعبیر اپنے معنی سے مختلف ہے کیونکہ راوی نے نہی سے حرمت کو سمجھا ہے۔ اسی طرح سونا اور چاندی، گندم، جو وغیرہ کو اپنے ہم جنس سے اضافہ کے ساتھ معاملہ کرنے سے شارع کی نہی مقصود بالذات نہیں بلکہ کراہت ہے۔ (۱)

مذکورہ نظریات پر اشکالات

معاملی سود کی حکمت کی بحث سے واضح ہوتا ہے، کہ ابن قیم، ربائے فضل اور رشید رضا، نقد و نسیہ دونوں کے سود کو از باب ''سد ذرائع'' حرام سمجھتے ہیں۔ ان دونوں کے نظریات پر درج ذیل اشکالات کئے گئے ہیں:

---

(۱) مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی، جلد ۱، ج ۳، ص ۲۱۹، ۲۲۰)

۱۔ کبروی اشکال:

سد ذرائع کا یہ استدلال جس کے اہل سنت قائل ہیں اس کی بنیادیں مستحکم نہیں ہیں۔شیعہ علماء اس بحث کو "مقدمہ واجب" کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔اور علماء متاخرین کے ایک گروہ کے مطابق "حکم شرعی ذی المقدمہ اور حکم مقدمہ" کے درمیان کوئی لازمہ نہیں ہے۔بلکہ مکلف پر جب بھی "ذی المقدمہ" واجب ہوتا ہے تو عقلاً "مقدمہ" کو انجام دینا بھی لازم ہو جاتا ہے، اگر "ذی المقدمہ" حرام ہے، تو "مقدمہ" کو انجام دینا بھی ناجائز شمار ہوگا دونوں صورتوں میں وجوب وحرمت شرعی کو ثابت کرنے کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ تنہا عقل کا حکم کرنا کفایت نہیں کرتا ہے (۱) یعنی موضوع کے حرام ہونے سے اس کا ذریعہ اور وسیلہ حرام نہیں ہوتا ۔ کیونکہ شرعی احکام کے بہت سے معیارات اور مصلحتیں ہوتی ہیں اور حکم مفاسد ومصالح کے تابع ہوتے ہیں۔ذی المقدمہ کی حرمت کی وجہ اس میں پائی جانے والی خرابی ہے۔عقل بھی اس خرابی کی وجہ سے اس کے مقدمہ کی انجام دہی کو قبیح شمار کرتی ہے۔ اگر دلیل خاص کے ذریعے یہ علم ہو جائے کہ مقدمہ شرعاً حرام ہے تو اس وقت اس سے یہ کشف ہوتا ہے کہ خود مقدمہ میں بھی کوئی خرابی موجود ہے، جس کی وجہ سے شارع نے اس سے بچنے کو لازمی قرار دیا ہے۔چنانچہ دلیل خاص کے بغیر کسی بھی موضوع کے سبب یا ذریعہ کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۲۔صغروی اشکال:

بالفرض "سد ذرائع" کا مسئلہ اگر صحیح ہے تو معاملی سود کی حرمت کے حکم کا مورد، لازمی طور پر سود کے حرام کا ذریعہ یا سبب ہونا چاہئے جبکہ ابن قیم "مکمل طور پر نقد لین دین کے سود کی حرمت کو حتی کہ مجلس عقد میں قبض واقباض کا انجام پانا کسی طرح بھی نسیہ وجاہلی سود کے لئے مقدمہ یا وسیلہ نہیں بنتا ہے" کو "سد ذرائع" کے باب سے حرام سمجھتا ہے اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے یوں دلیل دیتا ہے کہ اگر دو ربوی ہم جنس اشیاء کا ربائے فضل، حلال ہوتا تو لوگ اس فائدہ کو دیکھتے ہوئے مستقبل کے فائدہ (یعنی نسیہ سود) کی طرف بھی رغبت کرتے۔

ان کی یہ دلیل بے بنیاد ہے کیونکہ اگر اس ذریعہ یا وسیلہ کے مفہوم کو وسعت دی جائے تو لین دین اور تجارت کی بہت سی قسموں کی حلیت (حلال ہونے) سے ہمیں انکار کرنا پڑے گا، اس کے علاوہ دو ہم جنس اشیاء کے نقد معاملہ کی حرمت کی دلیل اگر یہی ہے تو نقد معاملات میں اشیائے ربوی کا اپنے

---

(۱) مزید مطالعہ کے لئے: کفایۃ الاصول، حاشیہ مشکینی، تحقیق سامی الخفاجی، جلد ۱، ص ۶۱۷-۶۲۱

غیر ہم جنس کے عوض اضافہ کے ساتھ معاملہ کیوں جائز ہے؟ جبکہ وہاں بھی منفعت فوراً ملتی ہے، اور نسیہ سود کے لئے راہ ہموار ہونے کا بھی موجب بنتا ہے؛ جبکہ اہلسنت علماء کی بڑی تعداد بھی اشیائے ربوی کے اپنے غیر ہم جنس کے عوض اضافہ کے ساتھ معاملہ کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

ابوسعید خدری کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے منقول روایت: لَا تَبِيعُوا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ فَإِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُم الرِّمَا، ایک درہم کو دو درہم کے عوض معاملہ مت کرو کہ میں تمہارے لیے سود سے ڈرتا ہوں" سند کے اعتبار سے اگر صحیح ہو تب بھی ہمارے دعوی پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ رسول اللہؐ کے فرمان کا مقصد یہ نہیں کہ" میں ایک درہم کو دو درہم کے ساتھ معاملہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں حرام سود کا ذریعہ نہ بن جائے" بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ: ایک درہم کو دو درہم کے عوض معاملہ مت کرو میں ربا کے گناہ اور اس کے نتیجہ میں تمہیں ملنے والے شدید عذاب سے ڈرتا ہوں۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں جو موضوع بیان ہوا ہے، اور استدلال کرنے والے کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ وہ درہم کا درہم کے نقد معاملہ کے ساتھ مربوط ہے۔ اس لئے کہ صرفی معاملات (سونے کے لین دین) میں، مجلس عقد میں قبض واقباض شرط ہے۔ چنانچہ روایت میں جو مورد ذکر ہوا ہے اس کا حرام سود کے ذریعہ یا سبب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ڈرنے کی وجہ ایک درہم کا دو کے ساتھ معاملہ حرام سود کے لئے سبب یا ذریعہ ہونے کی وجہ سے نہیں چونکہ یہ معاملہ ذاتی طور پر خرابی رکھتا ہے اور حرام ہے، اس لیے آپ سود خوروں کو ملنے والے شدید عذاب سے پریشان تھے۔

رشید رضا کے استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بالفرض اگر ہم مان لیتے ہیں کہ بعض اوقات، نسیہ سود، قرض کے سود کے لئے وسیلہ بنتا ہے۔ عقد معاملہ لفظ بیع کے ساتھ انجام پاتا ہے مگر درحقیقت سودی قرض ہوتا ہے۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو ہم جنس ربوی اشیاء کا بطور مساوی نسیہ معاملہ کیوں کر حرام ہے جبکہ اس میں اضافہ موجود نہیں؟ اگر فرض کرلیا جائے کہ نسیہ معاملہ حقیقت میں قرض ہے تو حکمی اضافہ (یعنی وقت کے اعتبار سے دو اشیاء کی قیمت) قرض میں کوئی مشکل پیدا نہیں کرتا، چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ نسیہ معاملہ کی حقیقت قرض نہیں، اور معاملی سود کی طرح نسیہ سود بھی جاہلی سود کیلئے سبب بننے کی وجہ سے حرام نہیں ہوا ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ سود سے متعلق پیغمبر اکرمؐ کی روایات کا ظاہر اور فقہا کا عمل گواہی دیتا ہے کہ ربائے فضل اور ربائے نسیہ کی حرمت سد ذرائع کے باب سے نہیں بلکہ اس کی حرمت مستقل ہے۔

رشید رضا ربائے فضل اور ربائے نسیہ کے بارے میں احادیث نبوی میں آنے والی نہی کو "نہی کراہتی" یعنی کراہت پر دلالت کرنے والی نہی نہیں سمجھتا ہے۔ جو فضل اور نسیہ سود کی حرمت کے متعلق شیعہ اور سنی علماء

کے اقوال سے منافات رکھتا ہے۔اس کے علاوہ معاملی اور نسیہ سود کے بارے میں احادیث میں آنے والی نہی ظاہرا حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ جسے کراہت پر حمل کرنے کے لئے قرینہ اور دلیل خاص کی ضرورت ہے جو یہاں موجود نہیں ہے بلکہ اس کے بر خلاف قرائن موجود ہیں یعنی شارع مقدس نے مومنین کو اس کے ارتکاب سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ سود خوروں کو سخت عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے۔

بعض شیعہ فقہاء کا نظریہ:

معاملی سود کی حکمت تلاش کرنے کے لئے شیعہ علماء نے بھی متعدد کوششیں کی ہیں۔

آیت اللہ شہید مطہری ؒ کا نظریہ:

ان علماء میں سے ایک بڑا نام آیت اللہ شہید مطہری ؒ کا بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں قرض پر لئے جانے والا سود، جس سے اسلام سختی کے ساتھ منع کرتا ہے، کے علاوہ لین دین کی ایک قسم بھی حرام ہے، اس کا نام بھی سود رکھا ہے جسے "معاملی ربا" کہتے ہیں۔ معاملی ربا سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اپنی ہم جنس کے عوض اضافہ کے ساتھ خرید و فروخت کیا جائے جبکہ اس چیز کا اپنی ہم جنس کے ساتھ برابر مقدار میں معاملہ کرنا جائز ہے؛ اس کے برعکس زیادہ مقدار کے ساتھ معاملہ کرنا حرام اور سودی ہے۔ اس طرح خرید و فروخت کرنا قرض نہیں بلکہ تجارت اور لین دین ہے۔ میں نے جب اس مسئلہ کا مطالعہ شروع کیا تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ معاملی سود' قرضی سود کے لئے حریم ہے؛ یعنی معاملی سود قرضی سود کا راستہ بند کرنے کی خاطر حرام ہوا ہے اور اگر معاملی سود حرام نہ ہوتا بلکہ صرف قرضی سود حرام ہوتا تو سود کے حیلے جنہیں آج کل انجام دیا جاتا ہے' عام ہو جاتے۔ مثلاً؛ یہ کہنے کی بجائے کہ: میں تمہیں سو من گندم قرض دیتا ہوں اور سال کے آغاز میں ایک سو پچاس من لوں گا، یہ کہتا کہ: میں تمہیں ایک سو پچاس من گندم کے عوض سو من گندم فروخت کرتا ہوں۔ میری نظر میں معاملی سود کی حکمت (اگرچہ قرض کے باب سے نہیں) یہ ہے کہ قرض اس طرح نہ دیا جائے، یہ کام اتفاق سے عام ہوا ہے اور ربا کے حیلوں کی صورت میں مختلف شکلوں میں آیا ہے۔ (۱)

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی ؒ کا نظریہ:

سود کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم وہی مشہور سود ہے جو قرض سے متعلق ہے، یعنی پیسے یا کسی چیز کو قرض

---

(۱) ربا، بانک و بیمہ، ص ۷۶، ۷۷

کے طور پر دوسروں کو دیا جائے اور مدت قرض کے عوض اس سے منافع وصول کیا جائے۔جس کی مقدار چاہے زیادہ ہو یا کم، اسی جنس سے ہو یا کسی اور جنس سے ہر صورت میں قطعی طور پر سود ہے۔

دوسری قسم، معاملی سود ہے جس میں دو اجناس کا لین دین مقدار کے فرق کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ جیسے ایک من گندم کو دو من گندم کے عوض فروخت کیا جائے چاہے کوالٹی کے اعتبار سے ایک اعلیٰ اور دوسرا درمیانہ یا گھٹیا ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارے درمیان اس قسم کا سود بہت کم ہے۔ظاہر ہے کہ جو مفاسد اور خرابیاں قرض کے سود میں پائی جاتی ہیں وہ اس میں نہیں پائی جاتیں۔ اس کے علاوہ یہ سود اجتماعی بگاڑ کا باعث بھی نہیں بنتا ہے بلکہ کبھی انسان سوچنے لگتا ہے کہ ایک اچھی کوالٹی کی چیز کو خراب کوالٹی کی چیز کے زیادہ مقدار کے ساتھ معاملہ کرنے میں کیا قباحت ہے ۔کوئی بھی گندم کو اسی کوالٹی کی گندم کے ساتھ کبھی معاملہ نہیں کرتا اگر کوئی لین دین کرے تو پست یا اعلیٰ کوالٹی کی گندم کے ساتھ کرتا ہے۔ اس صورت میں مقدار میں فرق ہونا ایک طبیعی بات ہے۔مثلاً؛ چاول کی کئی قسمیں ہیں؛اعلیٰ کوالٹی والے چاول کی قیمت پست کوالٹی والے سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔تو پھر انہیں وزن میں کمی بیشی کے ساتھ ایک دوسرے سے معاملہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

ممکن ہے اس قسم کے لین دین کی حرمت کا فلسفہ یہ ہو کہ یہ معاملہ کبھی قرضی سود کے لئے وسیلہ بن سکتا ہے یعنی سود خور آج سو من گندم کو فصل کی کٹائی کے وقت دو سو من لوٹانے کی شرط پر فروخت کرتا؛ اس طرح وہ جنس کے جنس کے ساتھ معاملہ کی صورت میں سود پر قرض دیتا! یوں شارع مقدس نے جنس کو جنس کے ساتھ مقدار میں تفاوت کے ساتھ معاملہ کرنے کو حرام قرار دیا۔

بہر حال؛سود خوری کے ان دونوں طریقوں کے درمیان پائے جانے والے فرق اور تفاوت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ۔اتفاق سے سود سے فرار کی راہوں کے متعلق فقہاء کی توجہ کا مرکز زیادہ تر معاملی سود رہا ہے۔(۱)

چند اہم نکات :

یہ جان لینے کے بعد کہ شیعہ علماء مسئلہ سدّ ذرائع کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں،یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آیت اللہ شہید مطہریؒ اور آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کے نظریات کی بنیاد کس چیز پر استوار ہے؟

---

(۱) خطوط اصلی اقتصاد اسلامی،ص۲۴۲،۲۴۳

کیا شیعہ فقہ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے کہ کوئی چیز دوسری حرام چیز کے لیے وسیلہ یا ذریعہ بننے کی وجہ سے حرام ہوئی ہو؟ (۱)

اس سلسلہ میں درج ذیل نکات کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں ہے:

پہلا نکتہ:

اس حکم کا منشاء شرعی یا عقلی احتیاط نہیں کہ شبہ یا حرام اور ہلاکت سے بچنے کی خاطر حرام ہوا ہو، اور یہ کہا جائے کہ شبہات بھی محرمات کے دائرے میں آتے ہیں، لہٰذا شبہات سے بھی بچنا چاہئے کیونکہ معاملی سود کا حکم صحیح روایات سے اخذ ہوا ہے اور حکم و موضوع کا دائرہ مکمل طور پر معین و مشخص ہے جس میں شک و شبہ اور احتیاط کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرا نکتہ:

"حریم" اور "وسیلہ" سے مراد کیا ہے؟ یہ مکمل واضح نہیں ہے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ "حریم" یا "وسیلہ" سے مراد کسی چیز کا حرام کے لئے مقدمہ بننا ہے جس کے نتیجے میں معاملی سود کی حرمت کو حرمت غیری ماننا پڑتا ہے؛ اس کا جواب یہ ہے کہ:

الف: معاملی ربا کی حرمت کو غیری ثابت کرنے کے لئے اس باب کی روایات کے ظاہر اور اس نظریہ کے درمیان موافقت ہونا ضروری ہے جبکہ روایات کا ظاہر حرمت کو ثابت کرتا ہے۔ کسی ایک حدیث میں بھی

---

(۱) اہلسنت کے فقہاء حرام کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں: حرام لذاتہ و حرام لغیرہ۔ حرام لذاتہ: وہ حرام ہے جس کو حرام قرار دینے کا مقصد اس میں پائے جانے والے ذاتی ضرر سے بچانا ہے۔ جیسے: مردار کھانا، خون اور شراب پینا، چوری اور زنا کرنا اور درج ذیل پانچ ضروریات کو نقصان پہنچانے والی ہر شئے حرام ہے۔ جیسے: جسم، نسل، مال، عقل اور دین۔ حرام لغیرہ: سے وہ حرام مراد ہے جس کی نہی ذاتی نہیں بلکہ حرام ذاتی کے لئے وسیلہ اور سبب بننا اس کی حرمت کی بنیادی وجہ ہے۔ جیسے: نامحرم کی طرف نگاہ کرنا زنا کا باعث بنتا ہے، اور زنا حرام ذاتی ہے۔ کبھی ((حرام لغیرہ)) ایسے فعل پر بھی اطلاق آتا ہے جس کی حرمت ایک عارضی امر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے جمعہ کی آذان کے وقت لین دین کرنا؛ جبکہ خود بیع ذاتا حرام نہیں ہے۔

اہل سنت کی فقہ میں حرام ذاتی دو امور میں حرام غیری کے ساتھ فرق رکھتا ہے۔

۱۔ حرام ذاتی کسی عقد میں ہونے کی صورت میں عقد باطل ہو جاتا ہے۔ مثلاً مردار، شراب، اور سور وغیرہ کا لین دین باطل ہے؛ اس کے برخلاف حرام غیری عقد کو باطل نہیں کرتا ہے۔ جیسے نماز جمعہ کی آذان کے وقت خرید و فروخت کرنا اکثر سنی فقہاء کے نزدیک باطل نہیں ہے، کیونکہ بیع فی ذاتہ حرام نہیں ہے۔

۲۔ حرام ذاتی صرف ضرورت کے وقت مباح ہوتا ہے، جیسے شراب کا پینا اس وقت جائز ہے کہ اس کے نہ پینے کی وجہ سے مرنے کا احتمال ہو، جبکہ حرام غیری صرف حاجت کے وقت مباح ہو جاتا ہے۔ (اصول الفقہ، محمد ابوزہرہ، ص ۳۸-۴۰)

اس کے غیری ہونے یا قرضی ربا سے مستثنیٰ ہونے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ بلکہ روایات کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے، کہ معاملی ربا ذاتاً خرابی رکھتا ہے اور اس کی حرمت مستقل ہے جس کے انجام دینے والے کے لئے شدید عذاب کا وعدہ ہوا ہے۔ اس جہت سے معاملی ربا اور قرضی ربا میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ جیسے ولید بن صبیح کی اس موثقہ حدیث میں آیا ہے:۔

قَالَ : سَمِعتُ اَبَاعَبدِاللّٰہِ عَلَیہِ السَّلاَمُ یَقُولُ : اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالفِضَّۃُ بِالفِضَّۃِ اَلفَضلُ بَینَھُمَا ھُوَالرِّبَا المُنکَرِ، ھُوَ الرِّبَا المُنکَرِ ۔

"ولید بن صبیح کہتا ہے: میں نے امام جعفر الصادق علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ: طلا کو طلا کے ساتھ اور نقرہ کو نقرہ کے ساتھ (بطور مساوی معاملہ کرو) اور اگر ایک جانب زیادہ ہو تو یہ وہی پلید ربا ہے۔ یہ وہی پلید ربا ہے"۔(۱)

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملی ربا، ذاتاً حرام ہے، اور کسی کے لئے وسیلہ یا حریم ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہوا ہے۔

اگلی روایت:

عَن اَبِی عَبدِاللّٰہِ عَلَیہِ السَّلاَمُ عَن اَبِیہِ عَن آبَائِہٖ عَلَیھِمُ السَّلاَمُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم قَالَ : اَلفِضَّۃُ بِالفِضَّۃِ وَالذَّھَبُ بِالذَّھَبِ مِثلاً بِمِثلٍ یَداً بِیَدٍ فَمَن زَادَ اَوِ استَزَادَ فَقَد اَربٰی وَلَعَنَ اللّٰہُ الرِّبَا وَآکِلَہٗ وَمُوکِلَہٗ وَبَائِعَہٗ وَمُشتَرِیَہٗ وَکَاتِبَہٗ وَشَاھِدَیہِ ۔

"امام صادق علیہ السلام اپنے والد سے اور وہ اپنے آباواجداد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: طلا کو طلا اور نقرہ کو نقرہ کے ساتھ بطور مساوی معاملہ کرو، پس جس کسی نے بھی زیادہ دیا یا پھر زیادہ کا مطالبہ کیا، اس نے سود کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سود' سود خور' سود دینے والے' سود پر بیچنے والے' سود پر خریدنے والے' لکھنے والے اور سود کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے"۔(۲)

یہ مرسلہ حدیث بھی معاملی ربا سے مربوط ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ معاملی ربا کے مفاسد زیادہ ہیں، یہاں تک کہ اس کے لکھنے والے اور گواہ بھی لعنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص ۴۵۷، حدیث ۲

(۲) مستدرک الوسائل، جلد۱۳، ص ۳۳۷، حدیث ۱؛ وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص ۴۳۰، حدیث ۲

معاملی ربا کے مورد میں جب ان تعبیرات کو ملاحظہ کرتے ہیں، تو یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے، کہ معاملی ربا کی خرابی قرضی ربا سے کم ہے، یا یہ کہ معاملی ربا قرضی ربا کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس طرح کے ادعا کا لازمہ احکام کے ملاک سے مکمل طور پر آگاہی حاصل ہونا ہے۔ جبکہ سوائے روایات وآیات کے، ربا کی تمام اقسام کے ملاکات پر ہمیں دسترس حاصل نہیں ہے۔

ب: بلکہ روایات کی بجائے عقل کے ذریعے معاملی ربا کو قرضی ربا کے لئے مقدمہ قرار دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اول: معاملی ربا کی بعض صورتوں، جیسے نقد ربائے معاملی میں یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔

دوم: غیر نقد ربائے معاملی میں بھی اس مطلب کو قبول کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ بنا بر قول صحیح، مقدمہ حرام کو انجام دینا شرعاً حرام نہیں بلکہ صرف عقل کی نظر میں قبیح ہے۔

ج: حتی ظاہر روایات میں اگر شک ہوجائے کہ معاملی ربا کی حرمت نفسی ہے، یا غیری تو اس وقت صیغہ نہی کے اطلاق کو حرمت نفسی پر حمل کرنا ان جیسے موارد کی اصل ہے۔

تیسرا نکتہ:

اگر مراد یہ ہو کہ معاملی ربا قرضی ربا کے حیلوں کا جز ہے، اور کبھی قرضی ربا کے لئے ذریعہ یا وسیلہ بنتا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ۔

اول: تو اس کے لئے تاریخی قرائن کی ضرورت ہے، کہ خدا نے پہلے قرضی ربا کو حرام کیا، اس کے بعد مسلمانوں نے معاملی ربا سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے قرضی ربا کے لئے اسے حیلے کے طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے اسے حرام کیا ہو۔ جبکہ اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئی قرینہ موجود نہیں، اور نہ معاملی ربا سے پہلے قرضی ربا کے حرام ہونے کے بارے میں کوئی دلیل ہے۔

دوم: بالفرض اگر یہ مان لیتے ہیں کہ معاملی ربا قرضی ربا کے حیلوں کا جز ہے اور قرضی ربا میں بھی تمام حیلے حرام ہیں تو بھی معاملی ربا کی حرمت صرف حیلوں کے موارد میں ہونی چاہیے جبکہ ہم دیکھتے ہیں، کہ نقد معاملی ربا، خصوصاً جب لین دین صیغہ جاری کرنے کے مقام پر ہی ہوا ہو جو کہ حیلوں کا جز نہیں ہوتا اور نہ ہی طرفین' ربا کا قصد رکھتے ہیں' قرضی ربا کی سی شدت کے ساتھ حرام ہوا ہے۔

غیر نقد معاملی ربا بھی معدودات اور مشاہدات میں قرضی ربا سے فرار کے لئے حیلہ بن سکتا ہے۔ لھذا حرمت کا حکم اس پر بھی آنا چاہیے۔

تمام مذکورہ مطالب سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ معاملی ربا کی حرمت اگرچہ دوسرے تمام شرعی احکامات کی مانند حکمت رکھتی ہے، بعض روایات میں اس کی جانب اشارہ بھی ہوا ہے جو حرمت کے حکم کو

صرف تعبدی قرار نہ دینے کا باعث ہے۔البتہ بطور عام معاملی ربا کے تمام موارد میں حرمت کی حکمت کو صرف قرضی ربا کے مفاسد سے بچنے کے ساتھ منحصر نہیں کرسکتے ہیں۔

جن روایات میں معاملی ربا کی حرمت کی حکمت کی جانب اشارہ ہوا ہے ، ان میں ایک یہ معتبر حدیث بھی ہے:۔

''حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

ربا کی حرمت کی علت ، خدا کی جانب سے منع ہونا ہے۔اس کے علاوہ ربا اموال کو فاسد کرتا ہے،کیونکہ انسان جب ایک درہم کا دو درہم کے ساتھ معاملہ کرتا ہے،تو ایک درہم کی قیمت تو ایک درہم ہی ہوتی ہے جبکہ دوسرا درہم باطل طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ سودی لین دین،تمام صورتوں میں خریدار اور بیچنے والے دونوں کے لئے زیان کا باعث ہوتا ہے۔خدا نے اپنے بندوں پر سود اس لئے حرام کیا ہے، کیونکہ یہ اموال کو فاسد کرنے کا باعث ہے۔'' (۱)

اس روایت میں امام رضا علیہ السلام نے ''بیع وشراء'' یعنی خرید وفروخت کا لفظ استعمال کیا ہے۔جو معاملی ربا میں ظہور رکھتا ہے اور اس کی حکمت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔مگر امام علیہ السلام کی یہ حدیث معاملی ربا کی حکمت کو کاملاً بیان نہیں کرتی ہے۔چنانچہ تحقیق وجستجو کے ذریعے اس سوال کا جواب تلاش کرسکتے ہیں۔

---

(۱) وسائل الشیعہ ،جلد ۱۲،ص ۴۳۵،حدیث ۱۱

دوسری فصل:

قرضی ربا

گذشتہ دنوں سے اب تک مختلف معاشروں میں جو سود سب سے زیادہ رائج رہا ہے، وہ قرضوں پر سود ہے۔ عام طور پر انسان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسروں سے قرضہ لیتا ہے اور قرضہ لیتے ہوئے بعد میں کچھ اضافہ کے ساتھ لوٹانے کا وعدہ کرتا ہے۔ قرضہ پر سود درحقیقت قرضہ کی ایک خاص قسم ہے جس میں کچھ اضافے کے ساتھ لوٹانے کی شرط ہوتی ہے۔ قرضہ پر سود کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے ہمیں پہلے قرض کے مسائل کو اچھی طرح سے سمجھنا چاہئے۔

قرض کی تعریف:

قرض کے بارے میں فقہ کے باب معاملات میں عقود کے عنوان سے تفصیلی بحث ہوئی ہے۔ عام لوگوں کے لئے اس کی تعریف معلوم ہونے کی وجہ سے اکثر فقہا نے قرض کی تعریف بیان نہیں کی۔ البتہ بعض فقہاء نے اس کی تعریف بیان کی ہے۔ چنانچہ حضرت امام خمینیؒ قرضہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ضمانت کی شرط کے ساتھ اپنا مال کسی دوسرے فرد کی ملکیت میں دینے کو قرض کہتے ہیں۔ اس طرح قرضہ لینے والا اصل مال یا اس کی مثل یا پھر اس کی قیمت لوٹانے کا پابند ہوتا ہے۔ دوسرے کو اپنا مال دینے والے کو "مُقرِض" اور لینے والے کو "مقترض" یا "مستقرض" کہتے ہیں۔ (۱)

مرحوم خوانساریؒ فرماتے ہیں: ضمانت کے ساتھ کسی کے مال کا دوسرے کی ملکیت میں داخل ہونا قرض کہلاتا ہے۔ (۲)

---

(۱) جامع المدارک، جلد ۳، ص ۳۲۷

(۲) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۱

محقق حلیؒ، قرض کی کچھ اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ: قرض ایجاب و قبول پر مشتمل ایک عقد ہوتا ہے۔ایجاب سے مراد یہ ہے کہ قرض دینے والا "میں نے تجھے قرض دیا" یا اس جیسا جملہ کہے، جیسے: یہ کہے کہ اس مال کو تم استعمال کرو، یا اس سے فائدہ اٹھاؤ لیکن اور اس کا بدل یا عوض لوٹانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ایجاب کے مقابلے میں دوسری جانب سے رضایت پر دلالت کرنے والے لفظ کو قبول کہتے ہیں۔(۱)

قرض اور دَین میں فرق:

دَین سے مراد کسی فرد کے ذمہ وہ کلی مال ہے جس سے دوسرا فرد نفع حاصل کر سکے۔دَین کا سبب اسباب دین میں سے ایک ہوتا ہے۔جس کے ذمے دوسرے کا مال ہے اسے مدیون یا مدین اور حقدار یا اصل مالک کو دائن یا غریم کہتے ہیں۔

دَین کے دو اسباب ہیں:

الف) اختیاری: جیسے قرض لینا، یا مال کو بیع سلم میں مبیع، بیع نسیہ میں ثمن، اجارہ میں اجرت، نکاح میں مہر اور خلع میں عوض قرار دینا۔

ب) قہری یا اجباری: کسی چیز کی ضمانت اور دائمی زوجہ کا نان و نفقہ وغیرہ۔دَین اور قرض کے اکثر احکام مشترک ہیں۔لیکن قرض کے اپنے بھی کچھ خاص احکام ہیں۔(۲)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرض کی نسبت دَین عام ہے۔

قرض کا معنی

قرض لغت میں ادھار اور مستعار کے معنی میں آیا ہے۔(۳)

قرض کے معنی کے بارے میں عربی لغت مجمع البحرین میں آیا ہے:

---

(۱) شرائع الاسلام، محقق حلی، جلد۲، کتاب القرض، ص ۸۳

(۲) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص ۶۴۷

(۳) فیروز اللغات

اَلْقَرْضُ مَا تُعْطِيْهِ غَيْرَكَ لِيَقْضِيَكَهٗ وَاَصْلُهُ الْقَطْعُ

فَهُوَ قَطِيْعَةٌ مِنْ مَالِكَ بِاِذْنِهِ عَلٰى ضَمَانِ مِثْلِهِ .

آپ جو چیز دوسروں کو دیتے ہیں اسے قرض کہا جاتا ہے تا کہ وہ بعد میں آپ کو واپس لوٹا دے، یہ اصل میں قطع کرنے اور کاٹنے کے معنی میں ہے۔ چنانچہ قرض اس مال کو کہا جاتا ہے، جسے مالک اپنی مرضی سے اپنے دیگر اموال سے جدا کرتا ہے اور دوسروں کو دیتا ہے تا کہ وہ ایسا ہی مال اسے لوٹا دے ۔ (۱)

مرحوم شعرانی فرماتے ہیں: قرض در اصل قطع کرنے اور کسی چیز کے کاٹنے کو کہتے ہیں۔اسی لئے قینچی کو مقراض کہا جاتا ہے اور کبھی دور ہونے ، کنارہ پر ہونے اور گزرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد اقدس الٰہی ہے: وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ اور جب (سورج) غروب ہوتا ہے تو بائیں طرف کترا جاتا ہے۔ (۲)

قرض کا ایک اور معنی جدا کرنا اور مال اور ہر قسم کا سرمایہ دوسرے کو دینا ہے تا کہ لینے والا مقررہ مدت میں اسے واپس کرے۔ (۳)

قرض کا تذکرہ قرآن میں:

قرض کی مشروعیت یعنی اس کا جائز ہونا مسلّم ہے۔البتہ اس کی مشروعیت پر قرآن مجید سے استدلال کرنا ایک دقت طلب کام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کیا قرآنی آیات کے ذریعے مومنین کے ایک دوسرے کو قرضہ دینے کا مستحب ہونا ثابت ہے؟

قرآن مجید کی کئی آیات میں لفظ قرض استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد اقدس ہوتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ○

کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔ (۴)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ○

اور نماز پڑھتے رہو اور زکات ادا کرتے رہو اور اللہ کے لئے قرض حسنہ دیتے رہو۔ (۵)

---

(۱) جلد۲، ص۳۲۶ (۲) سورہ کہف، آیہ ۱۷

(۳) نثر طوبی، میرزا ابوالحسن شعرانی، جلد۲، ص۲۹۵ (۴) سورہ بقرہ، آیت ۲۴۵

(۵) سورہ مزمل، آیت ۲۰

maablib.org

إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ○

اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دوگے تو وہ تم کو اس کا دوچند دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کردے گا اور اللہ قدر شناس اور بردبار ہے۔(۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ○

کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو وہ اس کو اس سے دگنا ادا کرے؟ اور اس کے لئے عزت کا صلہ یعنی جنت ہے۔(۲)

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ○

جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے ہیں ان کو دوچند ادا کیا جائے گا اور ان کے لئے عزت کا صلہ یعنی جنت ہے۔(۳)

سورہ بقرہ کی آیت ۲۴۵ اور سورہ حدید کی آیات (۱۱، ۱۸) اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن کو قرض دینا بہت اجر وثواب کا باعث ہے اور یہ کہ خداوند عالم اس کا بدلہ ضرور عطا فرمائے گا کیونکہ قرض اور احتیاج کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف دینا درست نہیں ہے، چنانچہ ان آیات میں اللہ کو قرض دینے سے مراد مومنین کو قرض دینا ہے۔ کچھ مفسرین نے اس استدلال پر اعتراض کیا ہے کہ قرض یعنی کسی کو کوئی چیز ایک مدت کے لئے دینا اور پھر واپس کرنا ہے اس لحاظ سے یہاں قرض کا لفظ نیک اعمال (اعمال صالح) کے لئے استعارہ ہے۔ کیونکہ مومن جب کوئی نیک عمل انجام دیتا ہے تو اس کا ثواب اور اجر اس کی آخرت کے لئے محفوظ ہوجاتا ہے۔ پس یہ اور اس جیسی دوسری آیات لوگوں کو قرض دینے کی مشروعیت پر دلالت نہیں کرتیں۔(۴)

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ مذکورہ آیات میں خدا کو قرض دینے سے مراد اصطلاحی قرض نہیں بلکہ راہ خدا میں صدقہ وخیرات وغیرہ دینا ہے۔(۵)

---

(۱) سورہ تغابن، آیت ۱۷

(۲) سورہ حدید، آیت ۱۱

(۳) سورہ حدید، آیت ۱۸

(۴) مجمع البحرین، فخر الدین طریحی، جلد ۴، ص ۲۲۶

(۵) التبیان، جلد ۲، ص ۲۸۷؛ مجمع البیان، جلد ۱، ص ۳۴۸؛ المیزان، جلد ۲، ص ۲۸۴؛ تفسیر نمونہ، جلد ۲، ص ۱۹۰

محقق اردبیلیؒ اس کا ایک عام معنی کرتے ہیں جس میں قرض بھی شامل ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: خدا کو قرض دینے سے مراد شاید اس کے لئے نیک عمل بجالانا ہو چاہے وہ جہاد کے ذریعے اس کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کی صورت میں ہو یا واجبات اور دینی علوم سیکھنے کی صورت میں یا محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کی صورت میں ہو، یا پھر خدا کی رضا کے لئے زکات دینے اور اپنے اہل وعیال پر مال خرچ کرنے اور قرض وغیرہ دینے کی شکل میں ہو۔ (۱)

اکثر مفسرین کے مطابق، مذکورہ آیات کو قرض کی مشروعیت کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا لیکن قرآن مجید کی دوسری بہت سی آیات ایسی ہیں جو قرض کی مشروعیت اور استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً:

صدر اسلام میں سودی قرض کا رواج عام تھا، خدا نے سود کو حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ○

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو ○ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہو اور اگر توبہ کرلو گے اور سود چھوڑ دو گے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان ○ اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے فراخی کے حاصل ہونے تک مہلت دو اور اگر قرض بخش دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ تم سمجھو ○ (۲)

مذکورہ آیات میں پروردگار عالم زیادہ وصول کرنے کو حرام اور صرف اصل زر کو قرض دہندگان کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ اور مقام بیان میں ہونے کے باوجود اصل قرض کی حرمت کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں فرمایا بلکہ آخر میں فرمایا کہ: اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے فراخی کے حاصل ہونے تک مہلت دو۔ جس سے اصل قرارداد اور عقد قرض کے جائز ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ○

ان لوگوں کی بہت سی سرگوشیاں اچھی نہیں، ہاں اس کی سرگوشی اچھی ہو سکتی ہے جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔ (۳)

---

(۱) زبدة البیان، ص ۳۵۱ (۲) سورہ بقرہ، آیات ۲۷۸-۲۸۰

(۳) سورہ نساء، آیت ۱۱۴

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں لفظ ''معروف'' سے مراد قرض لیتے تھے (۱) کیونکہ ہر معروف کو شریعت اچھا سمجھتی ہے اور عقل بھی اس سے انکار نہیں کرتی۔ اور جب معروف سے مراد قرض ہے تو اس کا مستحب ہونا مذکورہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ سیاق آیت قرض کے اندر خیر کے پوشیدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ قرض کا دو مستحب کاموں (صدقہ اور لوگوں میں صلح کرانے) کے درمیان آنا بھی اس کے مستحب ہونے پر قرینہ ہے۔

البتہ یہ ذہن نشین رہے کہ آیت کا مقصود ''استقراض'' یعنی قرض لینا نہیں بلکہ ''اقراض'' یعنی قرض دینا ہے کیونکہ بعض روایات کے مطابق قرض لینا مکروہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۝

مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ (۲)

جب ہم نے یہ جان لیا کہ یہ آیت قرض کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ((دَین)) سے مراد کیا ہے؟۔

شیخ طوسیؒ فرماتے ہیں: ابن عباس کہتے تھے کہ یہ آیت بیع سلف کے دَین سے مختص ہے جبکہ دوسری آیت کو عام، اور قرض کی تمام اقسام جیسے بیع سلف اور نسیہ وغیرہ سب پر مشتمل سمجھتے ہیں اور یہی قول زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ آیت عام ہے مگر آیت قرض کو شامل نہیں کرتی اس لئے کہ قرض حال ہے جو موجل یعنی مہلت والا نہیں ہوتا ہے۔ (۳)

علامہ طبرسیؒ قرض کی طرف اشارہ کئے بغیر کہتے ہیں: آیت کا ظاہر ہر مدت والے قرضہ، اور بیع سلف وغیر سلف سب کو شامل ہے، فقہا اور مفسرین کا نظریہ بھی یہی ہے۔ (۴)

ہم بعد میں بیان کریں گے کہ فقہاء قرض کے حال (بغیر مہلت) یا موجل (مہلت والے) ہونے کے بارے میں بحث کرتے ہیں کہ کیا قرض دیتے وقت یا دوسرے لازم عقود کے ضمن میں قرض کی مہلت اور مدت دار ہونے کی شرط عائد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اکثر فقہا کی رائے میں کم از کم کسی دوسرے لازم عقد کے ذریعے قرض کو مدت دار بنایا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں یہ قرضہ موجل (مہلت والا) ہوگا اور آیت کے حکم میں شامل بھی ہوگا۔ آیات الاحکام کی بعض کتابوں میں بھی قرض کو اس آیت میں شامل قرار دیا گیا ہے۔ (۵)

---

(۱) الفروع من الکافی، جلد ۴، ص ۳۴؛ جامع احادیث شیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۸۵

(۲) سورہ بقرہ، آیت ۲۸۲

(۳) التبیان، جلد ۲، ص ۳۷۱

(۴) مجمع البیان، جلد ۲، ص ۳۹۷

(۵) زبدۃ البیان، ص ۴۴۲؛ مسالک الافہام، جلد ۳، ص ۴۵۵

maablib.org

بہر حال یہ آیت صرف قرض دینے اور لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہے مگر قرض دینے کے مستحب ہونے پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید کی متعدد آیات میں مومنین کو ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کی تاکید فرماتا ہے اور قرض دینا بھی یقیناً تعاون واحسان کے مصادیق میں سے ایک ہے۔ جیسے ارشاد اقدس الٰہی ہے:

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(۱)

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ○

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔(۲)

روایات معصومین علیہم السلام میں بھی مومنین کو قرض دینے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کو بہترین اعمال شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات کی روشنی میں قرض دینا ایک مستحب فعل ہے۔

قرض دینا سنّت کی رُو سے:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سے قرض دینے کے ثواب اور اس پسندیدہ فعل کی ترغیب کے متعلق متعدد روایات نقل ہوئی ہیں:

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ اَقْرَضَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ دِرْهَمٍ اَقْرَضَهُ وَزْنَ جَبَلِ اُحُدٍ (وَ حِرَا وَ ثَبِيْرٍ) مِنْ جِبَالِ رَضْوٰى وَ طُوْرِ سِيْنَاءَ حَسَنَاتٌ وَ اِنْ رَفَقَ بِهٖ فِيْ طَلَبِهٖ بَعْدَ اَجَلِهٖ جَازَ عَلَى الصِّرَاطِ كَالْبَرْقِ اللَّامِعِ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَ لَا عَذَابٍ وَ مَنْ شَكَا اِلَيْهِ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ فَلَمْ يُقْرِضْهُ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ يَوْمَ يَجْزِيْ الْمُحْسِنِيْنَ.

جو کوئی اپنے کسی مسلمان بھائی کو قرض دے اس کے ہر درہم کے بدلے اُحد، حرا، ثبیر، رضوی اور طور سینا کے پہاڑوں کے برابر اس کے نامہ اعمال میں حسنات (ثواب) لکھ دیے جائیں گے اور اگر مہلت ختم ہونے کے بعد بھی اپنے برادر مومن کے ساتھ سختی نہ کرے تو بغیر کسی حساب وکتاب کے پل صراط سے بجلی کی سی تیزی سے گذر جائے گا اور اسے کوئی عذاب نہیں ہوگا اور اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی مدد

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۱۹۵

(۲) سورہ مائدہ، آیت ۲

مانگنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے اور اسے قرض نہ دے تو پروردگار نیکوکاروں کو جزا دیتے وقت جنت کو اس پر حرام کرے گا۔ (۱)

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: مَنْ اَقْرَضَ مُؤْمِناً قَرْضاً یُنْظِرُ بِهٖ مَیْسُوْرَهُ کَانَ مَالُهٗ فِیْ زَکَاةٍ وَکَانَ هُوَ فِیْ صَلَاةٍ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ حَتّٰی یُؤَدِّیَهُ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو کسی مومن کو قرض دے اور اسے آسودگی حاصل ہونے تک مہلت دے تو اسے زکات کا ثواب دیا جائے گا۔ اور جب تک اسے اس کا قرض واپس نہیں ملتا یہ شخص ملائکہ کے درود میں شامل رہتا ہے۔ (۲)

یَقُوْلُ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ: قَرْضُ الْمُؤْمِنِ غَنِیْمَةٌ وَتَعْجِیْلُ اَجْرٍ اِنْ اَیْسَرَ قَضَاكَ وَاِنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ اِحْتَسَبْتَ بِهٖ مِنَ الزَّکَاةِ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: مومن کو قرضہ دینا غنیمت ہے، جس کا ثواب بہت جلد ملتا ہے۔ ادائیگی کی قدرت رکھنے کی صورت میں وہ اسے ادا کرتا ہے اور ادائیگی سے پہلے مرجائے تو تم اسے زکات میں حساب کرسکتے ہو۔ (۳)

قَالَ الصَّادِقُ عَلَیْهِ السَّلَامُ: عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ مَکْتُوْبٌ اَلْقَرْضُ بِثَمَانِیَةَ عَشَرَ وَالصَّدَقَةُ بِعَشَرَةٍ وَذٰلِكَ اِنَّ الْقَرْضَ لَا یَکُوْنُ اِلَّا لِمُحْتَاجٍ وَالصَّدَقَةُ رُبَّمَا وُضِعَتْ فِیْ یَدِ غَیْرِ مُحْتَاجٍ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے کہ قرض کا ثواب اٹھارہ گنا اور صدقہ کا ثواب دس گنا ہے، کیونکہ قرض صرف محتاج ہی لیتا ہے جبکہ صدقہ کبھی غیر محتاج کے ہاتھ بھی پہنچ جاتا ہے۔ (۴)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: اَلصَّدَقَةُ بِعَشَرَةٍ وَالْقَرْضُ بِثَمَانِیَةَ عَشَرَ وَصِلَةُ الْاِخْوَانِ بِعِشْرِیْنَ وَصِلَةُ الرَّحِمِ بِاَرْبَعَةٍ وَعِشْرِیْنَ.

---

(۱) جامع احادیث شیعہ، جلد۱۸، ص ۲۸۸؛ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۳۳۱؛ وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص ۸۸، حدیث ۵

(۲) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص ۲۸۸؛ وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص ۸۸، حدیث ۳

(۳) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص ۲۸۸؛ الکافی، جلد۳، ص ۵۸۸

(۴) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص ۲۸۶؛ یہی مضمون کنز العمال، جلد۶، حدیث ۱۵۳۷۳ اور ۱۵۳۷۴، میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی نقل ہوا ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا فرمان پاک ہے کہ: صدقہ پر دس گنا، قرض پر اٹھارہ گنا، دینی بھائیوں سے میل جول رکھنے پر بیس گنا اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے پر چوبیس گنا ثواب دیا جاتا ہے۔(۱)

مذکورہ روایات کی موجودگی میں قرض کے مستحب ہونے کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

قرض دینا، ہم خرما ہم ثواب

احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ قرض دینا مومن کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ قرض اگر محض ایک معاملہ ہوتا اور قرض لینے اور دینے والے دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے تو اس انداز سے اس کی تاکید اور ستائش نہ ہوتی، بلکہ یہ ایک مستحسن امر ہونے کی وجہ سے ہی مستحب قرار پایا ہے۔ اسی طرح نیکی کا حکم دینے والی تمام آیات وروایات بھی اس کے مستحب ہونے کی دلیل ہیں۔(۲)

محقق حلی فرماتے ہیں: قرض محتاج کی بلامعاوضہ مدد کے مترادف ہے۔(۳)

اگرچہ قرضہ ایک قسم کا عقد معاملہ ہے، اور قرض لینے والا قرض دینے والے کو اس کا بدل لوٹانے کا پابند ہوتا ہے اس کے باوجود یہ صرف ایک معاملہ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ نیکی اور ایثار بھی ہے۔ کیونکہ قرضہ دینے والا اپنے اموال کے منافع سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے اپنے برادر ایمانی کے حوالے کرتا ہے تا کہ وہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ وہ یقیناً آیات وروایات میں مذکور نیکی اور احسان کرنے والوں کا مصداق ٹھہرتا ہے اور خدا کے عظیم اجر وثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

قرض اور دوسرے عقود اور معاملات میں فرق

جیسا کہ عقد قرض کبھی دیگر عقود کے ساتھ مشتبہ ہوجاتا ہے، لہٰذا اسے بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے پہلے دوسرے عقود جیسے، بیع، سلف، ودیعہ، ہبہ، عاریہ، اجارہ اور ان کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں۔

---

(۱) جامع احادیث شیعہ، جلد ۱۸، ص ۲۸۶ (۲) مجمع الفائدہ والبرہان، مقدس اردبیلی، جلد ۹، ص ۵۶

(۳) شرائع الاسلام، جلد ۲، کتاب القرض، ص ۸۳

۱۔ قرض اور بیع

خرید و فروخت ایسا عقد ہے جس میں مال بیچنے والا اور خریدار دونوں اپنی رضامندی سے اپنا مال ایک دوسرے کو دیتے ہیں، اور عقد مکمل ہونے کے بعد بیچنے والا قیمت کا اور خریدار مال کا مالک بنتا ہے۔

خرید و فروخت میں عوضین میں سے ہر ایک جنس بھی ہوسکتا ہے اور نقد بھی البتہ معاملہ میں مبیع (جس مال پر معاملہ ہورہا ہے) کا عین ہونا لازمی ہے، کیونکہ منفعت کی خرید و فروخت نہیں کی جاسکتی بلکہ اسے اجارہ پر دیا جاتا ہے۔ البتہ مبیع کا عین شخصی ہونا بھی لازم نہیں ہے بلکہ کلی معین اور کلی ذمہ بھی قیمت یا مال واقع ہوسکتے ہیں۔

بیع میں عام طور پر کسی چیز کا معاملہ اپنی ہم جنس چیز کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور شیشہ کے ایک گلاس کو اسی خصوصیات کے حامل دوسرے گلاس کے بدلے خرید و فروخت نہیں کیا جاتا۔ اس کے برعکس قرض میں انسان پیسہ یا کسی چیز کو اسے یا پھر اسی جنس کی چیز کو وقت مقررہ میں لوٹانے کی شرط کے ساتھ دوسرے کے اختیار میں دے دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خرید وفروخت کے معاملہ میں طرفین ایک خاص مقصد کے لئے لین دین کرتے ہیں۔ بیچنے والا قیمت اور مشتری مال کا محتاج ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں یہ تبادلہ واقع ہوتا ہے، اس کے برعکس قرض میں ہم جنس اشیاء کے درمیان تبادلہ ہوتا ہے اور اصلی ہدف (اگر یہ سود سے آلودہ نہیں ہے تو) قرض لینے والے کی مدد ہوتا ہے اور عام طور پر قرض دینے والے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ قرض اور سلف

مدت والے مال کو ابھی قیمت ادا کرنے کے عوض خریدنے کو سلف یا سلم کہتے ہیں (آسان لفظوں میں سلف یا سلم میں ادائیگی پہلے اور مال بعد میں لیا جاتا ہے) اس کے برعکس بیع نسیہ میں مال ابھی اور قیمت مدت دار ہوتی ہے (یعنی مال پہلے اور قیمت بعد میں دی جاتی ہے)۔

بیع سلف میں عام طور پر بیچنے والا مدت والی چیز کو نقد قیمت کے عوض فروخت کرتا ہے اور معاملہ کے بعد اس کی قیمت وصول کرتا ہے اور مقررہ وقت میں اس چیز کو مشتری کی تحویل میں دیتا ہے۔ اس معاملہ میں مال اور قیمت دونوں ایک ہی جنس سے ہوسکتے ہیں۔ اگر دونوں اشیائے ربوی اور ہم جنس ہوں تو یہ معاملہ سودی کہلائے گا اور اگر ہم جنس نہ ہو تو بعض علماء کے مطابق پھر بھی یہ معاملہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح عوضین کے لئے ضروری ہے کہ وہ سونا اور چاندی بھی نہ ہوں کیونکہ ان دونوں میں مجلس عقد ہی میں قبضہ

لینا اور دینا شرط ہے۔
لیکن قرض میں رقم یا جنس کسی ایسے شخص کو دی جاتی ہے جس سے ایک مدت کے بعد اسی کی جنس کی رقم یا چیز کو واپس لیا جاتا ہے۔اس کے صحیح ہونے میں کوئی فرق نہیں کہ وہ اشیاء ربوی ہوں یا غیر ربوی اور چاہے سونا چاندی ہوں یا ان کے علاوہ دیگر چیزیں۔

۳۔ قرض اور امانت

امانت ایسا معاملہ ہے جس میں امانت رکھوانے والا ''موِدع'' اپنا مال کسی دوسرے ''مستودع'' یعنی امین کے حوالے کر دیتا ہے، تا کہ وہ اس کی حفاظت کرے۔امانت میں مال، مالک کی ملکیت میں باقی رہتا ہے۔اس کے برعکس قرض میں مال قرض دینے والے کی ملکیت سے خارج ہوتا ہے۔
امین مال کا ضامن نہیں ہوتا اور اگر امین سے بغیر کسی افراط وتفریط کے مال ضائع ہوجائے تو وہ اس کا ضامن نہیں۔امین، مالک کی اجازت کے بغیر مال میں کوئی تصرّف نہیں کرسکتا جبکہ قرض لینے والا مال کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد اس کا مالک بنتا ہے اور اس میں جیسے چاہے تصرف کرسکتا ہے۔
قرض میں مال پر قبضہ کرتے ہی لینے والا اس کی قیمت یا مثل کا ضامن بنتا ہے۔حتیٰ کہ اگر اصل مال موجود بھی ہو تب بھی مالک کی طرف سے مطالبہ کی صورت میں اسی مال کو واپس کرنا ضروری نہیں،اس کے برعکس امانت میں مالک جب بھی مطالبہ کرے امین پر پہلی فرصت میں اسے مالک کے حوالے کرنا واجب ہے۔
امانت میں امین مال کی حفاظت کے بدلے مالک سے اجرت کا مطالبہ کرسکتا ہے اسی طرح ''موِدع'' امانت رکھوانے والا بھی امین کو اپنے مال کو استعمال کی اجازت دیتے ہوئے اس سے اس کا بدل لینے کی شرط کرسکتا ہے۔(۱)
(البتہ یہ اس وقت جائز ہے جب اسے سود سے فرار کا ذریعہ نہ بنائے) جبکہ قرض میں،قرضہ دینے والے کی طرف سے اضافی ادائیگی کے لئے کی جانے والی کسی قسم کی شرط جائز نہیں ہے۔

۴۔ قرض اور ہبہ

ہبہ کی دو قسمیں ہیں: ''ہبہ معوّضہ'' اور ''ہبہ غیر معوّضہ''. بغیر کسی عوض کے اپنا مال کسی اور کی

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد۲،ص۶۱۶،مسئلہ۶

ملکیت میں دینا ہبہ غیر معوضہ کہلاتا ہے۔ ہبہ کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ قرض کی طرح مال قبضے میں لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے خونی (نسبی) رشتہ داروں کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس کے بعد واپس نہیں لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ غیروں کو ہبہ کرنے کی صورت میں اگر اصل مال موجود ہو تو واپس لے سکتا ہے۔ جبکہ قرض میں قرض لینے والے کے ہاتھ میں مال آتے ہی وہ اس کا مالک بن جاتا ہے اور قریبی رشتہ دار ہو یا غیر، اصل مال موجود ہونے کے باوجود مقررہ وقت سے پہلے وہ قرضہ لوٹانے سے انکار کرسکتا ہے۔ اور اگر قرض مدت والا نہ ہو یا پھر بعض فقہا کی رائے کے قائل ہوجائیں کہ قرض میں مدت کی شرط ہونے کے باوجود یہ مال (جس کی فی الفور ادائیگی ضروری ہو) شمار ہوتا ہے اسوقت قرض دینے والا جب چاہے قرض کی مثل یا قیمت کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

ہبہ معوضہ میں مال موہوب (جس مال کو ہبہ کیا جارہا ہے) کا ''عین'' ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ دَین کو بھی ہبہ کیا جاسکتا ہے جبکہ دَین کو قرض پر دینا صحیح نہیں ہے۔

ہبہ معوضہ میں موہوب لہ (جس کے لئے مال ہبہ ہو) اس کے عوض میں ہبہ کرنے والے "واہب" کے لئے کسی بھی مالیت کی کوئی چیز دے سکتا ہے اس طرح اسے کسی نہ کسی طرح کا فائدہ وغیرہ پہنچا سکتا ہے۔

ہبہ غیر معوضہ کے برعکس ہبہ معوضہ عقد لازم ہے اور واہب ہبہ سے رجوع کا حق نہیں رکھتا ہے۔

ہبہ معوضہ میں ہبہ کے عوض میں دی جانے والی چیز کے لئے ضروری نہیں کہ وہ مال موہوب جیسی ہو یا قیمت میں دونوں برابر ہوں، بلکہ اس سے قیمتی یا کم قیمت والی چیز کو بھی دے سکتے ہیں۔ مگر قرض میں چونکہ عقد قرض لازم ہے اس لئے اس کا عوض اس کے ہم جنس مال یا مساوی قیمت ہونی چاہیئے۔

۵۔ قرض اور عاریہ

عاریہ بھی عقود میں سے ایک ہے جس میں عاریہ دینے والا اپنا مال دوسرے کو بلاعوض استعمال کے لئے دیتا ہے۔ عاریہ میں قرض کے برعکس اصل مال مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا ہے اور جسے عاریہ کے طور پر دیا گیا ہے وہ اسے صرف جائز کاموں میں استعمال کرسکتا ہے۔ البتہ صرف ان اشیاء کو عاریتاً دیا جاسکتا ہے جو استعمال کرنے سے ختم نہیں ہوتیں۔ جیسے برتن، فرش اور دوسرے قابل نقل اشیاء وغیرہ۔ جبکہ استعمال سے ختم ہونے والی چیزیں جیسے روٹی، میوہ اور کھانے پینے کی اشیاء کو عاریتاً دینا نہیں ہے۔ قرض میں اصل مال کو قبضے میں لیتے ہی قرض لینے والا اس کا مالک بن جاتا ہے اور اس مال میں ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے۔ اسی لئے قرض کا موضوع عاریہ سے کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ قرض میں ان چیزوں کو بھی

بطور قرض دیا جاسکتا ہے جو استعمال سے زائل ہوتی ہیں۔ کیونکہ قرض میں مال اور عاریہ میں منفعت کو دوسرے کی ملکیت میں دی جاتی ہے۔

عاریہ میں عاریہ لینے والا منفعت کا مالک ہوتا ہے اور بغیر کسی عوض کے اسے استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے اور استعمال کے بعد اصل مال کو واپس کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر اصل مال بغیر کسی افراط وتفریط کے اس سے کھو جائے یا ختم ہو جائے تو سونا اور چاندی کے علاوہ دوسری چیزوں میں وہ ضامن بھی نہیں ہوتا ہے البتہ اگر عاریہ دیتے ہوئے ضمان کی شرط ہوئی ہے تو اس وقت وہ ضامن ہوگا۔ مگر سونا اور چاندی کے عاریہ میں جب تک عدم ضمان کی شرط نہیں ہوتی وہ ضامن ہوتا ہے۔ قرض میں، قرض لیتے ہی چاہے اس مال کو استعمال کرے یا نہ کرے اور اصل مال چاہے باقی ہو یا نہ ہو مثل یا قیمت کا ضامن ہوتا ہے۔

۶۔ قرض اور اجارہ

اجارہ ایک ایسا عقد ہے جس میں کسی چیز کی منفعت یا کسی انسان کا عمل معیّن اجرت کے عوض کسی دوسرے کی ملکیت میں آجاتا ہے۔ جیسے کرایہ کے عوض گھر کی منفعت یا مزدوری کے عوض انسان اپنا عمل یا خدمت کسی دوسرے کی ملکیت میں دے دیتا ہے۔

عاریہ کی طرح اجارہ میں بھی ان چیزوں کو اجارہ پر دینا صحیح ہے جو استعمال کرنے سے ختم نہیں ہوتی ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ عاریہ میں استعمال مفت جبکہ اجارہ میں عوض کے بدلے ہوتا ہے۔ اجارہ بھی اس جہت میں قرض سے مختلف ہوتا ہے کہ استعمال سے ختم ہونے والی اشیاء جیسے کھانے پینے کی چیزیں جو استعمال کرنے سے ختم ہوتی ہیں ان میں اجارہ نہیں ہوسکتا۔

عاریہ کی طرح اجارہ میں بھی اصل مال مالک کی ملکیت میں باقی رہتا ہے جبکہ مستاجر کے ہاتھ میں یہ امانت کی صورت میں ہوتا ہے اور وہ اس کی منفعت کے عوض اجرت ادا کرتا ہے اور اگر اجارہ کا مال کسی تفریط کے بغیر اس سے زائل ہو جائے تو مستاجر ضامن نہیں ہوتا ہے جبکہ قرض میں مال کی ملکیت قرض لینے والے کی طرف منتقل ہوتا ہے اور وہ جیسے چاہے اسے استعمال کرسکتا ہے اور اس مال کی مثل یا قیمت کا ضامن ہوتا ہے چاہے اصل مال باقی رہے یا نہ رہے اور قرض دینے والا قرض پر اجرت لینے کا حق نہیں رکھتا ہے۔ لہٰذا نقود کے معاملے میں قرض کو ان کا اجارہ شمار نہیں کیا جاسکتا۔ (۱)

(۱) مزید مطالعہ کے لئے رجوع کریں: جواہر الکلام، الحدائق الناضرہ، تحریر الوسیلہ اور منہاج الصالحین

قرض کا حکم:

قرض، عقودِ معاوضہ میں سے ہے جس کی دو اطراف ہیں: قرض خواہ (قرض دینے والا) اور مقروض (قرض لینے والا)۔اس کے بعد ہم قرض کے احکام کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔

قرض دینا:

روایات کے مطابق مومن کو قرض دینا احسان اور نیک عمل کے مصادیق میں سے ہے جس کا ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے یقینی طور پر ایک مستحب عمل شمار ہوتا ہے۔اور جیسا کہ مفتاح الکرامہ میں ہے کہ قرض کا مستحب ہونا اجماعی بلکہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔(۱)

حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں: بندہ مومن کو خصوصاً حاجت مندوں کو قرض دینا ان مستحبات میں سے ہے جن کی بہت تاکید ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے مومن کی ضرورت پوری اور اس کی مشکل دور ہوتی ہے۔(۲)

اگر کوئی مومن اپنے اور اپنے اہل خانہ کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کے لئے کسی سے قرضہ مانگے تو اسے قرض دینا واجب ہے۔اس سلسلے میں کوتاہی جائز نہیں۔اس کے برعکس حرام کام کے لئے قرض دینا جیسے شراب بنانے کے لئے سرمایہ کاری کرنا یا ظالم کو قرض دینا کہ وہ اس کے ذریعے ظلم کرتا پھرے، حرام ہے۔(۳)

غیر محتاج کو، جیسے کسی دولت مند مومن کو مباح کام کے لئے قرض دینا بھی مستحب ہے کیونکہ قرضہ دینے کا مقصد صرف اقتصادی مسائل کو دور کرنا نہیں بلکہ اسلامی معاشرہ میں الفت ومحبت اور بھائی چارے کو فروغ دینا اور اتحاد ووحدت کو مضبوط کرنا بھی اس کے اہداف میں سے ہیں۔

قرض دینا ایک نیک عمل ہے، لہٰذا اسے قصد قربت کے ساتھ انجام دینا چاہئے، تاکہ اجر وثواب میں مزید اضافہ ہوسکے لیکن بعض علما فرماتے ہیں کہ: قرض کے ثواب کا صدقہ کے ثواب سے بھی زیادہ ہونا خدا کا خصوصی فضل "تفضل الٰہی" ہے۔ اگر کوئی قرض لینے والے سے زیادہ مال ملنے کی نیت سے قرض

---

(۱) مفتاح الکرامہ، جلد۵، ص۳۱

(۲) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۶۵۲

(۳) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۴۹۶-۴۹۷

دیتا ہے،تو خدا کے ہاں اس کے لئے کوئی اجر نہیں البتہ اسلامی متون میں ایسے قرض کو حلال سود سے تعبیر کیا گیا ہے:

قَالَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ : اَلرِّبَا رِبَاءَ انِ رِباً حَلَالٌ وَ الْآخرُ حَرَامٌ فَأَمَّا الْحَلَالُ فَهُوَ أَنْ يُقْرِضَ الرَّجُلُ أَخَاهُ قَرْضاً طَمَعاً أَنْ يَزِيْدَهُ وَيُعَوِّضَهُ بِأَكْثَرَ مِمَّا يَأْخُذُهُ بِلَا شَرْطٍ بَيْنَهُمَا فَإِنْ أَعْطَاهُ أَكْثَرَ مِمَّا أَخَذَهُ عَلَىٰ غَيْرِ شَرْطٍ بَيْنَهُمَا فَهُوَ مُبَاحٌ لَهُ وَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابٌ فِيْمَا أَقْرَضَهُ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ : فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ .

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ : سود کی دو قسمیں ہیں: حلال سود اور حرام سود۔اپنے (دینی) بھائی کو قرض دیتے ہوئے شرط کئے بغیر اضافی رقم کی امید کے ساتھ قرض دینا حلال سود ہے۔اگر وہ کسی شرط کے بغیر اضافی رقم کے ساتھ لوٹائے تو قرض دینے والے کے لئے اسے کھانا جائز ہے مگر خدا اسے اس قرض کے بدلے کوئی ثواب نہیں دے گا۔یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ: فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ (۱) اللہ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا ہے (۲)۔

قرض دینا بذات خود مستحب ہے اور بعض مقامات میں واجب، حرام اور مباح بھی ہوتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ: قرض دینے والے کو یہ علم ہو کہ قرض لینے والا اسے مکروہ کام میں استعمال کرے گا تو اس وقت اسے قرض دینا مکروہ ہے۔البتہ یہ اس وقت صحیح ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ مکروہ کام میں مدد اور تعاون کرنا بھی مکروہ ہے،جبکہ اس بات کو ہم بطور مطلق قبول نہیں کر سکتے،کیونکہ یہ مفروضہ قابل اشکال ہے۔غیر محتاج کو قرض دینا مستحب ہے مگر خود اس کے لئے قرضہ لینا مکروہ ہے۔

اگر دو ضرورت مند افراد میں سے ایک زیادہ محتاج ہو تو کم احتیاج رکھنے والے کو قرض دینا مکروہ نہیں ہے۔کیونکہ اس طرح کے موارد میں دونوں کو قرض دینا مستحب ہے،اور جو زیادہ ضرورت مند ہے اسے قرض دینا زیادہ مستحب ہے۔

قرض لینا:

قرض لینا بذات خود مکروہ کام ہے اور متعدد روایات میں قرض لینے سے منع کیا گیا ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِيَّاكُمْ وَالدَّيْنَ فَإِنَّهُ شَيْنٌ لِلدِّيْنِ .

---

(۱) سورہ روم، آیہ ۳۹

(۲) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۱۵۶، حدیث ۱۳

قرض سے بچو اس لئے کہ قرضہ لینا تمہارے دین کے لئے ننگ و عار کا باعث ہے۔(۱)

اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے اکثر فقہاء قرض لینے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔(۲)

درج ذیل شرائط کی موجودگی میں قرض لینے کی کراہت کی شدت میں کمی آتی ہے:

۱۔ انسان کی ضرورت کے اہم ہونے کے حساب سے قرضہ کی کراہت میں کمی آتی ہے۔ مجبوری میں نہ صرف یہ کہ قرض لینا مکروہ نہیں بلکہ کبھی واجب ہو جاتا ہے۔

۲۔ جس کے پاس قرض چکانے کے لئے پیسے موجود ہوں، مثلاً کوئی مسافر دوران سفر اپنے ساتھیوں سے قرض لیتا ہے لیکن گھر واپس آکر انہیں ادا کر سکتا ہے۔

۳۔ قرض لینے والے کا ولی اگر اس کا قرض چکاتا ہے تو قرض لینا مکروہ نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ائمہ معصومین علیہم السلام سے کئی روایات نقل ہوئی ہیں چنانچہ ان میں سے ایک کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

سماعہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: فرزند رسولؐ! میرا ایک دوست مقروض ہے اس کے پاس تھوڑا سا مال ہے جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی کی گاڑی چلاتا ہے۔ کیا وہ اس مال سے قرض چکانے کے بجائے اسے اپنے اہل وعیال پر خرچ کر سکتا ہے، اور جب بھی فراخی حاصل ہو تو قرض ادا کرے؟ اور کیا وہ اس پریشانی اور کسمپرسی سے نکلنے کے لئے قرض لے سکتا ہے یا پھر زکات کے ذریعے اپنی ضروریات پوری کرے؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس کے پاس موجود مال سے وہ اپنا قرض ادا کرے اور جب تک قرض چکانا ممکن نہ ہو وہ لوگوں کے مال سے اپنی زندگی نہ چلائے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ .

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارتی لین دین ہو۔(۳)

مومن کے پاس جب تک قرضہ ادا کرنے کے لئے پیسے نہ ہوں یا پھر اس کا ولی اس کی طرف سے قرض ادا نہیں کرتا وہ دوبارہ قرض نہیں لے سکتا، چاہے اسے مجبور ہو کر بھیک کیوں نہ مانگنا پڑے اور لوگ اسے ایک لقمہ دو لقمہ کھانا کھلائیں یا پھر ایک دو دانہ کھجور سے اس کی مدد کریں۔(۴)

---

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۲۷۲، حدیث ۱

(۲) مفتاح الکرامہ، جلد ۵، ص ۲ (۳) سورہ نساء، آیت ۲۹

(۴) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۲۸۱، حدیث ۳۳؛ الکافی، جلد ۵، ص ۹۵

اس حدیث کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے کہیں سے مال ہاتھ لگنے کی امید نہیں اور نہ اس کا کوئی ولی ہے اور اگر یہ بھی تو قرض چکانے کی قدرت نہیں رکھتا ہے تو اُسے چاہئے کہ خمس، زکات اور دیگر صدقات وخیرات کے ذریعے اپنی ضروریات پوری کرے۔

بعض عبادات اور نیکی کے کاموں میں باوجود اس کے کہ انہیں بجا لانا ضروری نہیں پھر بھی قرض لینا مکروہ نہیں ہے۔حج کے لئے قرض لینا مستحب ہے روایات میں صدقہ دینے اور شادی کے لئے قرض لینے کا حکم ہوا ہے:

عَنْ يَعْقُوبِ بْنِ شُعَيْبٍ قَالَ : سَأَلْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ رَجُلٍ يَحُجُّ بِدَيْنٍ وَقَدْ حَجَّ حِجَّةَ الْإِسْلَامِ؟ قَالَ نَعَمْ إِنَّ اللّٰهَ سَيَقْضِيْ عَنْهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ .

یعقوب بن شعیب کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو قرض لیکر حج کرتا ہے جبکہ وہ اپنا واجب حج ((حِجَّةُ الاسْلام)) ادا کر چکا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں انشاء اللہ بہت جلد خدا اس کا قرض ادا فرمائے گا۔(۱)

حج کے لئے قرض لینے کے مستحب ہونے کے بارے میں وسائل الشیعہ کے مولف نے مذکورہ روایت اور اس جیسی دوسری روایات سے استفادہ کیا ہے۔قرب الاسناد میں نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدد کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا کسی کے پاس کچھ مال ہے؟ ایک انصاری کھڑا ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس کچھ مال ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اس شخص کو ایک وسق (دوسو چوبیس تولہ کے برابر وزن) کھجور دیدو!

انصاری نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ایک مدت کے بعد انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی کھجوروں کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا: انشاء اللہ تمہیں تمھاری کھجوریں مل جائیں گی، کچھ عرصے بعد انصاری نے دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے مطالبہ کو دہرایا۔

آپؐ نے دوبارہ فرمایا: انشاء اللہ تمہاری کھجوریں مل جائینگی ! انصاری کچھ دن کے بعد تیسری مرتبہ آپ کی خدمت میں آکر اپنے مال کا مطالبہ کیا۔ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: انشاء اللہ تمہیں کھجوریں مل جائینگی! اس پر انصاری کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتنی دفعہ آپ نے انشاء اللہ فرمایا ہے؟ پیغمبراکرمؐ نے تبسم فرمایا اتنے میں آپ کا ایک صحابی آٹھ وسق کھجور لے کر آیا اور اس

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۸، ص۱۰۹، حدیث۸

انصاری کو اس کی کھجوروں کا دگنا دے دیا۔(۱)

صدقہ کے لئے قرض لینا اگر مکروہ ہوتا تو رسول اللہ اس طرح کا عمل انجام نہ دیتے۔اسی لئے بعض فقہاء نے صدقہ کے لئے قرض لینے کے مستحب ہونے پر مذکورہ روایت اور اس جیسی دیگر احادیث کے ذریعے استدلال کیا ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَىٰ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ : جُعِلْتُ فِدَاكَ يَسْتَقْرِضُ الرَّجُلُ وَيَحُجُّ ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ : يَسْتَقْرِضُ وَ يَتَزَوَّجُ ؟ قَالَ: نَعَمْ إِنَّهُ يَنْتَظِرُ رِزْقَ اللّٰهِ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً .

ابو موسیٰ کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ قرض لے کر حج کرتا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ اگر کوئی قرض لے کر شادی کرے؟ آپ نے فرمایا: اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ایسا شخص صبح وشام خدا کے رزق کا منتظر رہتا ہے۔

اگرچہ شادی کرنا ہر ایک کے لئے ہر صورت میں ضروری نہیں مگر اس کے باوجود امام علیہ السلام شادی کے لئے قرض لینے کو بطور مطلق جائز سمجھتے ہیں اور قرض کے مکروہ ہونے کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں فرماتے۔

تجارت کے لئے قرض لینا:

اب تک مصرفی قرض (یعنی اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے لئے جانے والے قرض) کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔اب ہم تجارت وصنعت میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے قرض لینے کے بارے میں گفتگو کریں گے کہ کیا اس میں بھی وہی سابقہ احکام جاری ہوتے ہیں یا نہیں؟

اس میں شک نہیں کہ صنعت اور تجارت کے لئے قرض لینے کا رواج مسلمانوں میں صدر اسلام سے تھا۔ائمہ معصومین علیہم السلام سے اس بارے میں متعدد روایات نقل ہوئی ہیں ان میں سے ایک روایت کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں:

maablib.org

---

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۸، ص ۳۱۰، باب استحباب القرض للصدقہ، حدیث ۱

عَنْ إِسْحَاقِ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَكُونُ لَهُ عَلَىٰ رَجُلٍ مَالٌ قَرْضاً فَيُعْطِيهُ الشَّيْءَ مِنْ رِبْحِهِ مَخَافَةَ عَنْ أَنْ يَقْطَعَ ذَالِكَ عَنْهُ فَيَأْخُذُ مَالَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونَ شَرْطٌ عَلَيْهِ . قَالَ : لَا بَأْسَ بِهِ مَا لَمْ يَكُنْ شَرْطاً .

اسحاق بن عمار نقل کرتا ہے کہ میں نے حضرت ابوالحسن علیہ السلام سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنا مال کسی کو قرض دیتا ہے اور مقروض اس ڈر سے کہ وہ کہیں اپنے مال کا مطالبہ نہ کرے، بغیر پیشگی شرط کے اس قرض کے مال کے منافع سے ایک مقدار اسے دے دیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جب قرض کے وقت شرط نہیں ہوئی ہے تو اس طرح زیادہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۱)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقروض نے تجارت کے لئے قرضہ لیا تھا تا کہ وہ اس کے ذریعے منافع کما سکے۔

صنعتی اور تجارتی قرضوں کے مصرفی قرضوں کی طرح مختلف احکام ہیں۔ انسان اگر اپنی ضروریات زندگی تجارت کئے بغیر پوری نہیں کرسکتا ہے اور اسے اپنی زندگی گزارنے کے لئے تجارت کی ضرورت ہے تو اس کے لئے قرض لینا جائز اور قرض دینے والے کے لئے قرض دینا مستحب ہوتا ہے۔ اور اگر اسکی ضرورت واحتیاج مجبوری کی حد تک پہنچ جائے تو قرض لینا اور قرض دینا واجب ہے۔ اگر انسان ضرورت مند نہیں ہے بلکہ اپنے مال وثروت میں اضافہ کے لئے قرض لیتا ہے تو اس کا قرض لینا مکروہ جبکہ قرض دینے والے کے لئے اسے قرضہ دینا مستحب ہے کیونکہ قرض کا ہدف مومن کی صرف مادّی ضروریات پوری کرنا نہیں بلکہ مومن کی مدد اور اس سے تعاون بھی ہے۔

تجارت کرنے والوں کی اکثریت تجارتی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک دوسرے سے قرضہ لیتی ہے جو کہ اقتصادی طور پر وسعت کا سبب بنتا ہے ؛ اور اگر قرض حلال کام کے لئے ہے تو قرضہ دینا بہت ثواب کا باعث ہے۔

کونسے اموال بطور قرضہ دیے جاسکتے ہیں؟

فقہ کی کتابوں میں اس پر مفصل بحث ہوئی ہے کہ کون سے اموال بطور قرضہ دیے جاسکتے ہیں ؟ اس کے لئے ایک کلی قانون جس کی جانب فقہاء نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی مقدار اور

---

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۳۲، حدیث ۱۰، ص ۳۳۱-۳۳۳ کی احادیث ۱، ۸، ۹ بھی تقریباً اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں۔

maablib.org

اوصاف معین کئے جاسکتے ہوں اسے بطور قرض دیا جاسکتا ہے۔ (۱)

فقہاء اموال کو دو حصوں، مثلی اور قیمی میں تقسیم کرتے ہیں۔ مثلی کی متعدد تعریفیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

مثلی، اس چیز کو کہتے ہیں جس کے اجزاء کی خصوصیات اس کی مالیت میں کوئی دخالت نہیں رکھتیں بلکہ اس کی مالیت اس کی تمام خصوصیات مکمل ہونے پر منحصر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعض افراد کو ضمان اور خسارت میں دوسرے افراد کی جگہ پر رکھ سکتے ہیں۔ (۲)

محقق اوّل اور بعض دوسرے فقہاء اس مال کو مثلی قرار دیتے ہیں جس کے تمام اجزا نفع اور قیمت میں مساوی ہوں۔ یعنی مثلی مال کے نصف کی قیمت دوسرے نصف کے برابر ہو اور نفع میں اس کی جگہ لے سکتی ہو اور ان دونوں کی صفات ایک جیسی ہوں اور مثلی مال کے ہر جز کی نسبت دوسرے جز سے ایسی ہی ہو۔ (۳)

فقہاء معاصر کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ مثلی اور قیمی شرعی اصطلاحات نہیں کہ جنہیں شارع مقدس کی زبان سے سنا گیا ہو یا یہ روایات سے ماخوذ ہوں بلکہ ایک عرفی اصطلاح ہے جس کی تطبیق کے لئے عرف کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ (۴)

دونوں صورتوں میں مثلی مال کی تعریف کے ساتھ قیمی مال بھی واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ: عرف کے نزدیک جو چیزیں عام طور پر ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں، جیسے گندم، جو، دالیں اور صنعتی محصولات وغیرہ یہ مثلی ہیں۔ اس کے علاوہ اشیاء جن کے مصادیق بہت کم ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں جیسے حیوانات، دستکاری اور (Antique) چیزیں یہ قیمی شمار ہوتی ہیں۔ (۵)

امام خمینیؒ تحریر الوسیلہ میں مثلی کے لئے، گندم، جو، سونا اور چاندی کی مثال بیان کرتے ہیں اور قیمی کے لئے صنعتی پیداوار جیسے بلور اور چینی کے برتن (آپ مشینی کپڑوں کو بھی صنعتی پیداوار میں شمار کرتے ہیں) اور گائے، بھیڑ اور بکری وغیرہ کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ (۶)

---

(۱) مفتاح الکرامہ، جلد ۵، ص ۳۶؛ جواہر الاحکام، جلد ۲۵، ص ۱۳

(۲) بلغۃ الفقیہ، جلد ۳، ص ۳۲۲

(۳) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۸

(۴) مصباح الفقاہہ، جلد ۳، ص ۱۵۱-۱۵۳

(۵) کتاب البیع، امام خمینیؒ، جلد ۱، ص ۳۳۲، ۳۶۰

(۶) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۳، مسئلہ ۸

maablib.org

مثلی اور قیمی مال کی تعریف واضح ہونے کے بعد ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا ان دونوں کو بطور قرض دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

مثلیات کا قرض:

مثلی کی مثل موجود ہونے اور اس کے اوصاف معین و مشخص ہونے کے بعد اگر اس کی مقدار، وزن، کیل، عدد، یا کسی اور ذریعے سے اس کی مزید تعیین و تشخیص ہو جائے تو بغیر کسی شک وشبہ کے اسے بطور قرضہ دیا جاسکتا ہے۔یہی بات کتاب تذکرہ، دروس اور غایۃ المرام میں بھی مذکور ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔(۱) مثلی اشیاء کے قرض کے درست ہونے کے بارے میں اہلسنت کے علما کا بھی اتفاق ہے اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے۔

مثلی اشیاء کو قرض پر دینے کی صورت میں اسی وقت ہی قرض لینے والا اس کی قیمت کا ضامن بن جاتا ہے۔ قرض لیتے وقت اس کی خصوصیات اور اوصاف کو واضح اور مشخص کرنا ضروری ہے۔ مثلاً گندم، جو اور دالیں وغیرہ جو مثلی ہیں مگر ان کی مختلف قسمیں ہیں جنہیں ان کی قسم بیان کرنے، رنگ اور ساخت وغیرہ کے ذریعے مشخص کیا جاسکتا ہے۔ (۲)

قرض لینے والے کے پاس قرض کی ادائیگی کے وقت اگر مقروضہ مال کی مثل موجود ہے تو اسی کو دیگا اور اگر مثل نایاب ہو جائے تو اس کی قیمت ادا کرے گا۔ قیمت ہی دینا اگر لازمی ٹھہرے تو اس کے بعد یہ بحث ہوتی ہے کہ کون سے دن کی قیمت ادا کرے گا۔ یعنی جس دن اس نے اپنے ہاتھ میں وہ مال لیا تھا یا جس دن اس کی مثل نایاب ہوئی تھی یا جس دن قرض واپس کرنے کا مطالبہ کیا تھا یا پھر ادائیگی والے دن کی قیمت ادا کرے گا؟ اس بارے میں فقہاء کے درج ذیل نظریات ہیں:

ا۔ قرض کے دن کی قیمت ادا کرے گا۔ کیونکہ قرض والے دن اگرچہ طرفین کو اس بات کا علم نہیں تھا مگر خداوند عالم کے علم یہ بات تھی کہ قرض لینے والا مقررہ وقت پر ادا نہیں کر سکے گا۔ اس لئے قرض کے پہلے دن سے وہ اس کی قیمت کا ضامن بن چکا تھا۔

اس استدلال پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مثل کے نایاب ہونے کے بارے میں خدا کا علم انتقال قیمت کا

---

(۱) مفتاح الکرامہ، جلد ۵، ص ۳۶

(۲) مفتاح الکرامہ، جلد ۵، ص ۳۶-۳۷؛ جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۲۲؛ تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۲

باعث نہیں بنتا کیونکہ اس کے ذمے مثل باقی رہنے اور مطالبہ یا ادائیگی کے وقت قیمت میں تبدیل ہونے کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔

۲۔ مثل کے نایاب ہونے کے دن کی قیمت ادا کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ قرض لیتے ہی وہ مثل کا ضامن بنتا ہے مگر جیسے ہی مثل نایاب ہوتی ہے وہ قیمت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس استدلال پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب مثل نایاب ہوئی تھی اس وقت ادائیگی واجب نہیں تھی۔ چنانچہ مثل، ادائیگی یا مطالبہ کے وقت تک اس کے ذمہ واجب الادا ء رہتی ہے۔ قانون استصحاب بھی اس کا تقاضا کرتا ہے۔

۳۔ مطالبہ کے دن کی قیمت ادا کرے گا کیونکہ قرض خواہ کے مطالبہ کے ساتھ مثل، قیمت میں تبدیل ہو جاتی ہے کیونکہ مثل کی ادائیگی ممکن نہیں رہی۔

مذکورہ استدلال پر یہ اشکال ہوا ہے کہ مطالبہ کا ادائیگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور قرض (کی چیز) کا عوض، ادائیگی کے ساتھ معین ہو جاتا ہے اور ادائیگی درحقیقت مال مثل کو قیمت کے بدلے معاملہ کرنے جیسا ہے۔ اس لئے مقروض پر صرف ادائیگی والے دن کی قیمت ادا کرنا لازم ہے۔ شیعہ فقہا کی اکثریت کی یہی رائے ہے۔ (۱)

صاحب ریاض المسائل جیسے بعض فقہاء احتیاط کی بناء پر کہتے ہیں کہ قرض لینے والا، قرض کے دن سے ادائیگی تک کے دوران کی بڑھی ہوئی قیمت ادا کرے گا۔ (۲)

قیمیات کا قرض

قیمیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

الف: وہ مال جس کی مثل موجود ہی نہیں مگر اس کی مقدار اور صفات قابل تشخیص ہیں اور جو بھی خصوصیت قیمت کے اتار چڑھاؤ میں کردار ادا کرتی ہے اسے گن سکتے ہیں اور ادائیگی کے وقت مکمل طور پر اس کے ذریعے بری الذمہ ہوا جا سکتا ہے ایسے مال کا قرضہ دینا صحیح ہے۔ چنانچہ صاحب جواہر فرماتے ہیں کہ جس مال کی مقدار اور اوصاف قابل تشخیص اور تعیین ہیں اسے بطور قرض دینا صحیح ہے۔ بلکہ اس کے

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۸؛ مفتاح الکرامہ، جلد ۵، ص ۴۸؛ تحریر الوسیلہ، جلد ۲، ص ۱۸۱

(۲) ریاض المسائل، سید علی طباطبائی، جلد ۱، ص ۵۷۷

بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے ،اگر اختلاف ہے تو اس کے برعکس کے بارے میں ہے۔ یعنی جس کے اوصاف و مقدار قابل تشخیص نہیں اسے بطور قرض دینا جائز نہیں ہے۔ (۱)

ب: جس مال کی مثل موجود نہ ہو اور اس کے اوصاف بھی تشخیص و تعیین کے قابل بھی نہ ہوں، جیسے جواہرات اور نقاشی وغیرہ ان کے قرض کے صحیح ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ فقہا کی اکثریت جیسے محقق اوّل ،علامہ، ابن ادریس، محقق ثانی، شہید ثانی، صاحب جواہر اور متاخرین و معاصرین کی ایک بڑی اکثریت اس کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔ (۲)

جبکہ شیخ طوسیؒ غیر قابل تشخیص قیمی اشیاء میں قرض کو صحیح نہیں سمجھتے۔

محقق شرائع الاسلام میں فرماتے ہیں کہ منفرد اور نا قابل تشخیص صفات والے جواہرات کے بارے میں اگر ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ قرض لینے والا اس کی قیمت کا ضامن ہے تو اس کے قرض کا جائز ہونا زیادہ سزاوار ہے۔ (۳)

قیمیات میں قرض کی ادائیگی کی کیفیت:

مشہور علماء کے مطابق قیمی اشیاء کو قرض پر دینے کی صورت میں قرض لینے والا مال کو قبضہ میں لینے کے دن کی قیمت کا ضامن ہوتا ہے، لہٰذا اسے ادائیگی کے وقت اسی دن کی قیمت ادا کرنی چاہئے اور مطالبہ یا ادائیگی والے دن کی قیمت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

صاحب جواہر مشہور علما کے اس قول کہ قیمیات میں قرض لینے والا اس کی قیمت کا ضامن ہوتا ہے، کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قرض اگرچہ طرفین کی رضایت پر موقوف ہے اس کے باوجود یہ ضمانت کی قسموں میں سے ایک ہے اور اصل مال کے تلف ہونے یا نہ ہونے' دونوں صورتوں میں مقروض اس کی قیمت کا ضامن ہوتا ہے نہ کہ مثل کا۔ (۴)

مشہور علماء کے قول کے مقابلے میں دوسرے نظریات بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ' تذکرہ میں فرماتے ہیں: قرض اگر مثلی ہے تو تمام فقہاء کے مطابق اس کی مثل واپس کرنا واجب ہے لیکن اگر مثلی

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۳

(۲) مفتاح الکرامہ، جلد ۵، ص ۳۸؛ جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۲۲؛ وسیلۃ النجاۃ، سید ابو الحسن اصفہانی، جلد ۲، ص ۵۳؛ تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۲

(۳) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۹

(۴) جواہر الکلام، ص ۱۹

نہیں ہے مگر اوصاف کے ذریعے انہیں تشخیص دیا جاسکتا ہے جیسے حیوان، لباس وغیرہ تو بنابر قول صحیح قرض لیتے مقروض اس کا ضامن بن جاتا ہے۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اونٹ کسی سے بطور قرض لیا اور اس کے بدلے اسے اونٹ ہی واپس کیا۔ یہ شافعیوں کا نظریہ ہے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ قیمیات کے قرض میں باب اتلاف (مال تلف ہونے کی طرح) کی مانند اس کی قیمت اس کے ذمے آتی ہے۔ جبکہ قرض اور تلف ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

علامہ حلیؒ، ان دونوں کے فرق کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: قیمی اشیاء اگر قابل تشخیص نہیں تو جواہرات کی طرح ان کا بھی معاملہ سلف نہیں کیا جاسکتا، اس کی قیمت مقروض کے ذمہ آتی ہے۔ (۱)

علامہ حلیؒ، صاحب جواہر کا قول نقل کرنے کے بعد محقق کے نظریہ ((قیمی اشیاء میں بھی اگر ہم قائل ہوجائیں کہ مثل اس کے ذمہ آتی ہے تو یہ قول بہتر ہے)) کے ذیل میں کہتے ہیں کہ: حق اور انصاف یہ ہے کہ یہ قول قوت سے خالی نہیں ہے کیونکہ چیز کی مثل کا قرض لینے والے کے ذمہ آنا قرض کی بنیاد ہے۔ روٹی بطور قرضہ لی جانے والی حدیث اس نظریہ کو تقویت پہنچاتی ہے۔ کیونکہ بنابر احتمال قوی، روٹی قیمی اشیاء میں سے ہے اسی لئے اس کے تلف ہونے کی صورت میں مقروض اس کی قیمت کا ضامن بنتا ہے۔ لہٰذا احتیاط کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ (۲)

البتہ بہت سے موارد میں اس طرح احتیاط کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ کیونکہ جس بات کی جانب صاحب جواہر نے اشارہ کیا ہے کہ قیمی چیز کے لئے ایسی مثل کا ڈھونڈنا جس کی قیمت میں اس کی تمام صفات برابر کی شریک ہوں، بہت مشکل کام ہے اور اس قسم کے نادر فرض کو فقہی احکام کے لئے بنیاد قرار نہیں دے سکتے۔ (۳)

بہترین تعریف کے مطابق جس چیز کی مثل عام طور پر موجود ہو وہ عرف کی نظر میں مثلی ہے اور جس کی مثل کہیں نہیں پائی جاتی، وہ قیمی ہے۔ (۴)

پس کسی چیز کو قیمی فرض کرنے کے بعد کہ عام طور پر اس کی مثل نہیں ملتی ہے ہم یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ مقروض اس کی مثل کا ضامن ہے۔ عرف کی نظر میں قرض کے اندر اس قسم کی مشکل بات مدنظر نہیں ہوتی۔

---

(۱) تذکرۃ الفقہاء، علامہ حلی، جلد۲، ص ۵: جواہر الکلام، جلد۲۵، ص ۲۰

(۲) جواہر الکلام، جلد۲۵، ص۲۱

(۳) جواہر الکلام، جلد۲۵، ص۲۱

(۴) کتاب البیع، جلد۱، ص۳۳۲ و ۳۶۹

بعض فقہاء مشہور کے قول کے برعکس قیمی اور مثلی دونوں کو بطور قرض دینا صحیح سمجھتے ہیں۔ بعض فقہاء جیسے صاحب قاموس الرجال قیمیات کے قرض کے صحیح ہونے کے بارے میں شک کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: حیوانات جیسی چیزیں جن کے اجزا قیمت کے اعتبار سے مساوی نہیں ہیں' یہ قیمت کے بطور قرض دینا نہیں ہے کیونکہ جس عقد کے ضمن میں کوئی بھی چیز قیمت کے عوض کسی دوسرے کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، وہ قرض نہیں بلکہ بیع (خرید وفروخت) ہے۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ میں عرف سے رجوع کیا جانا چاہئے۔ یعنی عرف جس چیز کے قرض کو صحیح سمجھے، اس کے اجزا اگر قیمت کے اعتبار سے مساوی نہ بھی ہوں، تب بھی ہم اس کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ بہرحال کسی چیز کو اس کی قیمت کے بدلے بطور قرض دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ قرض کہتے ہی اُس چیز کی مثل کے پلٹانے کو ہیں جسے بطور قرض لیا گیا ہے۔(۱)

معدود (وہ چیزیں جو شمار کی جاتی ہیں) کے سود کی بحث میں شہید مرتضیٰ مطہری" کا نظریہ ہم نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات قابل غور ہے کہ قرض صرف مثلی اشیاء میں معقول ہے۔ اگرچہ فقہا کے درمیان مشہور ہے کہ قرض میں مثلی ہونا معتبر نہیں ہے جبکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرض میں مثلی اشیاء کو لوٹانا انسان کی ضرورت ہے جبکہ قیمی میں قرض معتبر نہیں ہے۔

مذکورہ نظریات پر اعتراضات

صاحب جواہر" فرماتے ہیں: جن اموال کی مقدار اور صفات تشخص کے قابل ہیں انہیں بطور قرض دینا صحیح ہے(۲) جبکہ شیخ طوسی اور محقق کا قول صرف ناقابل ثبت وتشخیص قیمیات کے بارے میں ہے۔ جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی تشویش کی وجہ یہ نہیں کہ قیمیات کا قرض معنی نہیں رکھتا اور عرف میں رائج نہیں بلکہ ان کی تشویش اس اشکال کی وجہ سے ہے جو اس کی صفات کے ناقابل تشخیص ہونے کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ چنانچہ محقق شرائع الاسلام میں فرماتے ہیں کہ: اگر ہم اس نظریہ کے قائل ہوجائیں کہ قرض لینے والا قیمت کا ضامن ہے تو قرض کا جائز ہونا زیادہ بہتر بات ہے۔(۳)

---

(۱) النجعۃ فی شرح اللمعہ، المعاملات، ص ۸

(۲) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۴

(۳) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۴

مذکورہ باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ قرض پر دی گئی چیز کے اوصاف اگر قابل ثبت وتشخیص ہوں تو اسے قرض پر دینے میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ قرض لینے اور دینے والے میں سے کسی کو بھی اس کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔

صاحب قاموس الرجال اور شہید مطہریؒ کے اشکالات دراصل قیمیات کا قرض ممکن ہونے کے بارے میں ہیں۔ چاہے ان کے اوصاف قابل ضبط وتشخیص ہوں یا نہ ہوں، یہ اس سلسلہ میں ایک نئی بات شمار ہوتی ہے جو قابل تحقیق وجستجو ہے۔

صاحب قاموس کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ: جس عقد کے ضمن میں کوئی بھی چیز قیمت کے عوض کسی دوسرے کی ملکیت میں چلی جاتی ہے وہ قرض نہیں بلکہ بیع (خرید وفروخت) ہے یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ قیمیات کے قرض میں قرض ہی واقع ہوتا ہے نہ بیع۔

توضیح:

قرض کی ماہیت بیع سے مختلف ہے۔ کیونکہ بیع ''مال کا مال کے ساتھ تبادلہ'' ہے(۱) یا ''عین کو مال کے عوض دینا'' (۲) ہے جبکہ قرض سے مراد، ((تملیك مال لآخر بالضمان)) (۳) اپنا مال ضمانت کے ساتھ کسی دوسرے کی ملکیت میں دینا ہے۔ یعنی بیع یا لین دین میں فروخت کنندہ اور مشتری اپنا مال ایک دوسرے کے مال کے ساتھ تبادلے کا قصد کرتے ہیں جبکہ قرض میں قرض دینے والا اور لینے والا اپنے مال کو دوسرے کے ساتھ تبادلے کا قصد نہیں کرتے بلکہ قرض دینے والا اصل مال یا اس کی مثل کو لوٹانے کی ذمہ داری لینے کی شرط کے ساتھ اپنا مال قرض لینے والے کی ملکیت میں دیتا ہے۔ چونکہ عقود کے لئے قصد وارادہ ضروری ہے اس لئے عقد کے طرفین کا قصد اس کی ماہیت میں تاثیر رکھتا ہے اور بعض صورتوں میں صیغہ سے قطع نظر دو مختلف عقد دونوں طرف کے قصد کے ساتھ، ممکن ہے عقد کے طرفین کی طرف لوٹ جائے مثلاً ۱۰ میٹر کپڑے کو اسی جنس کے ۱۰ میٹر کپڑے کے ساتھ ایک ماہ کی مدت کے لئے نسیہ معاملہ کرنے کا قصد کرے پھر اسی کپڑے کو ایک ماہ کے لئے قرض پر دیا جائے تو اس میں بنیادی فرق متعاقدین کے قصد میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں ''مال کا مال کے ساتھ تبادلہ'' کرنے کا ارادہ ہوا ہے

---

(۱) کتاب البیع، جلد۱، ص۱۰

(۲) کتاب المکاسب، شیخ انصاری، اوّل کتاب بیع، ص۷۹

(۳) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۶۵۱

maablib.org

اور دوسری صورت میں ((تملیك مال لآخر بالضمان)) یعنی اپنا مال ضمانت کے ساتھ دوسرے کی ملکیت میں دینے کا قصد ہے۔ چنانچہ ہم یقین سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ قیمی میں قیمت کا ضامن ہوتا ہے، اور جو معاملہ واقع ہوا ہے وہ قرض نہیں بلکہ ہر صورت بیع ہی ہے۔

دوسرے ان کا یہ کہنا کہ کسی چیز کو اس کی قیمت کے بدلے قرض پر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ قرض کا مطلب ہی اس چیز کی مثل کو لوٹانا ہے جسے قرض پر حاصل کیا گیا ہے۔ یہ صرف دعویٰ کی حد تک ہے اس کے لئے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ عرف مکمل طور پر قیمیات کے قرض سے ناواقف ہے اور نہ ہی عرف میں یہ انجام دیا جاتا ہے۔

شہید مطہریؒ کے نظریہ کا جواب: ان کا کہنا ہے کہ ''صرف مثلی اشیاء میں قرض معقول ہے''۔ جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ قیمیات میں قرض معقول نہیں ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ قیمیات میں قرض معقول نہ ہونے پر ہمارے پاس کوئی عقلی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عرف سے ہے کہ اس قسم کا قرض عرف میں معقول ہے یا نہیں۔

دوسرے یہ کہ آپ فرماتے ہیں کہ: ''قرض میں مثلی اشیاء کو لوٹانا انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔'' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ثابت ہو کہ انسان کو قیمیات کے قرض کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

ان کا یہ کہنا کہ: ''قیمی امور میں حقیقت قرض معتبر نہیں ہے'' بھی اشکال سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس سے مراد شرعی طور پر غیر معتبر ہونا ہے تو اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور شارع کی طرف سے قیمیات کے قرض سے منع بھی نہیں کیا گیا ہے اور اگر مراد عرفی قرض ہے تو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ دنیا میں کہیں بھی ایسا قرض رائج نہیں۔ ورنہ چونکہ شارع نے دوسرے عقود کی طرح عقد قرض کی بھی اجازت دی ہے تو جب تک شارع کی طرف سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی دوسرے عرفی عقود کی طرح قیمی قرض بھی جائز ہے۔

عرف قیمی اور مثلی جیسی اصطلاحات سے واقف نہیں ہے۔ فقہاء نے روایات اور عرف کے طور طریقوں میں تحقیق کر کے ان اصطلاحات کو ایجاد کیا ہے اور ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ عرف کی نظر میں قیمیات کے قرض کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ بعض لوگ (جنہیں نہ تو عقود کی ماہیت سے کوئی سروکار ہے اور نہ ان کے الفاظ سے) ممکن ہے بعض قیمی اشیاء جیسے گھر اور باغ وغیرہ کو قرض پر دینے سے اجتناب کریں، کیونکہ یہ اہم اموال شمار ہوتے ہیں جن کے تبادلہ میں غلطی یا اشتباہ ہونے کی صورت میں بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ان کے برعکس کم قیمت والی اشیاء جیسے مچھلیاں، پرندے اور پالتو جانوروں کو خصوصاً جب ان کی قیمتیں مستحکم ہوں تو بطور قرض دیتے ہیں اور انہیں قرض پر دیتے وقت ان کی مراد یہ ہو

کہ قرض لینے والا اسی نوع کی چیز لوٹانے کا ضامن ہے۔قرض لینے والا قرض کی مثل یا پھر اس کی قیمت لوٹا سکتا ہے۔یہ بھی امکان ہے کہ ((مشابہ یعنی ایک جیسی چیز)) مثلی شئے کی فقہی تعریف کے ساتھ سازگار نہ ہو اور عرفی شباہت معتبر ہو۔قرض کی چیز کی قدر و قیمت جتنی کم ہو گی عرف کی جانب سے زیادہ چشم پوشی دیکھنے کو ملے گی۔چنانچہ قیمیات کے قرض کے عدم اعتبار کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے۔روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اونٹ کسی کو قرض دیا۔روٹی کے قرض کے متعلق بھی متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔اونٹ اور روٹی بھی قیمی چیز شمار ہوتے ہیں۔

بطور قرض دی جانے والی چیزوں کی شرائط

قرض پر دی جانے والی چیز کے لئے ضروری ہے کہ وہ درج ذیل شرائط کی حامل ہو تا کہ عقد قرض صحیح ہو سکے:

۱۔ عین (اصل مال) ہو: چنانچہ چیزوں کی منفعت اور دَین وغیرہ کو قرض پر دینا صحیح نہیں ہے۔

۲۔ مملوک ہو: یعنی قابل ملکیت ہو۔بنابرایں شراب اور سور وغیرہ مسلمانوں کو قرض پر نہیں دیئے جاسکتے۔

۳۔ مال کی خصوصیات واضح بیان ہوں: مثلیات میں اس چیز کی خصوصیات اور صفات جو اس کی قیمت میں اتار چڑھاؤ اور لوگوں کی رغبت میں کمی وبیشی کا باعث بنتی ہیں مشخص و معین ہوں۔البتہ قیمیات میں اوصاف مشخص ہونا ضروری نہیں بلکہ قبضہ میں لیتے وقت کی قیمت کا علم ہونا کافی ہے۔

۴۔ معین ہو: مبہم چیز یعنی فلاں دو چیزوں میں سے کسی ایک کو قرض پر دینا صحیح نہیں ہے۔اسی طرح اس کی مقدار بھی معین ہونی چاہئے۔(۱)

---

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۶۵۲، مسئلہ۳ و ۵؛ وسیلۃ النجاۃ، حاشیہ آیۃ اللہ گلپایگانی، جلد۲، ص۱۷۶، مسئلہ۳ و۵؛ منہاج الصالحین، جلد۲، ص۱۶۹

قرض میں مدت کی تعیین

پہلی صورت:

عقد قرض میں ادائیگی کا وقت اگر معین نہیں کیا ہے تو قرض حال ہوتا ہے ۔یعنی قرض دینے والا جب چاہے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے البتہ اس کو مہلت دینا بہتر ہے تاکہ قرض لینے والا اس سہولت سے استفادہ کرسکے اور اپنی ضروریات پوری کرے۔قرض دینے والے کی طرف سے مطالبہ کرنے کی صورت میں مقروض اگر بغیر کسی تکلیف کے قرض ادا کرسکتا ہے تو اسے فوراً ادا کرنا چاہئے ،اور اگر وہ فی الحال ادا نہیں کرسکتا ہے تو مقروض کی تنگی دور ہونے تک قرض دینے والے کو صبر کرنا چاہئے۔

دوسری صورت:

عقد قرض میں ادائیگی کی مدت معین کرنے کی صورت میں کیا عقد قرض ،بیع نسیہ اور سلف کی طرح مدت والا عقد بن جاتا ہے اور قرض دینے والے کو وقت معین سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں یا پھر عقد قرض میں اس طرح کی شرائط کوئی اثر نہیں رکھتیں اور اسے مدت دار نہیں بناتی ہیں؟ اس سلسلہ میں شیعہ فقہاء کے درمیان دو مختلف نظریات پائے جاتے ہیں:

الف : عقد قرض' حال ہے

گزشتہ مشہور فقہاء کے نظریہ کے مطابق عقد قرض، عقود جائزہ میں سے ہے اور مدت کی شرط کا پابند ہونا لازمی نہیں ہے۔چنانچہ قرض خواہ جب چاہے اپنے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے۔اس نظریہ کی نسبت مشہور فقہاء کی طرف دیتے ہوئے صاحب جواہر الکلام کہتے ہیں: فیض کاشانی سے پہلے کسی نے اس مسئلہ سے اختلاف نہیں کیا صرف شہید ثانی ؒ نے مسالک میں قرض کے عقد لازم ہونے کا احتمال دیا ہے۔(۱)
کتاب خلاف(۲) ، ارشاد الاذہان،(۳) ، الجامع للشرائع،(۴) ریاض، (۵) ، لمعہ ودروس، (۶)

---

(۱) جواہر الکلام ، جلد ۲۵، ص ۳۵
(۲) کتاب الخلاف ، جلد ۳، ص ۱۷۷
(۳) ارشاد الاذہان ، علامہ حلی، تحقیق فارس الحسون، جلد ۱، ص ۳۹۰
(۴) الجامع للشرائع ، یحیٰی بن سعید حلی، ص ۲۸۱
(۵) ریاض المسائل ، جلد ۱، ص ۵۸۷
(۶) مفتاح الکرامہ، جلد ۵، ص ۵۳

میں بھی مدت کی پابندی لازمی نہ ہونے کے بارے میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

مشہور فقہاء کے نظریے کے حق میں صاحب جواہر نے کئی دلائل دیئے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ اس پر شہرت عظیم بلکہ تمام فقہاء کا اجماع ہے۔

۲۔ جن روایات میں مقروض کے مہلت دینے کو زیادہ اجر وثواب کا باعث بتایا گیا ہے وہ اس بات کی متقاضی ہیں کہ عقد قرض' عقود جائزہ میں سے ہو کیونکہ یہ روایات مہلت دینے اور قرض کے مطالبہ کے وقت کو مزید ٹالنے کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہی دلیل ہے کہ قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ تو کر سکتا ہے لیکن مہلت دینا زیادہ بہتر ہے جیسے یہ حدیث:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ:
مَنْ اَقْرَضَ مُؤْمِناً قَرْضاً یَنْظُرُ بِهٖ مَیْسُوْرَهُ کَانَ مَالُهُ فِیْ زَکَاةٍ وَکَانَ هُوَ
فِیْ صَلَاةٍ مِنَ الْمَلٰئِکَةِ حَتّٰی یُؤَدِّیَهُ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو کسی مومن کو قرض دے اور اسے آسودگی حاصل ہونے تک مہلت دے تو اسے زکات کا اجر دیا جائے گا۔ اور جب تک اسے اس کا قرض واپس نہیں ملتا وہ ملائکہ کے درود میں شامل رہتا ہے۔ (۱)

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِیْ حَدِیْثٍ قَالَ:
وَمَنْ اَقْرَضَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ کَانَ لَهُ بِکُلِّ دِرْهَمٍ اَقْرَضَهُ وَزْنُ جَبَلِ اُحُدٍ
(وَحِرَا وَ ثَبِیْرٍ) وَجِبَالِ رِضْوٰی وَطُوْرِ سِیْنَا حَسَنَاتٌ فَاِنْ رَفَقَ بِهٖ فِیْ طَلَبِهٖ بَعْدَ اَجَلِهٖ
جَازَ عَلَی الصِّرَاطِ کَالْبَرْقِ اللَّامِعِ بِغَیْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کو قرضہ دے اس کے ہر درہم کے عوض احد، حرا، ثبیر، رضوی اور طور سینا کی پہاڑی کے برابر اس کے نامہ اعمال میں حسنات (ثواب) لکھ دیے جائینگے۔ اور اگر مہلت ختم ہونے کے بعد اس کے ساتھ رعایت کرے تو بغیر کسی حساب وکتاب کے بجلی کی سی تیزی سے پل صراط سے گذر جائے گا اور اسے کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ (۲)

maablib.org

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، ص ۸۷، حدیث ۳

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، ص ۸۸، حدیث ۵

مذکورہ روایات کے مطلق ہونے میں مہلت کے وقت کا معین کرنا بھی شامل ہے۔ پس عقد قرض، عقود جائزہ میں سے ہے یعنی قرض دینے والا جب چاہے اپنے مال کا مطالبہ کرسکتا ہے اگرچہ صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

۳۔ قرض کی روایات کا اطلاق، مہلت کی پابندی کی شرط والی روایات کے اطلاق پر مقدم ہے۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں: مہلت کی پابندی شرط ہونے پر دلالت کرنے والی روایات مثلاً ((اَلْمُؤمِنُونَ عِندَ شُرُوطِهِمْ)) اور اس جیسی دوسری روایات اقتضا کرتی ہیں کہ عقد قرض میں اگر مہلت کی شرط بیان نہیں ہوئی ہے تو قرض کی روایات کے اطلاق کو مقید کرسکتے ہیں۔

صاحب جواہر اس کے جواب میں فرماتے ہیں: کہ مورد بحث میں دو طرح کی تقیید ممکن ہے:

ا۔ قرض کے جائز ہونے کی دلیل کے ذریعے شرط کے لازمی ہونے کی دلیل کو مقید کرنا۔

۲۔ لزوم شرط کی دلیل کے ذریعے قرض کے جواز کی دلیل کو مقید کرنا اور اسے قرض کی بجائے دوسرے موارد کے ساتھ مختص سمجھنا۔

پہلی تقیید دوسری سے بہتر نہیں بلکہ دوسری تقیید کئی جہتوں سے مقدم ہے۔ کیونکہ دوسری تقیید شہرت عظیم اور اجماع منقول کے عین مطابق ہے۔

اگر کسی دوسرے عقد لازم میں مدت کی شرط کی جائے تو اس عقد کا لازم ہونا شرط کی پابندی کا تقاضا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں قرض مدت دار ہوتا ہے۔ (۱)

قرض کا مدت دار ہونا

فقہائے متاخرین کی ایک بڑی تعداد جیسے فیض کاشانی (۲)، محدث بحرانی (۳)، صاحب کفایہ اور محقق اردبیلی اور فقہاء معاصر کی ایک بڑی تعداد جیسے سید اصفہانی (۴)، آیت اللہ بروجردی (۵)، آیت اللہ خوئیؒ (۶)، امام خمینیؒ (۷)، مرحوم خوانساری، (۸) اور شہید باقر الصدرؒ (۹) معتقد ہیں کہ عقد قرض یا

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۳۰-۳۲
(۲) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۳۰-۳۲
(۳) الحدائق الناظرہ، جلد ۲۰، ص ۱۳۰
(۴) وسیلۃ النجاۃ، حاشیہ آیۃ اللہ گلپایگانی، جلد ۲، ص ۱۷۹
(۵) توضیح المسائل، ص ۴۸۱
(۶) منہاج الصالحین، جلد ۲، ص ۱۷۰
(۷) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۵
(۸) جامع المدارک، جلد ۳، ص ۳۳۲
(۹) منہاج الصالحین، جلد ۲، ص ۱۸۵

دوسرے عقود لازمہ میں اس کی مدت معین کرنے کی صورت میں یہ قرض مدت دار بن جاتا ہے اور قرض دینے والے کو مقررہ مدت تک صبر کرنا چاہیے جبکہ آیت اللہ گلپایگانی " کا نظریہ ان کے برعکس ہے۔(۱)

اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے صاحب کتاب حدائق اور جامع المدارک نے درج ذیل دلائل دیے ہیں:

ا۔آیت دَین:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ.

مومنو! جب تم آپس میں کسی مقررہ مدت کے لئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔(۲)

کہا جاتا ہے کہ یہ آیت بیع نسیہ وسلف کے علاوہ قرض کو بھی شامل ہے چنانچہ صاحب جواہر کا یہ دعویٰ کہ آیت شریفہ قرض کو شامل نہیں، صحیح نہیں ہے۔

۲۔ثواب اعمال کی حدیث:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ حَدِیْثٍ قَالَ: مَنْ اَقْرَضَ وَ ضَرَبَ لَهٗ اَجَلًا فَلَمْ یُؤْتَ بِهٖ عِنْدَ ذَالِكَ الْاَجَلِ کَانَ لَهٗ مِنَ الثَّوَابِ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ یَتَاَخَّرُ عَنْ ذَالِكَ الْاَجَلِ بِمِثْلِ صَدَقَةِ دِیْنَارٍ وَاحِدٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص کسی کو قرض دے اور اس کی واپسی کی مدت معین کرے مگر مقروض وقت پر ادا نہ کرسکے تو مدت کے گذر جانے کے بعد ہر دن کے عوض اس کی جانب سے ایک دینار صدقہ شمار ہوگا۔(۳)

صاحب جواہر اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں:

یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اس کے علاوہ مشہور علماء نے بھی اس پر عمل نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ صرف قرض میں مدت کی شرط کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے۔جس کے نتیجہ میں مقررہ مدت تک ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز اور وقت مقررہ کے بعد ادا کرنا واجب ہوجاتا ہے جو کہ قرض

(۱) وسیلۃ النجاۃ، حاشیہ آیۃ اللہ گلپایگانی، جلد۲، ص ۱۶۹ و ۱۷۰

(۲) سورہ بقرہ، آیت ۲۸۲

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص ۸۷، حدیث ۱

کے لازمی ہونے (جس کا معنی مال کو تاخیر سے دینے کا واجب ہونا ہے) کے برعکس ہے جبکہ ہماری بحث لزوم قرض میں ہے۔(۱)

مرحوم خوانساری اس کے جواب میں فرماتے ہیں: روایت مدت کے صحیح ہونے اور مقررہ مدت تک ادائیگی میں تاخیر کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ قرض میں شرط کے صحیح ہونے سے مراد قرض لینے والے کے لئے ادائیگی میں تاخیر کا حق ہونا اور قرضہ دینے والے کے لئے مطالبہ کا حق نہ ہونا ہے جبکہ مشہور کے نظریے کے مطابق قرض دینے والے کے مطالبہ کے ساتھ حتیٰ کہ مہلت کے تمام ہونے سے پہلے ہی کیوں نہ ہو مقروض قرض کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کرسکتا۔

وجوب تاخیر کا یہ معنی کرنا کہ قرض اس طرح عقد لازم ہے کہ مقررہ مدت کے تمام ہونے سے پہلے اس کو ادا کرنا جائز ہی نہ ہو، یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ طرفین اپنی رضامندی سے مدت سے پہلے اگر قرض ادا کرنا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔(۲)

۳۔ حسین بن سعید کی بیان کردہ روایت:

قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ أَقْرَضَ رَجُلاً دَرَاهِمَ إِلیٰ أَجَلٍ مُسَمًّی ثُمَّ مَاتَ الْمُسْتَقْرِضُ أَيَحِلُّ مَالُ الْقَارِضِ عِنْدَ مَوْتِ الْمُسْتَقْرِضِ مِنْهُ أَوْ لِلْوَرَثَةِ مِنَ الْأَجَلِ مَا لِلْمُسْتَقْرِضِ فِی حَيَاتِهِ؟ فَقَالَ: إِذَا مَاتَ فَقَدْ حَلَّ مَالُ الْقَارِضِ.

راوی نقل کرتا ہے کہ معصومؑ سے میں نے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی دوسرے شخص کو ایک معین مدت کے لئے قرضہ دیتا ہے پھر کچھ عرصے کے بعد مقروض مرجاتا ہے کیا اس کے مرنے کے بعد قرض دینے والے کی طلب حال ہوتی ہے (یعنی وہ مقررہ مدت تمام ہونے سے پہلے اس کے ورثہ سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرسکتا ہے اور انہیں ادا کردینا چاہئے) یا پھر مقروض کے ورثہ مقررہ مدت تک ادائیگی میں تاخیر کرسکتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: مقروض جب مرتا ہے قرض کی ادائیگی فوری لازمی ہوتی ہے۔(۳)

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۳۳

(۲) جامع المدارک، جلد ۳، ص ۳۳۲

(۳) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۳۱، حدیث ۵

صاحب جواہر فرماتے ہیں: روایت کے اس حصہ (اِذَا مَاتَ فَقَدْ حَلَّ مَالُ الْقَارِضِ) "مقروض جب مرتا ہے قرض کی ادائیگی فوری ہوجاتی ہے" کے مفہوم سے ثابت ہوتا ہے کہ قرض لینے والے کی زندگی میں مدت ختم ہونے سے پہلے اس سے واپسی کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ عقد قرض کی مدت کی پابندی کا لازمی ہونا جس سے مشہور نے اختلاف کیا ہے اپنی حجیت کھو دیتا ہے۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ راوی کا سوال قرض میں مدت کی پابندی کے لازمی ہونے کے بارے میں نہیں بلکہ راوی کا سوال یہ تھا کہ مقروض کے مرنے کے ساتھ قرض کی ادائیگی فوراً ضروری ہے یا نہیں؟ اور امام علیہ السلام نے بھی اسی سوال کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ ممکن ہے روایت میں قرض سے مراد مطلق دَین یا ایسا قرض ہو جس کی مدت کسی دوسرے عقد لازم کے ضمن میں شرط ہوئی ہو۔ لہٰذا یہ مشہور کے قول کے برعکس نہیں ہے۔ (۱)

صاحب جواہر کا قول مشہور کے نظریہ کا جواب ہے ورنہ روایت کے ظاہر کے مطابق مدت معین کرنے کی صورت میں ہی اس کی پابندی لازم ہوجاتی ہے۔ کیونکہ امام علیہ السلام مقام بیان میں تھے اور اگر ظاہر روایت کے علاوہ کوئی اور آپ کا مقصود ہوتا تو امام اسے بیان فرماتے۔

محقق کرکی بھی مدت کی پابندی لازمی ہونے کی تنہا دلیل حسین بن سعید کی اسی روایت کو قرار دیتے ہیں مگر وہ فرماتے ہیں: اصحاب نے اس روایت سے چشم پوشی کی ہے اور اس کے ذریعے اس رعایت کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (۲)

۴۔ عقد اور شرط کی پابندی واجب ہونے کی دلیل:

مومنین کو عہد و پیمان کی پاسداری کی تاکید کرنے والی آیات اور روایات تقاضا کرتی ہیں کہ قرض میں معین شدہ مدت کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ .

اے ایمان والو! اپنے پیمان کو پورا کرو۔ (۳)

وَ أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا .

اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔ (۴)

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۳۳ (۲) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۳۳

(۳) سورہ مائدہ، آیت ۱ (۴) سورہ بنی اسرائیل، آیت ۳۴

حدیث رسولؐ ہے:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ .

مومنین تو اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں۔

مذکورہ دلائل قرض میں مدت کی شرط کی پابندی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان دلائل کے ہوتے ہوئے قرض کی مہلت کی رعایت کے مستحب ہونے پر دلالت کرنے والی روایات سے ہم دست بردار ہوتے ہیں اور ان روایات کو اس قرض یا دوسرے عقود پر حمل کرتے ہیں جن میں مدت کی شرط بیان نہیں ہوئی ہے۔

قرض لوٹانے کی اہمیت:

متعدد روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مقروض کو مسلسل قرض کی ادائیگی کی فکر میں رہنا چاہئے اور قرض ادا کرنے کی استطاعت ہونے کی صورت میں ادائیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ درج ذیل روایات میں اس کی وضاحت کی گئی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: مَطَلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

قرض کی ادائیگی کی قدرت رکھنے کے باوجود تاخیر کرنا ظلم ہے۔ (۱)

عَنْ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: اَيُّمَا رَجُلٍ اَتىٰ رَجُلاً فَاسْتَقْرَضَ مِنْهُ مَالاً وَفِيْ نِيَّتِهِ اَنْ لَا يُؤَدِّيَهُ فَذَالِكَ اللِّصُّ الْعَادِيُّ .

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص کسی دوسرے سے واپس نہ کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے وہ عادی چور ہے۔ (۲)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَمْطُلُ عَلىٰ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلىٰ اَدَاءِ حَقِّهِ فَعَلَيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَطِيْئَةُ عَشَّارٍ .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جو شخص قدرت رکھنے کے باوجود دوسرے کا حق ادا کرنے میں تاخیر سے کام لے تو ہر روز عشار کے گناہ کے برابر اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص۹۰، حدیث۳: جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۲۹۹، حدیث۳

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص۸۶، حدیث۵: جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۲۹۸، حدیث۹

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص۸۹، حدیث۲: جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۲۹۹، حدیث۲

عشار وہ آدمی ہے جو لوگوں سے جبراً دس فیصد ٹیکس وصول کرتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ثُمَامَۃَ قَالَ: قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ الثَّانِیْ عَلَیْہِ السَّلَامُ: اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَلْزِمَ مَکَّۃَ اَوِ الْمَدِیْنَۃَ وَ عَلَیَّ دَیْنٌ فَمَا تَقُوْلُ فَقَالَ: اِرْجِعْ فَاَدِّہٖ اِلٰی مُؤَدِّیْ دَیْنِکَ وَانْظُرْ اَنْ تَلْقَی اللّٰہَ تَعَالٰی وَ لَیْسَ عَلَیْکَ دَیْنٌ، اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَخُوْنُ ۔

ابو ثمامہ کہتا ہے: میں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں مکہ یا مدینہ میں قیام کرنا چاہتا ہوں جبکہ میرے اوپر کچھ قرض بھی ہے اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں ۔امام نے فرمایا: واپس جاؤ اور اسے اپنے وصی کے حوالے کرو جو تمہارے قرضوں کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہو اور کوشش کرو جس وقت خدا کے ساتھ ملاقات کرو تو تمہارے ذمہ کوئی قرض نہ ہو۔ اس لئے کہ مومن خیانت نہیں کرتا ہے۔(۱)

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ رِبَاطٍ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ: مَنْ کَانَ عَلَیْہِ دَیْنٌ فَیَنْوِیْ قَضَاءَہٗ کَانَ مَعَہٗ مِنَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ حَافِظَانِ یُعِیْنَانِہٖ عَلَی الْاَدَاءِ عَنْ اَمَانَتِہٖ فَاِنْ قَصُرَتْ نِیَّتُہٗ عَنِ الْاَدَاءِ قَصُرَا عَنْہُ مِنَ الْمَعُوْنَۃِ بِقَدْرِ مَا قَصُرَ مِنْ نِیَّتِہٖ ۔

علی بن رباط سے روایت ہے کہ وہ کہتا ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ: جو شخص مقروض ہو اور وہ قرض ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو خدا کی طرف سے دو فرشتے قرض کی ادائیگی میں مدد کرنے کے لئے اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور اگر وہ قرض کی ادائیگی میں سستی برتنے لگتا ہے تو خدا کے وہ دونوں فرشتے بھی اس کی مدد کرنے میں سستی برتنے لگتے ہیں۔(۲)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: لَیْسَ مِنْ غَرِیْمٍ یَنْطَلِقُ مِنْ عِنْدِ غَرِیْمِہٖ رَاضِیًا اِلَّا صَلَّتْ عَلَیْہِ دَوَابُّ الْاَرْضِ وَ نُوْنُ الْبِحَارِ وَلَیْسَ مِنْ غَرِیْمٍ یَنْطَلِقُ صَاحِبُہٗ غَضْبَانَ وَھُوَ مَلِیءٌ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ بِکُلِّ یَوْمٍ یَحْبِسُہٗ وَ لَیْلَۃٍ ظُلْمًا ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: کوئی قرض خواہ، مقروض کے پاس سے راضی خوشی واپس نہیں آتا مگر یہ کہ روئے زمین پر چلنے پھرنے والے جاندار اور سمندر کی مچھلیاں اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور کوئی مقروض ایسا نہیں جو قرضہ چکانے کی قدرت رکھنے کے باوجود قرض ادا نہ کرے اور اس کا قرض خواہ اس سے ناراض جدا ہو مگر یہ کہ خداوند عالم لوگوں کے اموال کو ناحق دبا کر رکھنے کی وجہ

maablib.org

(۱) وسائل الشیعہ جلد۱۳، ص۸۳، حدیث۲؛ جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۲۹۴، حدیث۳

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص۸۶، حدیث۳؛ جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۲۹۷، حدیث۱

سے اس کے نامہ اعمال میں ظلم کا گناہ لکھتا ہے۔(۱)

بعض روایات کے مطابق استطاعت رکھنے کے باوجود قرض ادا نہ کرنے کا گناہ اتنا بڑا ہے کہ راہ خدا میں شہادت بھی اسے دھونہیں سکتی:

عَنْ اَبَانٍ عَنْ بَشَّارٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ:

اَوَّلُ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِ الشَّهِیْدِ كَفَّارَةٌ لِذُنُوْبِهِ اِلَّا الدَّیْنَ، فَاِنَّ كَفَّارَتَهُ قَضَاؤُهُ.

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: شہید کے خون کا پہلا قطرہ قرضہ کے سوا اس کے تمام گناہوں کا کفارہ ہے کیونکہ قرض کا کفارہ اسے ادا کرنا ہے!

بعض دوسری احادیث میں ماں اور باپ کے واجب الادا قرضوں کو ادا کرنا اولاد کی جانب سے ان کے لئے بہترین نیکی شمار کیا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: اِنَّ الْعَبْدَ لَیَكُوْنُ بَارًّا بِوَالِدَیْهِ فِیْ حَیَاتِهِمَا ثُمَّ یَمُوْتَانِ فَلَا یَقْضِیْ عَنْهُمَا الدَّیْنَ وَ لَا یَسْتَغْفِرُ لَهُمَا فَیَكْتُبُهُ اللّٰهُ عَاقًّا، وَ اِنَّهُ لَیَكُوْنُ فِیْ حَیَاتِهِمَا غَیْرَ بَارٍّ بِهِمَا فَاِذَا مَاتَا قَضٰی عَنْهُمَا الدَّیْنَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمَا فَكَتَبَهُ اللّٰهُ بَارًّا.

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: بعض اولاد ماں اور باپ کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کرتی ہے مگر ان کے مرنے کے بعد ان کے قرضوں کو ادا نہیں کرتی اور خدا سے ان کی مغفرت کے لئے دعا نہیں کرتی چنانچہ خداوند عالم انہیں ماں باپ کی طرف سے عاق لکھتا ہے اور کبھی اولاد ماں اور باپ کی زندگی میں تو ان کے ساتھ نیکی نہیں کرتی ہے مگر ان کے مرنے کے بعد ان کے قرضوں کو ادا کرتی ہے اور ان کے لئے خدا سے مغفرت طلب کرتی ہے' ایسے افراد کو خداوند عالم نیک اولادوں میں شمار کرتا ہے۔(۲)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرض ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں انہیں پہلی فرصت میں اپنے قرضوں کو ادا کرنا چاہئے اور اس کی ادائگی میں بے جا تاخیر سے کام نہیں لینا چاہئے جس نے بھی ایسا کیا اس نے گویا ظلم اور خیانت کا ارتکاب کیا۔

ادائگی کا وقت آنے پر مقروض کو چاہئے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو قرض ادا کرے۔ اگر اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو اپنی شان کے مطابق کام ڈھونڈے اور اگر اس کے پاس اپنی ضروریات زندگی سے زیادہ مال ہے تو اسے فروخت کرکے اپنا قرض اتارے۔ مقروض اگر چاہے تو اپنے ضروری وسائل کو بھی بیچ

---

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۰۰، حدیث ۸

(۲) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۲۳، حدیث ۱

سکتا ہے البتہ قرض خواہ، مقروض کو ایسا کرنے کے لئے مجبور نہیں کرسکتا بلکہ اسے چاہئے کہ مقروض کو مزید مہلت دے۔ فقہی کتابوں میں اس سلسلہ میں مفصل بحث ہوئی ہے۔

قرض کیسے ادا کیا جائے؟

قرض کا مال یا تو مثلی ہے یا پھر قیمی، دونوں صورتوں میں قبضہ کے ساتھ ہی وہ مال قرض لینے والے کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور وہ بھی مثل یا قیمت کا ضامن بن جاتا ہے اور ادائیگی کے لئے مقرر کردہ وقت یا قرض دینے والے کے مطالبہ پر اسے ادا کرنا پڑتا ہے، تاکہ وہ بری الذمہ ہوسکے۔

قرض کے چند متفرق مسائل:

۱۔ قرض کا مال اگر مثلی ہو اور ادائیگی کے وقت اس کی مثل موجود اور ارزش رکھتی ہو تو مثل کی ادائیگی کے ساتھ مقروض بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر مثل کمیاب ہو تو ادائیگی والے دن کی قیمت قرض خواہ کے حوالے کی جائے۔

۲۔ مشہور کی نظر میں قیمی چیز کو قرض پر دینے کی صورت میں قرض لینے والے کے ذمہ مال کو اپنے قبضے میں لینے والے دن کی قیمت آجاتی ہے اور بعد میں اسی کو ادا کرنا چاہئے۔ مشہور کے قول کے برعکس شیخ طوسی، علامہ حلی، محقق کرکی اور دیگر کا نظریہ ہے کہ: قیمی کے اوصاف اگر قابل ضبط و تعیین ہیں تو اس کے ذمہ مثل ہی آتی ہے اور اگر اس قیمی کے اوصاف قابل تعیین نہیں تو اس کی قیمت اس کے ذمہ آتی ہے اور وہ قبض والے دن کی قیمت ادا کرے گا۔

۳۔ قرض کا اصل مال بغیر کسی خرابی کے اگر موجود ہو تو کیا اسی کے ذریعے قرض کی ادائیگی کی جاسکتی ہے؟ کیا مقروض کے لئے واجب ہے کہ وہ اسی کو واپس کرے؟ اور کیا قرض دینے والا اسے واپس لینے سے انکار کرسکتا ہے؟

حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں: قرض لینے والے پر اصل مال کو واپس کرنا واجب نہیں وہ مثل یا قیمت کا ضامن ہے، چنانچہ قرض خواہ اگر اصل مال کا مطالبہ بھی کرے تب بھی مقروض اس کو اصل مال دینے سے انکار کرسکتا ہے۔ اور اگر مقروض اصل مال کو قرض کی ادائیگی کے لئے دے تو اقوی یہ ہے کہ قرض دینے والا اسے قرض کی ادائیگی کے عنوان سے قبول کرنے سے انکار کرسکتا ہے۔(۱)

---

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۵، مسئلہ ۱۴

صاحب جواہر فرماتے ہیں: یہ کہنا بہتر ہے کہ: اگر اصل مال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے(اس کی قیمت میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو یا نہ)اور مقروض اسے مثلیات میں مثل کے عنوان سے واپس کرے تو قرض دینے والے کو اسے قبول کرنا چاہئے ۔کیونکہ یہ مال بھی اس کلی مال کے افراد میں سے ایک ہے جو مقروض کے ذمہ تھا اسی طرح سے قیمی میں بھی اگر ہم ضمان کے قائل ہوجائیں تو اسے اصل مال کو قبول کرنا چاہئے ۔لیکن اگر ہم قائل ہوجائیں کہ: اس کے ذمہ قیمت آتی ہے تو اس وقت یہ کہنا صحیح ہے کہ: اصل مال کو قبول کرنا واجب نہیں کیونکہ یہ مال اس مال سے جو اس کے ذمہ ہے، مختلف ہے کیونکہ قیمیات میں ابتدا ہی سے قیمت واجب الادا ہوتی ہے۔

علامہ حلیؒ ، احتمال دیتے ہیں کہ اصل مال کو قبول کرنا ممکن ہے واجب ہو۔ کتاب دروس میں شہید نے اس نظریہ کو صحیح قرار دیا ہے اور شیخ طوسی نے تو اس کے بارے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔وہ درج ذیل دلائل کے ذریعے استدلال کرتے ہیں:

اوّل۔ قرض مشروع کی بنیاد مقروض پر احسان کرنا ہے۔

دوّم۔ مثلی میں اصل یا قیمت ادا کرنا بہتر ہے۔ قرض میں عام طور پر اصل مال ختم ہوتا ہے اس لئے مثل یا قیمت ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اصل مال کی موجودگی میں اسی کے ذریعے ادائیگی کرنا بہتر ہے۔

سوّم۔ قیمی میں مثل ناپید ہونے کی صورت میں قیمت متعین ہوتی ہے۔ لہٰذا اصل مال کی موجودگی میں قیمت دینے کی نوبت ہی نہیں آتی ہے۔

صاحب جواہر فرماتے ہیں کہ: مذکورہ تمام دلائل کمزور ہیں۔ (۱)

۴۔ قیمیات میں دوسری اجناس کی بجائے مروجہ کرنسی (Currency) میں اس کی قیمت ادا کی جائے گی، چنانچہ مقروض اگر مروجہ کرنسی میں ادائیگی کرنا چاہتا ہے تو مالک کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسری اجناس کے ذریعے اس کی قیمت کا مطالبہ کرے، مگر یہ کہ طرفین اس معاملے پر راضی ہوں۔ پس دونوں کی رضامندی سے اگر دوسری اجناس کے ذریعے قرض کی قیمت ادا کی جائے تو صحیح ہے، بغیر رضامندی کے کسی اور جنس کا مطالبہ کرنا، چاہے اس کی قیمت برابر ہو یا کم، صحیح نہیں ۔ (۲)

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۲۹

(۲) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۵، مسئلہ ۱۲: وسیلۃ النجاۃ با حاشیہ آیۃ اللہ گلپایگانی، جلد ۲، ص ۱۷۸، مسئلہ ۱۳

۵۔ مثل کی قیمت میں اگر کمی بیشی ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا اس کی قیمت میں چاہے کئی گنا اضافہ ہی کیوں نہ ہو جائے ادائیگی کے وقت مثل ہی ادا کرے گا۔ اسی طرح اس کی قیمت چاہے کم ترین سطح پر کیوں نہ آئے مالک کو چاہئے کہ وہ مثل کو قبول کرے اور اگر مثل کی قیمت اس حد تک گر جائے کہ کوڑیوں کے داموں بکنے لگے تو اس وقت کی قیمت ادا کرے گا جس زمانے میں اس کی قیمت اچھی تھی۔ مثال کے طور پر فقہاء فرماتے ہیں کہ: گرمیوں میں برف کا ایک ٹکڑا اگر کوئی قرض پر لیتا ہے تو سردیوں کے موسم میں اسی کے برابر ٹکڑا ادا کرنے سے وہ بری الذمہ نہیں ہوگا۔ (۱)

۶۔ سونے اور چاندی کے بنے ہوئے درہم و دینار کو اگر کوئی بطور قرضہ دیتا ہے اس کے بعد اس کا رواج ختم ہو جائے اور حکومت اس کی جگہ دوسرے سکّے رائج کرے تو سوائے شیخ صدوق ؒ کے تمام فقہاء فرماتے ہیں: مقروض اسی (منسوخ شدہ درہم و دینار کے) سکہ کا ضامن ہوتا ہے اور اگر سکہ نایاب ہو جائے تو ادائیگی کے دن کی قیمت ادا کرے گا۔ (۲)

۷۔ کاغذی نوٹوں (Bank Notes) کو اگر بطور قرضہ دیا جائے اور بعد میں وہ منسوخ ہو جائیں تو مقروض اس کے منسوخ ہونے سے پہلے کی قیمت ادا کرے گا۔ (۳)

۸۔ ایک شخص کسی سے کوئی چیز قرض لیتا ہے مگر مالک کو دوسری چیز لوٹاتا ہے، مثلاً دینار قرض لیتا ہے اور درہم کے ذریعے اس کی ادائیگی کرتا ہے جبکہ درہم کی قیمت میں اس دوران اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، اگر قرض کی ادائیگی کی مد میں درہم ادا کیا ہے تو ادائیگی کے وقت درہم کی جو قیمت ہے اسی کے مطابق اس کے قرض سے منہا کیا جائے گا۔ اور اگر درہموں کو بعنوان قرض دیا ہے تو یہ مقدار اس کے ذمے آتی ہے کیونکہ قرض دینے والا مقروض سے اپنے مال کا تقاضا کرتا ہے اور مقروض اس قرض (درہم) کے ذریعے اس سے مطالبہ کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک جیسے ایک دوسرے کو اپنا مال دیا تھا اسی طرح طلب بھی کرے گا۔ (۴)

---

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۶۵۵، مسئلہ۱۳؛ وسیلۃ النجاۃ با حاشیہ آیۃ اللہ گلپایگانی، جلد۲، ص۱۷۸، مسئلہ ۱۳

(۲) جواہر الکلام، جلد۲۵، ص۶۶؛ مفتاح الکرامہ، جلد۵، ص۶۸؛ الحدائق الناظرہ، جلد۲۰، ص۱۳۲؛ تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص ۶۵۶، مسئلہ۱۹؛ وسیلۃ النجاۃ، جلد۲، ص۱۸۰؛ منہاج الصالحین، جلد۲، ص۱۷۳

(۳) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۶۵۶، مسئلہ۱۹؛ منہاج الصالحین، جلد۲، ص۱۷۳

(۴) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۵۳۲، مسئلہ ۱۳؛ ہدایۃ العباد، جلد۱، ص۳۸۶، مسئلہ۱۸۹۹؛ حکیم با حاشیہ شہید صدر، منہاج الصالحین، جلد۲، ص۴۰، مسئلہ۱۶؛ خوئی، منہاج الصالحین، جلد۲، ص۵۸؛ سیستانی، منہاج الصالحین، جلد۲، ص۸۰

اس سلسلے میں بھی ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں، ہم ان میں سے ایک یہاں نقل کرتے ہیں:

عَنْ إِسْحَاقَ بِنْ عَمَّارٍ قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ يَكُونُ لِي عَلَيْهِ الْمَالُ فَيَقْضِينِي بَعْضاً دَنَانِيرَ وَبَعْضاً دَرَاهِمَ فَإِذَا جَاءَ يُحَاسِبُنِي لِيُوَفِّيَنِي كَمَا يَكُونُ قَدْ تَغَيَّرَ سِعْرُ الدَّنَانِيرِ، أَيَّ السِّعْرَيْنِ أَحْسَبُ لَهُ الَّذِي كَانَ يَوْمَ أَعْطَانِي الدَّنَانِيرَ أَوْ سِعْرَ يَوْمِيَ الَّذِي أُحَاسِبُهُ . قَالَ : سِعْرَ يَوْمِ أَعْطَاكَ الدَّنَانِيرَ لِأَنَّكَ حَبَسْتَ مَنْفَعَتَهَا عَنْهُ .

اسحاق بن عمار نقل کرتا ہے کہ: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: کسی پر میرا قرض ہے وہ کبھی دینار اور کبھی درہم مجھے لوٹاتا ہے۔ جس وقت وہ اپنا پورا قرضہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس آتا ہے تو اس وقت دینار کی قیمت تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔ میں اس کے ساتھ کیسے حساب کروں، دیناروں کو جس دن میرے حوالے کیا تھا اس دن کے مطابق حساب کروں یا پھر تصفیہ کے دن (یعنی آج کے دن) کے مطابق حساب کروں؟ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: جس دن دیناروں کو تیرے حوالے کیا گیا تھا اس دن کے مطابق حساب کرو کیونکہ تو نے اس دن سے اسے دیناروں کی منفعت سے محروم کر رکھا ہے۔ (۱)

یہ روایت درہم کے ذریعے قرض کی ادائیگی درست ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اعسار (تنگدستی) کا حکم:

مقروض کو چاہئے کہ وہ مقررہ مدت میں مالک کو قرض لوٹائے لیکن اگر وہ قرض ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو یا پھر ادا کرنا اس کے لئے باعث عسر و حرج ہو تو قرض خواہ کو چاہئے کہ وہ مقروض کو مزید مہلت دے۔ یہ بات قرآن وسنت سے ثابت ہے:

۱۔ چنانچہ ارشاد پروردگار ہے کہ:

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ .

اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دو اور اگر قرض بخش دو تو

maablib.org

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۱۹۷، حدیث ۳؛ الفروع من الکافی، جلد۵، ص۲۴۸؛ تہذیب الاحکام، جلد۷، ص۹۷، حدیث ۶۳/۳۵۸؛ من لا یحضرہ الفقیہ، جلد۳، ص۱۸۵

وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھو۔(۱)

اس آیت کا سیاق وسباق اگرچہ سود کی آیات سے ہے(۲) مگر یہ صرف سود کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر قسم کے قرض کو شامل ہے۔

۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جو کسی تنگدست مقروض کو مہلت دیگا یا اسے قرض بخش دیگا وہ قیامت کے دن سایہ الٰہی میں جگہ پائے گا۔ یہ آیت، آیت انظار کے نام سے مشہور ہے اس کی تفسیر میں ائمہ معصومین سے کئی روایات ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک کو ہم یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: مَنْ اَرَادَ اَنْ یُظِلَّہُ اللّٰہُ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ؟ قَالَھَا ثَلَاثاً فَھَابَہُ النَّاسُ اَنْ یَسْاَلُوْہُ فَقَالَ: فَلْیُنْظِرْ مُعْسِراً اَوْ لِیَدَعْ لَہٗ مِنْ حَقِّہٖ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: کون ہے اس دن خدا کے سائے میں آنے والا جس دن خدا کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا؟ آپؐ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا۔ مگر آپ کی ہیبت کی وجہ سے کسی کو آپ سے کچھ پوچھنے کی جرات نہیں ہوئی، یہاں تک کہ آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا: جو بھی اس مقام پر فائز ہونا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ تنگ دست مقروض کو مہلت دے یا پھر اس کا قرضہ معاف کردے۔(۳)

۳۔ جن روایات میں تنگدست کو مہلت دینے کا حکم صاف اور واضح بیان ہوا ہے ان میں سے ایک یہ روایت بھی ہے:

عَنِ الصَّادِقِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الْبَاقِرِ عَلَیْہِ السَّلَامُ: اِنَّ عَلِیًّا عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَحْبِسُ فِی الدَّیْنِ فَاِذَا تَبَیَّنَ لَہٗ اِفْلَاسٌ وَحَاجَۃٌ خَلّٰی سَبِیْلَہٗ حَتّٰی یَسْتَفِیْدَ مَالاً.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام، مقروض کو (مہلت ختم ہونے کے بعد) قید کرتے تھے مگر جب اس کی تنگدستی اور غربت ثابت ہوجاتی اسے رہا کرتے تھے تاکہ وہ محنت سے کمائے۔(۴)

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۲۸۰ (۲) ربا در قرآن، ص ۹۲

(۳) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۰۲؛ الفروع من الکافی، جلد۴، ص۳۵؛ من لا یحضرہ الفقیہ، جلد۲، ص۳۲؛ تفسیر العیاشی، جلد۱، ص۱۵۳

(۴) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۰۲-۳۰۷، حدیث ۱۰

مذکورہ بالا آیت اور روایات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تنگدست کو فراخی حاصل ہونے تک قرض کی ادائیگی میں مہلت دینا چاہئے۔ مگر سوال یہ اٹھتا ہے کہ معسر (تنگ دست) کسے کہتے ہیں اور کون لوگ تنگدست شمار ہوتے ہیں؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ: جو بھی قرض ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا یا پھر قرض چکانا اس کے لئے بہت زیادہ مشقت کا باعث ہے اور قرض کی ادائیگی کی وجہ سے اس کی زندگی درہم برہم ہوجاتی ہو وہ تنگدست کہلاتا ہے۔ قرض کی ادائیگی سے جو چیزیں مستثنیٰ ہیں ان کی وضاحت کرتے ہوئے فقہاء فرماتے ہیں کہ: جو چیزیں مقروض کی حیثیت کے مطابق اس کے لئے ضروری شمار ہوتی ہیں انہیں قرض کی ادائیگی کے لئے فروخت نہیں کیا جائے گا۔

حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں: مقروض کا گھر جس میں وہ رہتا ہے، اس کی ضرورت کے لباس اگرچہ آرائش اور خوبصورتی کے لئے ہی کیوں نہ ہو، سواری جو اس کی ضرورت ہو، گھر کی ضروری چیزیں: جیسے قالین، پردے، برتن حتیٰ کہ مہمانوں کے استعمال کے برتن وغیرہ مستثنیٰ ہیں۔ ان چیزوں میں مقروض کی شان اور حیثیت کو ملاحظہ کیا جائیگا۔ اگر انہیں فروخت کرنے کی صورت میں اس کی حیثیت میں کمی اور معاشرے میں اس کی ذلت کا باعث ہوتی ہو تو انہیں قرض کی ادائیگی کے لئے نہیں بیچا جائے گا۔ چنانچہ یہ سب مستثنیٰ ہیں بلکہ علمی کتابیں بھی اس کی ضروریات میں شامل ہیں۔ رہائشی گھر، اگر اس کی ضرورت اور استعمال میں نہ ہو، تو جس حصے کی اسے ضرورت نہیں اسے قرض چکانے کے لئے فروخت کیا جائے گا یا پھر اسے فروخت کر کے اس کے لئے چھوٹا گھر خریدا جائے گا اور اگر اس کے کئی گھر اور کئی لباس وغیرہ ہوں لیکن سب کی اسے ضرورت ہو، تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں بیچا جائے گا۔ (۱)

اس بارے میں بھی ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں جن سے فقہاء استدلال کرتے ہیں جیسے:

صَحِیْحَۃُ حَلَبِی عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ: لَا تُبَاعُ الدَّارُ وَلَا الْجَارِیَۃُ فِی الدَّیْنِ وَذَالِکَ اَنَّہٗ لَا بُدَّ لِلرَّجُلِ مِنْ ظِلٍّ یَسْکُنُہٗ وَخَادِمٍ یَخْدِمُہٗ.

حلبی کی صحیح روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: قرض اتارنے کے لئے گھر اور کنیز فروخت نہیں کیے جائیں گے کیونکہ ہر شخص کو رہنے کے لئے گھر اور خدمت کے لئے خادم کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۲)

---

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۰، مسئلہ ۱۰:۱۱

(۲) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۱۵، حدیث ۱

عُثْمَانَ بنِ زِيَادٍ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ : إِنَّ لِي عَلَىٰ رَجُلٍ دَيْناً
وَقَدْ أَرَادَ أَنْ يَبِيعَ دَارَهُ فَيَقْضِيَنِي قَالَ: فَقَالَ أَبُو عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ:
أُعِيذُكَ بِاللهِ أَنْ تُخْرِجَهُ مِنْ ظِلِّ رَأْسِهِ .

عثمان بن زیاد روایت کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: کسی پر میرا قرضہ ہے وہ قرضہ اتارنے کے لئے اپنا گھر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم اسے اپنے گھر سے بے دخل کردو۔ (۱)

ابن ابی عمیر کپڑوں کا بیوپاری تھا۔ ایک دفعہ اس کا سارا مال ڈوب گیا اور وہ تنگدست ہوگیا۔ اس کے کسی کے ذمہ دس ہزار درہم کا قرضہ تھا۔ مقروض نے اپنا مکان دس ہزار درہم میں فروخت کیا اور پیسے لے کر ابن ابی عمیر کے پاس آیا۔ اس نے رقم کے بارے میں پوچھا کہ اتنی رقم کہاں سے لایا ہے؟ جب اسے معلوم ہوا کہ اس نے قرضہ چکانے کے لئے اپنا گھر فروخت کیا ہے تو ابن عمیر نے کہا: ذریح نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول مجھ سے نقل کیا ہے کہ: کسی کا قرض اتارنے کے لئے اپنا گھر فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ میں آج ایک ایک درہم کا محتاج ہوں اس کے باوجود میں اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ (۲)

روایات اور فقہاء کے فتاویٰ کے مطابق تنگدست وہ شخص ہے جس کے پاس مستثنیٰ اشیاء کے علاوہ کوئی مال نہیں جس کے ذریعے وہ بغیر کسی تکلیف وزحمت کے اپنا قرضہ ادا کرسکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مقروض کو کب تک مہلت دینا چاہئے؟

آیت اور مذکورہ روایات کے مطابق، مقروض کو فراخی یعنی استطاعت حاصل ہونے تک مہلت دینی چاہئے۔ بعض روایات میں ہے کہ: اسے اس وقت تک مہلت دینی چاہئے کہ اس کے دیوالیہ ہونے کی خبر مسلمانوں کے امام تک پہنچے تاکہ وہ زکات سے اس کا قرضہ ادا کرے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ: مقروض کو کب تک مہلت دینی چاہئے؟ تو آپ نے فرمایا: اس کی تنگدستی کی خبر مسلمانوں کے امام کو ہونے تک اسے مہلت دینی چاہئے۔ امام کو تحقیق کے بعد جب یہ علم ہوجائے کہ اس نے قرض کا مال خدا کی معصیت میں خرچ نہیں کیا ہے تو زکات کے مال سے اسے ادا کرے گا اور اگر اس نے خدا کی معصیت میں خرچ کیا ہے تب امام پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں

---

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۱۵، حدیث ۲

(۲) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۱۶، حدیث ۵

ہوگی۔ راوی مزید پوچھتا ہے کہ: فرزند رسولؐ! مالک کیسے یقین کرے، جبکہ اس کے لئے یہ جاننا ممکن نہیں کہ اس نے وہ مال حرام میں صرف کیا ہے یا حلال میں؟ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: مقروض کو چاہئے کہ وہ بروقت قرضہ چکانے کے لئے پوری کوشش کرے اور مالک کو اس کا قرض لوٹا دے۔ (۱)

سرمایہ کاری اور مصرفی قرضوں میں ربا کی حرمت:

عقد قرض میں ادائیگی کے وقت قرض کی رقم یا مال میں ایک حد تک اضافہ کے ساتھ لوٹانے کی شرط کرنا عالم اسلام کے تمام علماء کے نزدیک سود اور مکمل طور پر حرام ہے۔ (۲)

گذشتہ صدی کے آخر تک شیعہ اور سنی علماء میں سے کسی ایک نے بھی اس کی حرمت کے بارے شک نہیں کیا۔ اس کے بعد اسلامی ممالک میں سرمایہ داری نظام (Capitalism) کے نفوذ کے بعد اس نظام سے متاثر بعض علماء نے سود کی حرمت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے قرضہ پر لینے والے سود کی بعض قسموں کو حلال قرار دیا۔ بعض نے تو یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ کاروباری قرضوں پر منافع لینا سود ہی نہیں ہے!

اقتصادی ماہرین قرض کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: کاروباری اور مصرفی قرضے۔ مصرفی قرضوں میں عام طور پر لوگ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی روزمرہ کی ضروریات، جیسے کھانے پینے کی چیزیں، لباس، مکان اور دوائی وغیرہ کے لئے قرضہ لیتے ہیں۔ جبکہ کاروباری قرضوں میں لوگ اپنے سرمایہ میں اضافے، تولید وصنعتی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے قرضے لیتے ہیں۔

اہل سنت کے بعض علماء، جیسے رشید رضا، شیخ عبدالوہاب، معروف الدوالیبی اور مصطفیٰ الزرقاء (۳) وغیرہ کہتے ہیں کہ اسلام میں جو سود حرام ہے وہ مخصوص مصرفی قرضوں پر لیئے جانے والا سود ہے۔ جس میں کاروباری قرضے شامل نہیں ہیں۔

پیرس میں اسلامی فقہ پر ہونے والی کانفرنس (۴) میں معروف الدوالیبی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

---

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۱۰، حدیث ۱

(۲) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۵؛ الحدائق الناضرہ، جلد ۲۰، ص ۱۱۰؛ ریاض المسائل، جلد ۱، ص ۵۷۶؛ المغنی، ابن قدامہ، جلد ۱، ص ۱۵۸؛ المغنی، ابن المنذر، جلد ۴، ص ۳۵۴

(۳) مصطفیٰ الزرقاء، ((المشکلات العصریۃ فی میزان الشریعۃ الاسلامیہ))، مجلہ البحث، سال ۱۳۸۸ھ، جلد ۱۳، ص ۷۰

(۴) کانفرنس فقہ اسلامی پیرس، سال ۱۹۵۱ء

اسلام میں مصرفی (ذاتی ضروریات کے لئے لیئے جانے والے) قرضوں پر سود لینا حرام ہے، جبکہ کاروباری قرضے اس میں شامل نہیں ہیں۔ مصرفی قرضوں میں سود خور غریبوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے بھاری سود وصول کرتے تھے۔ مگر آج دنیا کا اقتصادی نظام تبدیل ہوا ہے اور ہر ملک کے گوشہ وکنار میں صنعت اور کاروباری مراکز وجود میں آئے ہیں اور قرضوں کا زیادہ تر حصہ صنعتی اور کاروباری قرضوں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس سے متعلق اسلامی احکام میں بھی اس کے ساتھ تبدیلی آنی چاہئے۔ اس کی واضح مثال وہ بڑی کمپنیاں اور حکومتی ادارے ہیں جو لوگوں سے چھوٹے چھوٹے قرضے لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں اس طرح کے قرضے دینے والے ہماری حمایت اور تعاون کے زیادہ محتاج ہیں۔ (۱)

کاروباری قرضوں میں ربا کو حلال سمجھنے والے درج ذیل دلائل دیتے ہیں:

پہلی دلیل:

اسلام صرف جاہلی سود کو حرام قرار دیتا ہے۔ یعنی اسلام میں جس سود کی حرمت کے بارے میں ہمیں یقین ہے وہ جاہلی سود ہے۔ اور دور جاہلیت میں صرف مصرفی قرضوں پر سود لیا جاتا تھا جبکہ کاروباری قرضے اس دور میں رائج ہی نہیں تھے۔ کاروباری قرضوں کا آغاز تجارتی اور صنعتی میدانوں میں وسعت اور پھیلاؤ کی وجہ سے چند صدیوں پہلے شروع ہوا ہے۔

دوسری دلیل:

قرآن مجید میں مسلمانوں کو صدقہ و بخشش اور مقروض کو مہلت دینے کے حکم کے ساتھ سود کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم کے پیش نظر صرف مصرفی قرضوں پر لیئے جانے والا سود ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی ان آیات میں ہم پڑھتے ہیں کہ:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ.

اللہ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔ (۲)

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ.

اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے فراخی کے حاصل ہونے تک مہلت دو اور اگر قرض بخش دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ تم سمجھو۔ (۳)

---

(۱) البحث الاسلامی، ((الفوائد البنكية بين الاباحة والتحريم))، عبدالرحمٰن حصین، ربیع الاول ۱۴۰۹ھ، مجلد ۳۳، شمارہ ۷

(۲) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۶ (۳) سورہ بقرہ، آیت ۲۸۰

جب ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم آیات ربا کے ضمن میں صدقہ دینے اور تنگدست کو مہلت دینے کی بہت تاکید کرتا ہے تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ:

۱۔ قرض کی مقدار بہت ہی کم اور اتنی ہے کہ قرض دینے والے کو معاف کرنے کی سفارش کرنا مناسب لگتا ہے۔

۲۔ مقروض کی حالت اتنی خراب ہے کہ اگر اسے معاف نہ بھی کرے تو مزید مہلت دینا مالک کے لئے واجب ہو جاتا ہے۔ مذکورہ مطالب اس بات پر شاہد ہیں کہ حرام سود سے مراد ذاتی ضروریات کے لئے لیئے جانے والے قرضوں پر لیئے والا سود ہے، جو ضرورت مند افراد اپنی زندگی گزارنے کے لئے دوسروں سے لیتے ہیں اس حکم میں کاروباری قرضے شامل نہیں ہے۔

تیسری دلیل:

آیات و روایات کے مطابق اسلامی شریعت میں سود کی حرمت کا سبب ظلم اور سود خوروں کی جانب سے غریبوں اور ضرورت مندوں کا استحصال ہے۔ یہ سبب صنعتی اور کاروباری قرضوں میں موجود نہیں ہے۔ کیونکہ جب کوئی صنعت یا کاروبار کے لئے کسی سے قرض لیتا ہے تو اس کی رقم کو استعمال کرنے کے عوض مالک کو اصل زر کے ساتھ کچھ منافع بھی دیتا ہے، جو نہ صرف یہ کہ ظلم نہیں بلکہ عین عدالت ہے۔(۱)

ہمارے ملک میں بھی اس طرح کی باتیں سننے کو مل رہی ہیں کہ بعض لوگ کاروباری قرضوں پر لیئے والے سود کو جائز قرار دے رہے ہیں، جو آیات وروایات اور شیعہ فقہاء کے نظریات کے بالکل برعکس ہے۔

مذکورہ دلائل کا جواب

کاروباری قرضوں کے سود کو جائز قرار دینے والوں کی دلیلیں بہت کمزور اور مخدوش ہیں:

پہلی دلیل کا جواب:

صدر اسلام اور موجودہ دور کے قرضوں کے درمیان فرق کا قائل ہونا کسی طور بھی صحیح نہیں ہے:

---

(۱) تفسیر المنار۔ جلد ۳، ص ۱۱۶

۱۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں دونوں قسم کے قرضے (یعنی مصرفی اور کاروباری قرضے) رائج تھے اور آج بھی رائج ہیں۔

۲۔ جیسا کہ کتاب کے پہلے حصے میں ہم نے ثابت کیا کہ سود کی تمام قسمیں جن میں کاروباری اور مصرفی قرضوں کے سود بھی شامل ہیں، جاہلی سود کے زمرے میں آتے ہیں۔ چنانچہ طبری نقل کرتے ہیں کہ: دور جاہلیت میں دولت مند لوگ دوسروں کو قرضہ دیتے تھے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اپنی دولت میں اضافہ کرسکیں اور یہ کام قرض کے مال کے ذریعے انجام پاتا تھا۔

اسی مطلب کو ابراہیم نخعی نے بھی نقل کیا ہے کہ: مکہ کے بعض افراد قریش کے تجارتی قافلوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے مالداروں سے سود پر قرضہ لیتے تھے۔ واضح ہے کہ ان کے قرضے روزمرّہ کی ضروریات کے لئے نہیں ہوتے تھے۔ بنی ثقیف اور بنی مغیرہ کے واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قرضے ذاتی ضروریات کے لئے نہیں ہوتے تھے۔ (۱)

عرب تاجر، ایرانی اشیاء یمن سے خریدتے اور شام میں فروخت کرتے تھے اور رومی اشیاء شام سے لیتے اور یمن میں فروخت کرتے تھے جس کے لئے کافی سرمائے کی ضرورت پڑتی تھی۔ جن کے پاس ضروری سرمایہ نہیں ہوتا وہ بطور مضاربہ یا پھر سود پر قرضہ لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ میں رائج قرضے زیادہ تر کاروباری یا تجارتی نوعیت کے ہوتے تھے۔ مصرفی قرضے عموماً وہ افراد لیتے تھے جن کی ضروریات بہت زیادہ تھیں اور جن کے پاس اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ اس کے برعکس سادہ زندگی گزارنے والے افراد کو قرض کی کم ضرورت پڑتی تھی۔ اس دور کے عربوں کی زندگی انتہائی سادہ تھی، ان کی غذا عموماً کھجور اور دودھ ہوتی تھی۔ بہت کم لوگ قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے۔ چنانچہ سود کی حرمت کے حکم کو صرف مصرفی قرضوں کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ کہنا کہ اسلام کے پیش نظر زیادہ تر تجارتی اور کاروباری قرضے تھے، زیادہ مناسب ہے۔

اس کے علاوہ اگر صرف مصرفی قرضوں کا ہی سود حرام ہوتا تو ہجرت کے پہلے سال خمس اور زکات کے واجب ہونے، محروموں اور ضرورت مندوں کی احتیاجات کم ہونے کے بعد جب مصرفی قرضوں کی ضرورت نہیں تھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے آخری ایام میں اسے حرام قرار دینے کی کیا ضرورت تھی؟

(۱) اسی کتاب کے صفحہ ۸۳-۸۴ ملاحظہ فرمائیں

دوسری دلیل کا جواب:

قرآن مجید کی بعض آیات میں سود کی حرمت اور صدقہ و مہلت کی تشویق کا ایک ساتھ آنا صرف مصرفی قرضوں کے سود کی حرمت کے لئے دلیل نہیں بنتا اس لئے کہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ بخشش وایثار کی تشویق اور مہلت کا حکم جس طرح سے مصرفی قرضوں میں ہے اسی طرح کاروباری قرضوں میں بھی ہے۔ صنعت اور تجارت کے لئے قرضہ لینے والے تاجر اور صنعت کار بھی کبھی دیوالیہ ہوتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر مہلت دینے اور قرضے معاف کرنے کی سفارش کرنا مکمل طور پر انسانی رشتے کا تقاضا اور پسندیدہ کام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ربا کی حرمت کا حکم صرف انہی آیات میں نہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسری آیات وروایات بھی اس سلسلے میں موجود ہیں جن میں بعض مطلق ہیں اور بعض صراحت کے ساتھ کاروباری قرضوں کے سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے بعض کی ہم یہاں نشاندہی کرتے ہیں:

الف: آیات

۱۔ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ .

تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام ،تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آگیا، تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور قیامت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد؛ اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔(۱)

اس آیت کی تفسیر میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ ((الربا)) کے الف ولام کا جو بھی معنی کریں، جاہلی ربا اس میں شامل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ "جاہلی ربا کی حقیقت" کی بحث میں ہم نے دور جاہلیت کے عربوں کے درمیان رائج سود کی کئی قسموں کو بیان کیا تھا۔ ان میں سے ایک کاروباری قرضوں پر سود تھا جس کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ لین دین اور سود کا مقابلہ اس بات کا قرینہ بنتا ہے کہ آیت کاروباری قرضوں سے زیادہ میل کھاتی ہے۔ صدقات کے محتاج کے بارے میں یہ کہنا مناسب نہیں لگتا کہ اس کے ساتھ خرید وفروخت کرو اور اس سے سود مت لو وغیرہ، بلکہ آیت کا یہ معنی زیادہ مناسب ہے کہ سودی لین دین

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۵

کے ذریعے کسب مت کرو بلکہ حقیقی معاملات، جیسے تجارت اور مضاربہ وغیرہ کے ذریعے کسب وکمائی کرو۔

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ .

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو۔" (۱)

اس آیت میں لفظ ((الربا)) مطلق ہے اور تجارتی قرضوں کے سود کو بھی شامل ہے۔

۳۔ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ .

اور اگر توبہ کرلو گے اور سود چھوڑ دو گے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے؛ جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان۔ (۲)

اس آیت میں خداوند عالم سود کو ظلم قرار دیتا ہے جس سے کسی قسم کا اضافہ طلب کئے بغیر صرف اپنے اصل مال کو حاصل کرتے ہوئے بچا جا سکتا ہے۔ بنابراین سود خور اگر توبہ کرنا چاہتا ہے تو اسے مقروض سے صرف اپنے اصل مال کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

((رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ)) اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ آیت تجارتی قرضوں سے زیادہ میل کھاتی ہے اس لئے کہ مصرفی قرضوں میں "سرمایہ" کی تعبیر نہیں ہوتی ہے۔

مذکورہ اور دوسری آیات کی تفصیلی بحث "سود قرآن میں" کی بحث میں گزر چکی ہے۔

ب: روایات

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں جن میں واضح کیا گیا ہے کہ عقد قرض میں کسی قسم کے اضافہ کی شرط کرنا حرام ہے۔ بعض روایات کو ہم نے ((ربا سنت میں)) کی بحث میں نقل کیا ہے اور بعض کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ صَحِيحَةُ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ: عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: مَنْ أَقْرَضَ رَجُلًا وَرِقًا فَلَا يَشْتَرِطْ إِلَّا مِثْلَهَا، فَإِنْ جُوزِيَ أَجْوَدَ مِنْهَا فَلْيَقْبَلْ، وَلَا يَأْخُذْ أَحَدٌ مِنْكُمْ رُكُوبَ دَابَّةٍ أَوْ عَارِيَةَ مَتَاعٍ يَشْتَرِطُ مِنْ أَجْلِ قَرْضِ وَرِقِهِ .

محمد بن قیس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو کسی کو کچھ درہم بطور قرضہ دے تو سوائے اصل رقم کے لوٹانے کے کوئی شرط عائد نہ کرے؛ اور مقروض اگر اصل رقم

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۸ (۲) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۹

سے بہتر لوٹائے تو اسے قبول کرلے۔ تم میں کوئی شخص کسی کو درہم بطور قرض دینے کے مقابلے میں، سواری کے لئے حیوان لینے یا کوئی چیز عاریتاً لینے کی شرط عائد نہ کرے۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: اَلرِّبَا رِبَاءَانِ اَحَدُهُمَا رِباً حَلَالٌ وَ الْآخَرُ حَرَامٌ... وَ اَمَّا الْحَرَامُ فَهُوَ الرَّجُلُ یُقْرِضُ قَرْضاً وَ یَشْتَرِطُ اَنْ یَرُدَّ اَکْثَرَ مِمَّا اَخَذَهُ فَهٰذَا هُوَ الْحَرَامُ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: سود کی دو قسمیں ہیں: حلال سود اور حرام سود..... حرام سود: کسی کو قرضہ دیتے وقت زیادہ مقدار کے ساتھ لوٹانے کی شرط کرنا ہے۔ یہ وہی حرام سود ہے۔

۳۔ رَوٰی عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِباً.

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ہر وہ قرضہ جس میں قرضہ دینے والے کو فائدہ پہنچے، ربا ہے۔

اس حدیث کو شیعہ اور سنی دونوں نے نقل کیا ہے، جس کی سند علماء کے درمیان مورد بحث بنی ہوئی ہے۔ البتہ یہ علماء پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے عقد کے ضمن میں شرط کرنے والی منفعت مراد لیتے ہیں۔ جس کے مضمون کو ایک قاعدہ شرعی کے عنوان سے اہلسنت کے تمام علماء قبول کرتے ہیں(۱) کیونکہ اصحاب و متشرعین کی سیرت اور دیگر روایات اس مطلب کی تائید کرتی ہیں۔

مذکورہ تینوں روایتیں مصرفی اور تجارتی دونوں قرضوں کے سود کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر کسی کو ان کی دلالت پر اعتراض ہے تو ہمارے پاس بعض ایسی روایات بھی ہیں جو واضح طور پر تجارتی قرضوں پر سود کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

۱۔ عَلِیُّ بْنُ جَعْفَرٍ فِیْ کِتَابِهٖ عَنْ اَخِیْهِ مُوْسَی بْنِ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ......وَقَالَ: سَاَلْتُهٗ عَنْ رَجُلٍ اَعْطٰی رَجُلاً مِاَةَ دِرْهَمٍ یَعْمَلُ بِهَا عَلٰی اَنْ یُعْطِیَهٗ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ اَوْ اَقَلَّ اَوْ اَکْثَرَ هَلْ یَحِلُّ ذٰلِكَ قَالَ: هٰذَا الرِّبَا مَحْضاً.

علی بن جعفر اپنی کتاب میں اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے آپؑ سے پوچھا: ایک شخص کاروبار کے لئے کسی کو سو (۱۰۰) درہم دیتا ہے تا کہ اس سے تجارت کرے اس

---

(۱) نیل الاوطار، جلد۵، ص۳۵۱

شرط پر کہ اسے کم وبیش پانچ درہم ادا کرے گا۔ کیا یہ حلال ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: یہ تو خالصتاً سود ہے۔"(۱)

علی ابن جعفر سے بھی اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث نقل ہوئی ہے۔(۲)

۲۔ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ: اَنَّهُ قَالَ فِی الرَّجُلِ یُعْطِی الرَّجُلَ مَالاً لِیَعْمَلَ بِهٖ عَلٰی اَنْ یُعْطِیَهُ رِبْحاً مَقْطُوعاً، قَالَ: هٰذَا الرِّبَا مَحْضاً.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو کسی کو اس شرط پر قرضہ دیتا ہے کہ وہ تجارت کے بعد اس کی منفعت کے ساتھ اسے واپس لوٹائے تو یہ خالصتاً سود ہے۔(۳)

۳۔ عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ اَبِی الْحَسَنِ قَالَ: سَاَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ یَكُوْنُ لَهٗ عَلٰی رَجُلٍ مَالٌ قَرْضاً فَیُعْطِیْهِ الشَّیْءَ مِنْ رِبْحِهٖ مَخَافَةَ اَنْ یَقْطَعَ ذٰلِكَ عَنْهُ فَیَاْخُذَ مَالَهٗ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَكُوْنَ شَرْطٌ عَلَیْهِ؟ قَالَ: لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ مَا لَمْ یَكُنْ شَرْطٌ.

اسحاق بن عمار نقل کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک شخص کے متعلق پوچھا جو کسی کو کچھ مال بطور قرضہ دیتا ہے (تاکہ وہ اسے استعمال میں لائے) اور وہ اس خوف سے کہ کہیں مال کا مالک اس سے اپنا مال واپس نہ لے لے، بغیر کسی پیشگی شرط کے منافع کا ایک حصہ مالک کو دے دیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر پہلے سے شرط نہیں کی ہے تو پھر یہ جائز ہے۔(۴)

مذکورہ تمام روایات اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ دور جاہلیت میں لوگ صرف مصرفی قرضے نہیں لیتے تھے بلکہ کاروباری اور تجارتی مقاصد کے لئے بھی قرضے لیتے تھے۔ اس کے باوجود امام علیہ السلام شرط کی وجہ سے دیئے جانے والے منافع کو حرام سود کا مصداق سمجھتے ہیں۔

تیسری دلیل کا جواب:

اوّل۔ یہ کہنا کہ قرض پر لیئے جانے والے سود کی حرمت کی وجہ "ظلم" اور مقروض کا استحصال ہے اور جہاں ظلم اور استحصال نہ ہو وہاں سود لینا جائز ہے، یہ بات تب ہی قابل قبول ہوسکتی ہے کہ جب ہمیں اس بات کا یقین ہو کہ یہی قرض کے سود کی حرمت کی "حقیقی علت" ہے تاکہ اس کی حرمت کا حکم

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۳۷، حدیث ۷

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، ص ۱۰۸، حدیث ۱۸

(۳) مستدرک الوسائل، جلد ۱۳، ص ۳۴۳، حدیث ۳

(۴) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، ص ۱۰۳، حدیث ۳

ظلم اور استحصال پر موقوف ہو۔لیکن بعد میں ہم اس پر تفصیلی بحث کریں گے کہ آج تک سود کی حرمت کی کسی خاص علت اور ملاک کا ہمیں علم نہیں ہوا ہے جبکہ ظلم اور استحصال حرمت کی ''علت'' نہیں بلکہ حرمت کی ''حکمت'' ہیں۔ چنانچہ یہ دعویٰ کرنا کہ تجارتی قرضوں پر سود لینا ظلم نہیں اس لئے یہ سود جائز ہے، صحیح نہیں ہے۔

دوّم۔بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ سود کی حرمت کی ''علت'' ظلم اور ناجائز منافع خوری ہے، پھر بھی آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ تجارتی قرضوں میں بھی بہت سے موقعوں پر ظلم اور استحصال ہوتا ہے۔اگر ہم غور کریں گے تو معلوم ہوجائے گا کہ سودی نظام میں سرمایہ داروں کا تاجروں اور صنعت کاروں کے ساتھ تعلق قرضہ دینے والے اور مقروض جیسا ہوتا ہے۔اور تاجر یا صنعت کار کو چاہے منافع حاصل ہو یا نہ ہو اصل مال کو اس کے منافع کے ساتھ مقررہ مدت میں لوٹانا ہوتا ہے۔اور تمام ممکنہ نقصانات کو تنہا برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسلام اس قسم کی کمائی کو ظالمانہ کمائی سمجھتا ہے۔کیونکہ ممکن ہے تاجر یا صنعت کار کو نقصان اٹھانا پڑے یا متوقع منافع حاصل نہ ہو جس کے نتیجہ میں صرف اسے ہی تمام نقصانات برداشت کرنا پڑتے ہیں جبکہ سرمایہ دار ہر حال میں اپنا منافع حاصل کرلیتا ہے۔ دوسری جانب یہ بھی ممکن ہے کہ تاجر یا صنعت کار کو توقع سے زیادہ فائدہ حاصل ہوجائے اس وقت سرمایہ دار کو صرف اپنا مقررہ منافع ہی ملتا ہے اسے کسی قسم کی اضافی رقم کے مطالبہ کا حق ہی نہیں ہوتا ہے۔ اس قسم کی کمائی جس میں حقیقی اقتصادی فعالیت کو ملاحظہ نہیں کیا جاتا عام طور پر ظلم شمار ہوتی ہے۔جس کی وجہ سے فریقین کے درمیان کینہ و دشمنی کو پنپنے کا موقع ملتا ہے۔اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کاروباری قرضوں پر لیئے جانے والا سود ظلم نہیں ہے۔

چند اہم فروع:

شیعہ فقہاء آیات وروایات کی روشنی میں قرض پر سود کے مسائل اور اس کے دائرہ کار کو واضح کرنے کے لئے چند اہم فروعات بیان کرتے ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

ا۔ اضافہ کی ہر قسم سود ہے:

قرضہ میں اضافہ چاہے عینی ہو یا عملی، حکمی ہو یا منفعت کی صورت میں، سب حرام ہیں۔مثلاً سو کیلو چاول کے عوض ایک سو دس کیلو لینا یا سو کیلو چاول کے عوض سو کیلو چاول اور ایک جوڑا لباس سلوا کر لینا یا

قرضہ دینے والا یہ شرط کرے کہ قرضہ واپس کرنے تک جو چیز اس کے پاس بطور رہن رکھوائی ہے وہ اسے استعمال کرے گا یا پھر قرضہ دینے والا ٹوٹے ہوئے درہم دے کر نئے درہموں کا مطالبہ کرے یا چھوٹی چیز دے کر بڑی چیز لوٹانے کی شرط عائد کرے یہ تمام صورتیں، سود اور حرام ہیں۔

شیعہ فقہاء جیسے، شیخ طوسی، ابوالصلاح حلبی، ابن حمزہ اور قاضی ابن براج وغیرہ بعض روایات کی روشنی میں ٹوٹے اور پرانے درہم کے قرضہ میں نئے اور سالم درہم لوٹانے کی شرط عائد کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔(۱)

مذکورہ فقہاء کی دلیلوں میں ایک یعقوب بن شعیب کی یہ صحیح روایت بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا جو معیوب اور ٹوٹے ہوئے سکے بطور قرضہ دیتا ہے اور نئے اور سالم سکے واپس لیتا ہے جبکہ مقروض بھی اس پر راضی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام سے بھی مذکورہ روایت کے مضمون سے ملتی جلتی روایت نقل ہوئی ہے۔(۲)

صاحب جواہر کے مطابق یہ روایت شرط والی صورت میں ظہور نہیں رکھتی بلکہ یہ عدم شرط والی صورت سے مطابقت رکھتی ہے۔ بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ شرط کرنے کی صورت میں ظہور رکھتی ہے، اس وقت اس حدیث اور ان احادیث میں جو ہر قسم کے اضافہ سے منع کرتی ہیں تعارض ہوتا ہے اور وہ روایات اس پر مقدم ہیں۔ (۳)

بہر حال صاحب جواہر کی بات صحیح ہے اور اس طرح کی شرط عائد کرنا جائز ہی نہیں ہے کیونکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول محمد بن قیس کی صحیح حدیث کہ: جو بھی کسی کو درہم بطور قرضہ دے تو سوائے اس کی مثل لوٹانے کے کوئی شرط عائد نہ کرے۔" خالد بن الحجاج کی روایت کے مطابق جس میں انہوں نے امام علیہ السلام سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے اس سے گن کر سو درہم قرضہ لیا تھا جبکہ لوٹاتے وقت تول کر سو درہم دیا۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "اس کی اگر پہلے سے شرط نہیں ہوئی تھی تو کوئی حرج نہیں ہے۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا: "سود، شرط کے ذریعے وجود میں آتا ہے اور شرط وشروط قرارداد کو باطل کرتی ہیں۔"

maablib.org

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۰

(۲) الفروع من الکافی، جلد ۵، ص ۲۵۳: وسائل الشیعہ، ابواب الصرف، باب ۱۲، حدیث ۵

(۳) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۰

دونوں روایتوں میں معصومؑ نے "جملہ حصر" سے استفادہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر قسم کے اضافہ کی شرط کرنا سود ہے۔ چنانچہ کم قیمت والے ٹوٹے اور پرانے درہموں کو دیگر زیادہ قیمت والے نئے اور سالم درہم لوٹانے کی شرط عائد کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ قرض کے معاملہ اور عقد سے ہٹ کر اضافہ کی شرط کرنا

کبھی قرض دینے والا اور لینے والا معاملہ قرض انجام پانے سے پہلے "اضافہ" پر سمجھوتہ کر لیتے ہیں، مگر اس خیال سے کہ قرض کے عقد میں زیادہ یا اضافہ کی شرط کرنا سود ہے، اس لئے متن عقد میں اس کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ جبکہ عقد قرض اسی زیادہ یا اضافہ کی شرط کی بنیاد پر (چاہے اسے زبان پر لائے یا نہ لائے) واقع ہوتا ہے۔ فقہاء نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ حضرت امام خمینیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: عقد قرض میں زیادہ کی شرط کرنا، جس کی بنیاد پر قرض کا معاملہ واقع ہوتا ہو چاہے کھلم کھلا ہو یا مخفی، جائز نہیں ہے۔(۱)

کبھی مقروض، اضافی مقدار کے ساتھ قرضہ لوٹاتا ہے اور قرض دینے والا بھی اسی مقصد کے لئے عقد قرض میں کسی قسم کی شرط کئے بغیر اسے قرضہ دیتا ہے۔ روایات کے مطابق اس طرح کا اضافی مال لینا جائز ہے۔

عَنْ أَبِي الرَّبِيعِ قَالَ: سُئِلَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ علیه السلام عَنْ رَجُلٍ اَقْرَضَ رَجُلاً دَرَاهِمَ فَرَدَّ عَلَيْهِ اَجْوَدَ مِنْهَا بِطِيبَةِ نَفْسِهِ وَقَدْ عَلِمَ الْمُسْتَقْرِضُ وَالْقَارِضُ اَنَّهُ اِنَّمَا اَقْرَضَهُ لِيُعْطِيَهُ اَجْوَدَ مِنْهَا، قَالَ: لَا بَأْسَ اِذَا طَابَتْ نَفْسُ الْمُسْتَقْرِضِ.

ابو ربیع روایت کرتا ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کچھ درہم کسی کو بطور قرضہ دیتا ہے اور مقروض خوشی خوشی اس سے بہتر لوٹاتا ہے؛ جبکہ قرضہ دینے والا اور لینے والا پہلے سے اس کے بارے میں جانتے ہیں کہ اس نے زیادہ ملنے کی امید کے ساتھ اسے قرضہ دیا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر قرضہ لینے والا راضی ہے تو کوئی بات نہیں ہے۔(۲)

ایک اور حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اسے "حلال سود" سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: اس طرح قرضہ دینا مباح ہے، لیکن خدا کے ہاں اس کے بدلے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔(۳)

---

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۱

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۷۷، حدیث ۴

(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۵۴، حدیث ۱

۳۔ زیادہ، کسی اور کے لئے:

قرض کی رقم سے زیادہ چاہے مالک لے یا کوئی اور، ہر حال میں سود اور حرام ہے۔ مثلاً اس شرط پر کسی کو قرضہ دینا کہ مقروض کسی تیسرے شخص کو کچھ رقم بخش دے گا یا کسی فلاحی ادارے کو چندہ دے گا، یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عقد قرض میں ایسے امور کی شرط کی جائے جس میں مال خرچ ہوتا ہے جیسے، تعمیر مسجد میں حصہ لینا یا امام حسین علیہ السلام کی یاد میں مجلس برپا کرنا وغیرہ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن عقد قرض میں کسی ایسی چیز کی شرط کرنا جسے انجام دینا مقروض پر واجب ہو جیسے زکات یا خمس وغیرہ کا ادا کرنا یا نماز پڑھنا اور ہر وہ کام جس میں مال خرچ نہیں ہوتا، جیسے قرض دینے والے کے حق میں دعا وغیرہ کی شرط کرنا جائز ہے۔ بنا برایں حرام شرط کیلئے لازمی ہے کہ وہ مالیت رکھتی ہو اور مقروض پر واجب نہ ہو۔

یہی مطلب محمد بن قیس کی صحیح حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے، جس میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: قرض دینے والا صرف اپنے مال کی مثل لوٹانے کی شرط عائد کرسکتا ہے۔ روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے ہر قسم کے زیادہ کی شرط کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس مطلب پر صرف یہی روایت دلالت نہیں کرتی بلکہ زیادہ لینے سے منع کرنے والی آیات و روایات کا اطلاق بھی اس مطلب پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ ضمانت اور رہن کی شرط کرنا:

عقد قرض میں اگر قرض دینے والا شرط کرے کہ مقروض کسی چیز کو اس کے پاس گروی رکھوائے گا یا کسی کو ضامن یا کفیل بنائے گا، اس طرح کی شرط اگرچہ قرض دینے والے کی مصلحت کے مطابق ہے اس کے باوجود سود اور حرام نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شرط درحقیقت مالک کے لئے کوئی مالی نفع نہیں پہنچاتی بلکہ صرف اس کے اصل مال کی ادائیگی کی ضمانت دیتی ہے۔

عقد قرض میں گروی رکھی ہوئی چیز کو استعمال کی شرط کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر بغیر شرط کے صاحب رہن کی اجازت سے گروی کے منافع سے استفادہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جس کی تائید درج ذیل روایت کے ذریعے ہوتی ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس طرح کے استفادہ کو جائز قرار دیتے ہیں اس کے ساتھ اس سے پرہیز کا بھی مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ: سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ يَسْتَقْرِضُ مِنَ الرَّجُلِ قَرْضاً وَيُعْطِيْهِ الرَّهْنَ اِمَّا خَادِماً وَاِمَّا آنِيَةً وَ اِمَّا ثِيَاباً، فَيَحْتَاجُ اِلَىٰ شَيْءٍ مِنْ

مَنْفَعَتِهٖ فَيَسْتَأذِنُ فِيْهِ فَيَأذَنُ لَهٗ، قَالَ: إِذَا طَابَتْ نَفْسُهٗ فَلَا بَأسَ .

محمد بن مسلم نقل کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی خادم، برتن یا لباس کو گروی رکھ کر کسی سے قرضہ لیتا ہے؛ بعد میں مالک کو ان میں سے کسی ایک چیز کی ضرورت پڑتی ہے اور رہن کے مالک سے اجازت مانگتا ہے اور وہ اسے استعمال کی اجازت دے دیتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: مال رہن کا مالک اگر اجازت دے تو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

مُوَثَّقَةُ إِسْحَاقِ بْنِ عَمَّارٍ عَنِ الْعَبْدِ الصَّالِحِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَأَلْتُهٗ عَنِ الرَّجُلِ يَرْهَنُ الْعَبْدَ أَوِ الثَّوْبَ أَوِ الْحُلِيَّ أَوِ الْمَتَاعَ مِنْ مَتَاعِ الْبَيْتِ فَيَقُوْلُ صَاحِبُ الرَّهْنِ لِلْمُرْتَهِنِ: أَنْتَ فِيْ حِلٍّ مِنْ لُبْسِ هٰذَا الثَّوْبِ فَالْبِسِ الثَّوْبَ وَانْتَفِعْ بِالْمَتَاعِ وَ اسْتَخْدِمِ الْخَادِمَ، قَالَ: هُوَ لَهٗ حَلَالٌ إِذَا أَحَلَّهٗ وَ مَا أُحِبُّ لَهٗ أَنْ يَفْعَلَ .

اسحاق بن عمار روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: ایک شخص اپنے غلام، لباس، زیور یا گھر کی چیزوں میں سے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس گروی رکھواتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ: تمہیں اس لباس کو پہننے، ان چیزوں کو استعمال کرنے اور غلام سے کام لینے کی اجازت ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: رہن کا مالک اگر اجازت دے تو اسے استعمال کر سکتا ہے۔ البتہ مجھے ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔(۲)

مذکورہ اور اس سے پہلے کی روایات بتاتی ہیں کہ مال رہن کے مالک کی اجازت سے گروی رکھی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور آخری حدیث میں جملہ ((ما احب)) سے اس کا مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کبھی زرعی اجناس یا دستکاری کی اشیاء فروخت کرنے والے کسانوں اور دستکاروں کو ایک خاص مدت کے لئے قرضے دیے جاتے ہیں اس کے عوض کسان اور دستکار اپنی محصولات ان کے حوالے کرتے ہیں تاکہ وہ ان کی طرف سے فروخت کریں اور اس سلسلہ میں اپنی اجرت بھی حاصل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں فروخت کی جانے والی چیزوں سے استفادہ کرنا جائز ہے۔

اس مسئلہ کا ذکر جمیل بن دراج کی روایت میں آیا ہے۔ جمیل بن دراج کہتے ہیں:

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، ص ۱۰۴، حدیث ۴

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، ص ۱۰۷، حدیث ۱۵

''میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: خدا آپ کو سلامت رکھے! عراق کے بعض افراد کے ساتھ ہم لین دین کرتے ہیں اور ہم انہیں قرضہ دیتے ہیں جبکہ وہ اپنے غلات ہمیں بھیجتے ہیں، اور ہم اپنی اجرتِ لینے کے بعد انہیں فروخت کرتے ہیں اور منافع حاصل کرتے ہیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ راوی کہتا ہے: گویا جمیل نے یہ کہا تھا کہ: کسان اپنے غلات اگر ہمیں نہ بھیجیں تو ہم انہیں قرضہ نہیں دیں گے! امام نے جواب میں فرمایا: کوئی بات نہیں۔''(۱)

کتاب تہذیب کی سند کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے؛ مگر من لا یحضرہ الفقیہ کی سند کے مطابق جمیل نے ایک مجہول شخص سے روایت کی ہے، البتہ خود جمیل اصحاب اجماع میں سے ہے۔

موثقہ روایت میں ابو بصیر، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ: لوگوں کا ایک گروہ اپنے سامان سمیت کسی کے پاس چلا آتا ہے اور وہ شخص ان کی چیزوں کو فروخت کرتا ہے۔ یہ لوگ اس شخص سے کہتے ہیں: تم ہمیں کچھ دینار بطور قرضہ دو! ہم نے تمہیں اپنا فروخت کرنے والا اس لئے بنایا ہے تاکہ تم ہمیں قرضہ دو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جتنے دینار وہ لیتا ہے، اس کے برابر ہے جسے وہ قرضہ دیتا ہے اور دینار لباس جیسا نہیں جسے پہننے سے اس کی قیمت کم ہوجائے اور حیوان کی مانند بھی نہیں جس پر سوار ہونے سے اس کی قیمت گھٹتی ہو۔یہ ایک اچھا کام ہے جو وہ ان کے لئے کرتا ہے۔(۲)

ایک اور صحیح روایت میں ایسا کرنے سے معصومؑ نے منع فرمایا ہے: چنانچہ یعقوب بن شعیب امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ: ایک شخص اپنے ہم پیشہ ساتھی سے کچھ دینار قرض مانگتا ہے، اور وہ اسے دے دیتا ہے؛ وہ اگر اس کا ساتھی اور ہم پیشہ نہ ہوتا تو جب تک ان کی طرف سے اسے کچھ فائدہ نہ پہنچتا وہ اسے قرضہ ہرگز نہ دیتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس طرح سے قرضہ دینے کا سلسلہ اگر ان کے درمیان رائج ہے تو کوئی اشکال نہیں، ہاں اگر اس سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے قرضہ دیا ہے تو صحیح نہیں ہے۔(۳)

شیخ طوسیؒ فرماتے ہیں: اس روایت کو ہم ذیل کے دو معنی میں سے کسی ایک پر حمل کرسکتے ہیں:

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص۱۰۶، حدیث۱۶؛ جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۱، حدیث۱

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص۱۰۵، حدیث۱۰؛ جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۲، حدیث۸

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، حدیث۹؛ جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۵، حدیث۱۸

الف) ((لا یصلح)) سے امام علیہ السلام کی مراد کراہت ہے۔

ب) مراد امام علیہ السلام، وہ منافع ہے جس کے بارے میں عقد قرض میں شرط کی گئی ہو۔(۱)

صاحب حدائق اس حدیث کو تقیہ پر حمل کرتے ہیں۔ (۲)

روایت میں ادات حصر ((انما)) استعمال ہوا ہے، یعنی قرض دینے والا فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے ہی قرضہ دیتا ہے، اور یہ وہی شرط ضمنی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ حدیث صرف مشروط فائدہ والے قرض پر حمل ہوتی ہے، بہتر ہے۔

۵۔ تحفہ لینا:

عقد قرض میں تحفہ لینے کی شرط کرنا، سود اور حرام ہے۔ ہاں اگر مقروض پہلے سے شرط کئے بغیر اسے کچھ تحفہ دے تو اسے قبول کرنا جائز ہے۔ اسی طرح سے مقروض کا مہمان بننا اور اس کے مادّی وسائل استعمال کرنا اگر عرف میں معمول کی بات ہو تو جائز ہے۔ اس مسئلہ کے بارے میں متعدد روایات نقل ہوئی ہیں جیسے:

سُئِلَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ يَكُوْنُ لَهٗ عَلَى الرَّجُلِ الدَّرَاهِمُ وَالْمَالُ فَيَدْعُوْهُ اِلٰى طَعَامِهٖ اَوْ يَهْدِىْ لَهُ الْهَدِيَّةَ قَالَ: لَا بَأْسَ .

'حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کا کچھ مال اور درہم کسی پر قرضہ ہے اور مقروض اسے کھانے پر بلاتا ہے یا اسے کوئی چیز تحفہ دیتا ہے کیا اس کا یہ تحفہ لینا یا اس کے گھر کھانا جائز ہے؟ تو امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں۔(۳)

جَمِيْلُ بْنُ دَرَّاجٍ عَنْ اَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ : فِى الرَّجُلِ يَاْكُلُ عِنْدَ غَرِيْمِهٖ اَوْ يَشْرَبُ مِنْ شَرَابِهٖ اَوْ يَهْدِىْ لَهُ الْهَدِيَّةَ قَالَ: لَا بَأْسَ بِهٖ .

جمیل بن درّاج نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنے مقروض کی چیزوں سے کھاتا اور پیتا ہے یا مقروض اسے تحفے دیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ (۴)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، حدیث ۹؛ جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۳۵، حدیث ۱۸

(۲) الحدائق الناضرہ، جلد ۲۰، ص ۱۱۳ (۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، ص ۱۰۷، حدیث ۱۷

(۴) جامع احادیث الشیعہ، جلد ۱۸، ص ۳۳۲، حدیث ۱

عَنْ سُمَاعَةِ قَالَ: سَأَلْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ يَنْزِلُ عَلَى الرَّجُلِ وَلَهُ عَلَيْهِ دَيْنٌ اَيَاْكُلُ مِنْ طَعَامِهِ ؟ فَقَالَ: نَعَمْ يَاْكُلُ مِنْ طَعَامِهِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ ثُمَّ لَا يَاْكُلُ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئاً .

سماعہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنے مقروض کا مہمان بنتا ہے، کیا وہ مقروض کے گھر سے کھانا کھا سکتا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تین دن تک اس کے ہاں سے کھانا کھا سکتا ہے، البتہ تین دن کے بعد کوئی چیز نہ کھائے۔(۱)

ان کے برعکس بعض ایسی روایات بھی ہیں جن میں مقروض کے ہاں مہمان بننے اور اس سے تحفہ وغیرہ لینے سے منع کیا گیا ہے:

عَنْ حَلَبِيْ عَنْ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ : اَنَّهُ كَرِهَ لِلرَّجُلِ اَنْ يَنْزِلَ غَرِيْمَهُ قَالَ:
لَا يَاْكُلُ مِنْ طَعَامِهِ وَلَا يَشْرَبُ مِنْ شَرَابِهِ وَ لَا يَعْتَلِفُ مِنْ عَلَفِهِ .

حلبی کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، مقروض کے ہاں مہمان بننے، اس کے ہاں سے کھانے پینے اور اپنے حیوان کے لئے اس کا چارہ استعمال کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔(۲)

اہل سنت، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"جس وقت تم کسی کو قرض دو اور وہ (مقروض) تمہارے لئے تحفہ بھیجے یا اپنی سواری پر تمہیں سوار کرائے تو نہ اس کا تحفہ قبول کرو اور نہ اس کی سواری پر سوار ہو جاؤ، مگر یہ کہ تمہارے اور اس کے درمیان قرض سے پہلے اس طرح کے لین دین کا رواج موجود ہو۔"(۳)

غِيَاثِ بِنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ : اِنَّ رَجُلاً اَتَىٰ عَلِيًّا فَقَالَ لَهُ:
اِنَّ لِيْ عَلٰى رَجُلٍ دِيْنَارٌ فَاَهْدىٰ اِلَيَّ هَدِيَّةً فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِحْسَبْهُ مِنْ دَيْنِكَ عَلَيْهِ .

غیاث بن ابراہیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ: کسی کے ذمے میرا کچھ قرض ہے اور اس نے میرے لئے کوئی تحفہ بھیجا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اس کے تحفے کو اپنے قرض سے منہا کرو۔(۴)

---

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۲، حدیث۲

(۲) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۲، حدیث۳

(۳) نیل الاوطار، جلد۵، ص۳۵۰

(۴) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۵، حدیث۱۷

فقہاء حلبی کی روایت میں موجود نہی کو کراہت پر حمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: مقروض کے ہاں مہمان ہونا مکروہ ہے اور اگر مہمانی تین دن سے بڑھ جائے تو کراہت شدت اختیار کر لیتی ہے۔ فقہاء بغیر شرط کئے تحفہ وصول کرنے کو جائز اور اسے قرض سے منہا کرنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔(۱)

۶۔ شرط کئے بغیر زیادہ لینا:

مقروض، قرض دینے والے کی قدردانی کرتے ہوئے ادائیگی کے وقت اگر اصلی مال سے کچھ زیادہ ادا کرے یا قرض کے مال سے قیمتی یا اچھی جنس کا مال واپس کرے، تو نہ صرف ایسا کرنے سے نہی نہیں آتی ہے بلکہ روایات میں اسے "خیر القضا" یعنی بہترین ادائیگی کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور یہ ایک مستحب اور پسندیدہ فعل ہے:

صحيحة حلبى : عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: إِذَا أَقْرَضْتَ الدَّرَاهِمَ ثُمَّ أَتَاكَ بِخَيْرٍ مِنْهَا فَلَا بَأْسَ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَكُمَا شَرْطٌ .

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: تم جب کسی کو کچھ درہم بطور قرضہ دے دو اور مقروض اس سے بہتر تمہیں لوٹائے تو، اگر پہلے سے ایسی شرط موجود نہیں ہو تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" (۲)

صَحِيحَةُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَجَّاجِ : قَالَ: سَأَلْتُ أَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّجُلِ يَسْتَقْرِضُ مِنَ الرَّجُلِ الدَّرَاهِمَ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ الْمِثْقَالَ أَوْ يَسْتَقْرِضُ الْمِثْقَالَ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ الدَّرَاهِمَ فَقَالَ: إِذَا لَمْ يَكُنْ شَرْطٌ فَلَا بَأْسَ وَ ذَالِكَ هُوَ الْفَضْلُ، إِنَّ أَبِي رَحِمَهُ اللّٰهُ كَانَ يَسْتَقْرِضُ الدَّرَاهِمَ الْفُسُولَةَ فَيَدْخِلُ عَلَيْهِ الدَّرَاهِمَ الْجِلَالَ فَقَالَ: يَا بُنَيَّ رُدَّهَا عَلَى الَّذِي إِسْتَقْرَضْتُهَا مِنْهُ فَأَقُوْلُ: يَا أَبَهْ ! إِنَّ دَرَاهِمَهُ كَانَتْ فُسُولَةً وَهٰذِهِ خَيْرٌ مِنْهَا فَيَقُوْلُ: يَا بُنَيَّ إِنَّ هٰذَا هُوَ الْفَضْلُ فَأَعْطِهِ إِيَّاهَا .

عبدالرحمن بن الحجاج روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا، جو درہم قرضہ لیتا ہے اور دینار واپس کرتا ہے یا دینار لیتا ہے اور درہم لوٹاتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر پہلے سے اس کی شرط نہیں کی گئی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ وہی

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۹؛ الحدائق الناضرہ، جلد ۲۰، ص ۱۸۹؛ مفتاح الکرامہ، جلد ۵، ص ۵؛ جامع المقاصد، جلد ۵، ص ۹

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۳، ص ۳۷۷، باب ۱۲، حدیث ۳

فضل (اضافہ) ہے۔ میرے والدگرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (خداوند عالم اپنی رحمتیں ان پر نازل فرمائے!) کم قیمت والے درہم بطور قرض لیتے تھے اور لوٹاتے وقت قیمتی درہم لاتے اور فرماتے تھے: بیٹے! ان درہموں کو اسے لوٹا دینا جس سے میں نے قرضہ لیا تھا۔ میں عرض کرتا: بابا جان! ان کے درہم کم قیمت والے تھے جبکہ یہ قیمتی درہم ہیں۔ آپ فرماتے: یہ وہی فضل (اضافہ) ہے پس اسے دے دو۔(۱)

گویا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کی جانب اشارہ فرما رہے تھے جس میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ .

"اور آپس کے معاملات میں فیاضی کرنا نہ بھولو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے" (۲)

موثقة اسحاق بن عمّار: قَالَ: قُلْتُ لِأَبِيْ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلرَّجُلُ يَكُوْنُ لَهُ عِنْدَ الرَّجُلِ الْمَالُ قَرْضاً فَيَطُوْلُ مَكْثُهُ عِنْدَ الرَّجُلِ لَا يَدْخُلُ عَلَىٰ صَاحِبِهِ مِنْهُ مَنْفَعَةٌ فَيُنِيْلُهُ الرَّجُلُ الشَّيْءَ بَعْدَ الشَّيْءِ كَرَاهَةَ أَنْ يَأْخُذَ مَالَهُ حَيْثُ لَا يُصِيْبُ مِنْهُ مَنْفَعَةً، أَيَحِلُّ ذَالِكَ لَهُ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ إِذَا لَمْ يَكُنْ بِشَرْطٍ .

اسحاق بن عمار کہتے ہیں: میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: کسی کا کچھ مال ایک عرصے سے قرض کی صورت میں کسی کے پاس پڑا ہے جبکہ مالک اپنے مال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا ہے۔ مقروض چونکہ نہیں چاہتا کہ مالک اس سے اپنا مال طلب کرے اس لئے کہ اس پر کوئی سود نہیں ہے اس لئے وہ مالک کو ہر وقت کوئی نہ کوئی چیز دیتا رہتا ہے، کیا مالک کے لئے اس کا لینا جائز ہے؟ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: اگر پہلے سے اس کی شرط نہیں ہوئی تھی تو لینے میں کوئی اشکال نہیں۔(۳)

اہل سنت کی کتب احادیث میں بھی اسی مضمون سے ملتی جلتی روایت نقل ہوئی ہے۔ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں: "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذمے کسی اعرابی کا ایک خاص عمر کا اونٹ قرض تھا اس نے آپؐ سے اونٹ کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے اپنے اصحاب سے اس کا اونٹ لوٹانے کا حکم دیا! صحابہ کرامؓ

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۳، ص۴۷۷، باب۱۲، حدیث۷

(۲) سورہ بقرہ، آیت ۲۳۷

(۳) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۳، حدیث۹

نے بہت تلاش کیا مگر انہیں اس عمر کا اونٹ نہیں ملا جبکہ ان کے پاس موجود اونٹوں کی عمریں زیادہ تھیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے بڑی عمر کا اونٹ دینے کا حکم فرمایا۔ اس پر اس اعرابی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: آپ نے کیا خوب صلہ دیا خدا آپ کو اس کا بہتر صلہ دے! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سب سے افضل وہی ہے جو قرض لوٹانے میں سب سے بہتر ہے۔" (۱)

فقہاء نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے بغیر شرط کے زیادہ لینے کے جواز پر فتاویٰ دیئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں: پہلے سے شرط عائد کئے بغیر زیادہ لینا جائز ہے، بلکہ قرض لینے والے کے لئے لوٹاتے ہوئے کچھ زیادہ دینا مستحب ہے کیونکہ زیادہ دینا ادائے قرض کے حسن میں اضافہ کرتا ہے: ((تم میں سب سے اچھا وہی ہے جو قرض لوٹانے میں سب سے بہتر ہے))۔ زیادہ دینا اور اسے قبول کرنا جائز ہے۔ زیادہ دینے کی وجہ یہ ہو کہ قرض دینے والا مقروض کو بہتر صلہ دینے والا سمجھے تاکہ آئندہ جب بھی مانگے وہ قرضہ دینے میں نہ ہچکچائے۔ اور اگر قرضہ دینے والا زیادہ ملنے کی توقع سے قرضہ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مقروض زیادہ نہ لوٹائے تو وہ اسے قرضہ ہی نہ دیتا، اگر ایسی نیت پہلے سے ہو تو قرض دینے والے کے لئے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ (۲)

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ: بغیر کسی شرط کے زیادہ دینا (چاہے عینی ہو یا حکمی) مستحب اور پسندیدہ کام ہے۔

۷۔ قرض کی ادائیگی کسی اور جگہ کرنا

علامہ حلی اپنی کتاب قواعد میں فرماتے ہیں کہ: قرض کے عقد میں اگر یہ معین نہ کیا جائے کہ مقروض کہاں قرض لوٹائے گا، تو جہاں اس نے قرضہ وصول کیا تھا وہیں اسے لوٹانا ہوگا (۳) کیونکہ عقد کے اطلاق ہی سے قرض کی وصولی کی جگہ متعین ہو جاتی ہے۔ بنابرایں طرفین کی رضامندی کے بغیر ادائیگی کی جگہ کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، چاہے اس کی وجہ سے کسی ایک کو فائدہ پہنچتا ہو یا دونوں کو۔

---

(۱) نیل الاوطار، جلد۵، ص۳۴۸

(۲) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۶۵۴، مسئلہ۱۱

(۳) جامع المقاصد، جلد۵، ص۳۳

اگر قرض کے عقد میں ادائیگی کے لئے کوئی خاص جگہ معین کی گی ہو تو اس شرط کو پورا کرنا ضروری ہے، چاہے قرضہ دینے والے کو اس میں فائدہ ہو یا مقروض کو اس جگہ تک پہنچنے میں مزید کچھ خرچ کرنا پڑے۔ اس شرط کے جائز ہونے کی دلیل وہ روایات ہیں جو اس سلسلے میں نقل ہوئی ہیں:

عَنْ يَعْقُوبَ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: قُلْتُ : يُسْلِفُ الرَّجُلُ الْوَرِقَ عَلٰى اَنْ يَنْقُدَهَا اِيَّاهُ بِاَرْضٍ اُخْرٰى وَيَشْتَرِطُ ذَالِكَ عَلَيْهِ قَالَ: لَا بَأْسَ.

یعقوب بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: ایک شخص کسی کو کچھ درہم قرضہ دیتا ہے لیکن اسے کسی اور جگہ لوٹانے کی شرط کرتا ہے کیا یہ شرط صحیح ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ (۱)

عَنْ اَبِی الصَّبَّاحِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِی الرَّجُلِ يَبْعَثُ بِمَالٍ اِلٰى اَرْضٍ، فَقَالَ لِلَّذِیْ (اَلَّذِیْ) يُرِيْدُ اَنْ يَبْعَثَ بِهِ: اَقْرِضْنِيْهِ وَ اَنَا اُوَفِّيْكَ اِذَا قَدِمْتَ الْاَرْضَ قَالَ: لَا بَأْسَ .

ابو الصباح روایت کرتے ہیں کہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی دوسرے کے ذریعے دوسری جگہ کچھ مال بھیجنا چاہتا ہے اور وہ شخص جس کے ہاتھوں وہ مال دوسری جگہ بھیجنا چاہتا ہے، اس سے کہتا ہے کہ: یہ مال یہاں مجھے بطور قرض دو؛ آپ جب وہاں آئیں گے میں اسے وہیں لوٹادوں گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ (۲)

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ رَخَّصَ فِی السَّفَاتِجِ، وَ هِیَ الْمَالُ يَسْتَسْلِفُهُ الرَّجُلُ بِاَرْضٍ وَ يَقْبِضُهُ بِاُخْرٰى وَ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّهُ اَعْطٰى مَالًا فِی الْمَدِيْنَةِ، ثُمَّ اَخَذَهُ بِاَرْضٍ اُخْرٰى .

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ آپ سفتہ کی اجازت دیتے تھے، یعنی کوئی شخص ایک شہر میں قرضہ دیتا اور دوسرے شہر میں مال حوالہ کرتا اور امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ میں کچھ مال قرضہ دیا اور دوسری جگہ اسے لیا۔ (۳)

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۸۰، حدیث ۱

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۸۰، حدیث ۲

(۳) مستدرک الوسائل، جلد ۱۳، ص ۳۵۲، باب ۸، حدیث ۱؛ وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۸۱، حدیث ۳

maablib.org

۸۔ قرض کی مقدار سے کم لوٹانے کی شرط کرنا

قرض دینے والا کبھی قرضہ دیتے وقت مقروض کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر لوٹاتے ہوئے مال قرض سے کچھ کم لینے کی شرط کرتا ہے۔ چونکہ ایسی شرط مقروض کے فائدہ میں ہوتی ہے اس لئے نہ سود ہے اور نہ اس سے معاملہ باطل ہوتا ہے۔

اس بات کی تائید تمام فقہاء کرتے ہیں۔ صاحب جواہر الکلام فرماتے ہیں: عقد قرض میں مقروض کو فائدہ پہنچانے کی شرط کرنا جائز ہے اس میں کسی قسم کا اختلاف اور اشکال نہیں ہے۔ (۱)

اس قسم کی شرط کو پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ علامہ حلیؒ کتاب قواعد میں فرماتے ہیں کہ: مالک کی طرف سے یہ شرط کرنا کہ مقروض سالم سکہ کے عوض ٹوٹا ہوا یا کم قیمت والا سکہ لوٹائے گا یا دیر سے قرض ادا کرے گا، باطل ہے البتہ قرض صحیح ہے؛ کیونکہ اس طرح کی شرط مالک کے حق میں نہیں بلکہ اس کے نقصان میں ہے۔ علامہ کتاب تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ: میری نظر میں اس طرح کی شرط کا صحیح ہونا اقوی ہے البتہ اسے پورا کرنا ضروری نہیں۔ (۲)

محقق ثانیؒ فرماتے ہیں: قرض میں جس اضافے کی شرط سے منع کیا گیا ہے وہ مالک کے فائدے والی شرط ہے؛ جبکہ مقروض کے حق میں اضافے کی شرط سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو نیکی شمار ہوتی ہے۔ البتہ اس طرح کی شرط کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ قرض کی بنیاد ہم جنس کی واپسی پر ہے جب قرض دینے والا اپنے مال کا ایک حصہ معاف کرنے یا مدت مہلت میں اضافہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے تو یہ احسان ہے لیکن اس وعدے کو نبھانا واجب نہیں ہے۔ (۳)

کتاب دروس میں شہیدؒ فرماتے ہیں کہ: قرضہ دینے والا مقروض سے کچھ اور مال قرضہ لینے کی شرط کرے یا خالص اور سالم سکہ دے کر اس سے مخلوط اور ناقص سکہ لوٹانے کی شرط رکھے تو قرض کا عقد باطل نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ شرط مالک کے نفع میں نہیں بلکہ اس کے نقصان میں ہے۔ لیکن اگر پہلی شرط سے اس کے مال کے غرق یا غارت ہونے کا ڈر ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ شرط صحیح نہیں ہے۔ (۴)

شہیدؒ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد صاحب جواہرؒ فرماتے ہیں: یہ احتمال صحیح نہیں کیونکہ ممکن ہے حرمت سود کی دلیل اس مورد کو بھی شامل ہو۔ (۵)

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۳
(۲) تذکرۃ الفقہاء، جلد ۲، ص ۶
(۳) جامع المقاصد، جلد ۵، ص ۲۱
(۴) الدروس الشرعیہ، جلد ۳، ص ۳۰۹
(۵) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۱۳

حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں: اضافے کی شرط کرنا قرض دینے والے کے لئے جائز نہیں، ہاں اگر یہ شرط مقروض کے نفع میں ہو، جیسے دس درہم قرضہ دے کر آٹھ درہم لوٹانے کی شرط کرنا یا سالم سکے دے کر ٹوٹے ہوئے سکے واپس کرنے کی شرط کی جائے تو یہ جائز ہے۔ پس تاجروں کے درمیان جو چیز رائج ہے کہ وہ زیادہ پیسہ دے کر کم قیمت پر حوالہ دیتے ہیں تو یہ جائز ہے، البتہ کم پیسے دے کر زیادہ قیمت پر حوالہ دینا سود ہے۔(۱)

بہر حال، قرض دینے والے کی جانب سے کمی کی شرط کرنا جائز ہے، مگر اس قسم کی شرائط کو پورا کرنا ضروری نہیں یعنی قرض دینے والا قرض کے مال کی ہم جنس اور اس کی مثل طلب کرسکتا ہے۔

۹۔ قبل از وقت ادائیگی کی صورت میں کم لینا:

کبھی کسی شخص کو کسی سے نسیہ یا سلف کے طور پر ایک خاص مدت میں قرض وصول کرنا ہوتا ہے۔ مگر فوری ضرورت، اس سے قرض کے ایک حصہ کو معاف کرکے بقیہ کو جلد حاصل کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ یا کوئی کبھی کسی ضرورت کے موقع پر ایک خاص مدت کے لئے قرضہ لیتا ہے۔ اور مقررہ مدت سے پہلے اس کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے یوں وہ وقت سے پہلے قرض ادا کرنا چاہتا ہے۔ اگر طرفین اپنی مرضی سے وقت سے پہلے ادائیگی کے عوض قرض کی رقم یا مال میں کمی کرنا چاہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

تمام شیعہ فقہاء بغیر کسی اختلاف کے اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں صاحب جواہر کا کہنا ہے کہ: قرض اگر مدت دار ہو تو طرفین کی مرضی سے وقت سے پہلے ادائیگی کی صورت میں قرض کی مقدار میں کمی کی جاسکتی ہے اس مسئلے میں کسی قسم کا اختلاف و اشکال نہیں بلکہ اس کی صحت پر کئی روایات دلالت کرتی ہیں۔(۲)

اس مطلب پر دلالت کرنے والی روایات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے محمد بن مسلم اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حلبی صحیح روایت کے ذریعے نقل کرتے ہیں کہ:

إِنَّهُمَا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَا فِي الرَّجُلِ يَكُونُ عَلَيْهِ دَيْنٌ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَيَأْتِيهِ غَرِيمُهُ فَيَقُولُ انْقُدْ لِيْ كَذَا وَكَذَا وَ أَضَعُ عَنْكَ بَقِيَّتَهُ أَوْ يَقُولُ انْقُدْ لِيْ بَعْضاً وَ أَمُدُّ لَكَ

---

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۶۵۳، مسئلہ ۱۲؛ وسیلۃ النجاۃ، حاشیہ آیۃ اللہ گلپایگانی، جلد ۲، ص ۱۷۸

(۲) جواہر الکلام، جلد ۲۵، ص ۳۶

فِيْ الْأَجَلِ فِيْمَا بَقِيَ فَقَالَ: لَا أَرَى بِهٖ بَأْساً مَا لَمْ يَزِدْ عَلٰى رَأْسِ مَالِهٖ شَيْئاً، يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ((فَلَكُمْ رُءُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ)) .

کہ کسی ایسے شخص کے متعلق امام سے پوچھا گیا جس پر مدت والا قرضہ ہے۔ مال کا مالک اس سے کہتا ہے کہ تم ابھی فلاں مقدار ادا کرو تو باقی معاف کروں گا یا پھر یہ کہتا ہے کہ: ایک حصہ ابھی دو تو باقی کے ادائیگی کی مہلت میں اضافہ کروں گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جب تک اصل مال میں کوئی اضافہ نہیں کرتا کوئی حرج نہیں ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ: تمہیں اپنا اصل مال لینے کا حق ہے اس طرح نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ (۱)

عَنْ أَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَكُوْنُ لَهٗ عَلَى الرَّجُلِ دَيْنٌ فَيَقُوْلُ لَهٗ قَبْلَ أَنْ يَحِلَّ الْأَجَلُ عَجِّلْ لِيَ النِّصْفَ مِنْ حَقِّيْ عَلٰى أَنْ أَضَعَ عَنْكَ النِّصْفَ أَيَحِلُّ ذٰلِكَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا قَالَ: نَعَمْ .

حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام سے کسی ایسے قرض دینے والے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو وقت ادائیگی سے پہلے اپنے مقروض سے کہتا ہے کہ: آدھا قرض ابھی چکاؤ تو باقی آدھا تجھے معاف کروں گا، کیا ان دونوں کیلئے ایسا کرنا جائز ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں یہ جائز ہے۔" (۲)

شیعہ (روایات اور فقہاء کے فتاوی) نقطۂ نظر سے مال کا مالک اور مقروض، قرض کی مقدار میں کمی کرنے کے عوض، مدت مہلت میں کمی کرسکتے ہیں۔

اس رضایت کے بارے میں کہ اس کی صورت کیا ہونی چاہئے؟ کیا طرفین کا صرف راضی ہونا کافی ہے یا کسی عقد کے ضمن میں اسے انجام دینا چاہئے؟ علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت امام خمینی " فرماتے ہیں: صلح یا چھوٹ دینے کے ذریعے مدت ادائیگی میں کمی کے عوض قرض کی مقدار میں کمی کرنا جائز ہے۔ (۳)

طرفین کا وقت سے پہلے ادائیگی کرنے کی صورت میں قرض کی مقدار میں کمی کرنے کے بارے میں مصالحت کرنے کو صلح کہا جاتا ہے اور اگر مالک کہے کہ: وقت سے پہلے قرض چکاؤ تو اتنی مقدار تجھے معاف کروں گا تو یہ ابراء کہلاتا ہے۔

(۱) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۷، حدیث۱

(۲) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۷، حدیث۳

(۳) تحریرالوسیلہ، جلد۱، ص۵۳۵، مسئلہ۳

اسی کام کو ہبہ کی صورت میں بھی انجام دیا جا سکتا ہے مثلاً، مالک مال، مقروض سے کہے کہ: اگر مقررہ مدت سے پہلے لوٹاؤ گے تو اتنا تجھے بخش دوں گا۔

اہل سنت کا اس بارے میں نظریہ:

اہل سنت کے مشہور فقہاء مانند عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، الشعبی، سعید بن مسیب، مالک، ابوحنیفہ، شافعی اور بنابر قول مشہور احمد بن حنبل اسے سود اور حرام سمجھتے ہیں۔ ان کے برعکس ابن عباس، ابن سیرین نخعی، ابی ثور، زفر، ابن تیمیہ، ابن رشد، ابن قیم اور بنابر قول دیگر احمد بن حنبل اسے جائز اور حلال قرار دیتے ہیں۔

اہل سنت کے مشہور علماء، اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل دلائل کا سہارا لیتے ہیں:

۱۔ جناب مقداد سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نے کسی کو سو درہم بطور قرضہ دیا، اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کہیں کسی جگہ کام سے بھیجا تو میں نے اس شخص سے کہا: نوے دینار ابھی ادا کرو تو دس دینار تجھے بخش دوں گا، جسے اس نے قبول کیا۔ جب میں نے اس واقعہ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا تو آپ نے فرمایا: مقداد! تم نے اسے سود کھلایا!

۲۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ((بیع اجل بعاجل)) یعنی کسی سے ایک ہزار درہم قرضہ لے کر مالک سے یہ کہنا کہ: آدھا قرضہ مجھے معاف کرو تو باقی آدھا فوراً ادا کروں گا، سے منع کیا ہے۔

۳۔ ابن شہاب، سالم بن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عمر سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کے ذمے کسی کا قرض ہے اور مالک وقت سے پہلے ادائگی کے عوض اصل قرض کی مقدار سے کچھ کم کرتا ہے اور مقروض مقررہ وقت سے پہلے ادائگی کرتا ہے۔ ابن عمر نے اس کام کو مکروہ قرار دیا اور ایسا کرنے سے منع کیا۔

۴۔ عبید ابو صالح السفاح کہتے ہیں: میں نے ایک جوڑا کپڑا بازار میں کام کرنے والے کسی کے ہاتھ فروخت کیا، میں کوفہ کی طرف جانا چاہتا تھا کہ انہوں نے کہا کہ: کپڑے کی قیمت کم کرو تو ہم اس کی نقد ادائگی کریں گے۔ میں نے اس بارے میں زید بن ثابت سے پوچھا تو انہوں نے کہا: میں تمہیں اسے کھانے یا کھلانے کا حکم نہیں دے سکتا۔

مشہور کے نظریے کے مخالفین پہلی اور دوسری روایت کے جواب میں کہتے ہیں کہ: ان دونوں

روایتوں کی سند کمزور ہے اور ابن عباس سے نقل شدہ سند کے اعتبار سے صحیح روایت کا سامنا نہیں کرسکتیں۔ ابن عباس روایت کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کو مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا، تو بعض افراد نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا ہے، جبکہ ہم ان کے مقروض ہیں جس کی ادائیگی کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ضَعُوْا وَ تَعَجَّلُوْا، قرض کی مقدار میں کمی کرو اور اسے جلدی ادا کرو۔ (۱)

نظریہ مشہور کے مخالفین، تیسری اور چوتھی دلیل کا یوں جواب دیتے ہیں کہ:

اول۔ مذکورہ دونوں روایتوں کی سند پر اشکال ہے۔

دوم۔ دلالت کے اعتبار سے، دونوں روایتیں حرمت میں ظہور نہیں رکھتی ہیں۔

سوم۔ دونوں حدیث قول وعمل پیغمبر بیان نہیں کرتیں بلکہ اصحاب کے نظریہ کی حکایت کرتی ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی موجودگی میں، جس کا بیان ابن عباس کی روایت کرتی ہے، صحابہ کے نظریے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۵۔ قیاس: جاہلی سود کی قسموں میں ایک 'ادائیگی کی مہلت میں اضافہ کے عوض لئے جانے والا سود ہے جسے خدا نے حرام کیا ہے۔ مالک کا وقت سے پہلے ادائیگی کے عوض قرض کی مقدار میں کمی کرنا، درحقیقت مال کو وقت اور مدت کے مقابل قرار دینا ہے اور یہ وہی حرام سود ہے۔ چنانچہ جس طرح کسی کو ایک ہزار درہم قرض دیکر مدت مہلت میں اضافے کے عوض سو درہم کا اضافہ کرنا سود اور حرام ہے اسی طرح وقت سے پہلے ادائیگی کے عوض سو درہم کم کرنا بھی سود اور حرام ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں مال، مدت اور وقت کے عوض قرار پاتا ہے۔

اہلسنت ہی کے مبانی سے مدد لیتے ہوئے ہم اس استدلال کا جواب دیتے ہیں کہ: اس مسئلہ کو جاہلی ربا کے ساتھ قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ یہ مسئلہ جاہلی ربا کے برعکس ہے، اس لئے کہ اس میں قرضہ دینے والا اپنے حق سے کم وصول کرتا ہے، جبکہ جاہلی ربا میں وہ حق سے زیادہ وصول کرتا ہے۔

اس کے علاوہ اس طرح کا قیاس بذات خود صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ قیاس "قیاس علت" نہیں بلکہ "شبہ قیاس" ہے۔ اہلسنت کے علماء کبھی دلیل کے طور پر کسی حکم کی علت کو استنباط کرتے ہیں پھر بھی

---

(۱) السنن الکبری، جلد ۸، ص ۳۵۰؛ المستدرک علی الصحیحین، ابی عبداللہ حاکم نیشاپوری، جلد ۲، ص ۵۲

علت جہاں بھی پائی جائے وہاں وہی حکم جاری کرتے ہیں۔اس قسم کے قیاس کے خلاف اگر کوئی نص نہ ہوتو اہل سنت کے تمام علماء اسے حجت سمجھتے ہیں۔لیکن کبھی قیاس ''قیاس علت'' نہیں ہوتا یعنی دو موضوع میں کوئی ایک علت مشترک نہیں ہوتی بلکہ دو علتوں کے درمیان مشابہت یا پھر کوئی ایک مشترکہ خصوصیت پائی جاتی ہے جسے ''قیاس شبہ'' کہتے ہیں۔یہی ہمارا مورد بحث بھی ہے یعنی ایک طرف مدت میں اضافہ کے ساتھ قرض کی رقم میں اضافہ کیا جاتا ہے تو دوسری طرف مدت میں کمی کے ساتھ رقم میں بھی کمی کی جاتی ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ خدانے مدت کے عوض رقم کو حرام نہیں کیا ہے، بلکہ عنوان ''ربا'' کوحرام کیا ہے اور سود متفقہ طور پر مدت کے عوض، قرض میں اضافہ کرنا ہے، چنانچہ ان دونوں کے درمیان کوئی مشترکہ علت نہیں پائی جاتی ہے۔چنانچہ یہ قیاس، قیاس شبہ کی ایک قسم ہے اور قیاس شبہ حتی نص کی عدم موجودگی میں بھی حجت نہیں ہے۔خصوصا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت کی موجودگی میں جسے ابن عباس نے نقل کیا ہے یہ قیاس کیوں کرصحیح ہوسکتا ہے۔اس کے علاوہ اس مسئلہ میں کوئی انفرادی اور اجتماعی مفاسد بھی موجود نہیں ہیں۔(۱)

۱۰۔سودی قرض کالین دین صحیح ہے یا باطل:

قرض کے مال میں ((اضافہ)) کی شرط کرنا حرام اور باطل ہے قرضہ دینے والا جب اصل مال کے ساتھ اضافی چیز بھی وصول کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا بلکہ اس اضافی چیز کا وہ مالک بھی نہیں بنتا ہے اور اسے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔اس مسئلے میں تمام فقہاء متفق ہیں۔البتہ زیادہ لوٹانے کی شرط کرنے کی صورت میں اصل قرض صحیح ہے یا نہیں؟ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

اس بحث کا فائدہ یہ ہے کہ اگر قرض صحیح ہوتو مقروض قرض کا مال استعمال کرسکتا ہے اور اس کے ذریعے خرید وفروخت بھی کرسکتا ہے، اور اگر وہ معاملہ باطل ہوتو؛ مقروض اسے استعمال نہیں کرسکتا اسی طرح اس کے ذریعے انجام پانے والے تمام معاملات فضولی کے حکم میں آتے ہیں اور مال میں ہونے والے اضافہ اور منافع مالک کے ہیں اور مقروض ان کا ضامن ہے۔

(۱) المغنی، جلد۴، ص۲۸۹؛ احکام القرآن، الجصاص، جلد۲، ص۱۸۷؛ کتاب المنتقی شرح الموطاء، ابن الباقی اندلسی، جلد۵، ص۶۴؛ روضۃ الطالبین، جلد۳، ص۱۹۶؛ اغاثۃ اللھفان، ابن قیم، ص۲۸۱؛ بدایۃ المجتھد، جلد۲، ص۱۴۳؛ المبسوط، جلد۲۱، ص۳۱؛ السنن الکبری، جلد۶، ص۲۸؛ بحوث فی الربا، ص۵۹؛ الربا والمعاملات المصرفیہ، ص۲۳۱

اس سلسلہ میں فقہاء کے نظریات مختلف ہیں: شرائع میں محقق اول، قواعد اور مختلف میں علامہ، قرض کے باطل ہونے کے بارے میں اجماع کا دعوی کرتے ہیں۔ (۱)

یہ فقہاء اجماع کے علاوہ درج ذیل دلائل کے ذریعے استناد کرتے ہیں:

ا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

كُلُّ قَرْضٍ يَجُرُّ مَنْفَعَةً فَهُوَ حَرَامٌ .

ہر وہ قرض جس میں فائدہ ہو، حرام ہے۔ (۲)

فقہاء فرماتے ہیں کہ: روایت کے حکم کو قرض میں شرط ہونے والی منفعت کے ساتھ مقید کر کے اور سند کی کمزوری کو مشہور سے موافقت کے ذریعے تقویت پہنچنے کے بعد، یہ حدیث اصل قرض کی حرمت میں ظہور رکھتی ہے اور جب قرض حرام ہوتا ہے تو معاملہ باطل ہو جاتا ہے۔

۲۔ محمد بن قیس کی صحیح روایت، جو پہلے گزر چکی ہے، اس میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا تھا: مَنْ اَقْرَضَ رَجُلاً وَرِقاً فَلَا يَشْتَرِطْ اِلَّا مِثْلَهَا اس روایت کے مطابق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قرض میں ہر قسم کے اضافہ کی شرط کرنے سے منع کرتے ہیں۔ بنابر ایں قرض صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس میں کسی قسم کے اضافے کی شرط نہ رکھی جائے۔

۳۔ جن روایات میں زیادہ لینے کو جائز قرار دیا ہے، یہ ان موارد کے ساتھ مختص ہے جن میں اضافہ کی شرط نہیں ہوئی۔ چنانچہ قرض صرف اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جس میں زیادہ کی شرط نہ ہوئی ہو۔ (۳)

ان کے علاوہ فقہاء کا ایک اور گروہ جیسے صاحب حدائق (۴)، صاحب عروۃ الوثقی (۵) اور دوسرے معاصر فقہاء جیسے آقائے خوانساریؒ (۶)، امام خمینیؒ (۷)، آقائے خوئیؒ (۸)، آیت اللہ اراکیؒ (۹)

---

(۱) جواہر الکلام، جلد۲۵، ص۶، ۷؛ مفتاح الکرامہ، جلد۵، ص۳۵

(۲) جامع احادیث الشیعہ، جلد۱۸، ص۳۳۶؛ کنز العمال، جلد۶، ص۲۳۸، حدیث ۱۵۵۱۶

(۳) جواہر الکلام، جلد۲۵، ص۶؛ مفتاح الکرامہ، جلد۵، ص۳۵؛ جامع المقاصد، جلد۵، ص۲۱

(۴) الحدائق الناضرہ، جلد۲۰، ص۱۱۷

(۵) عروۃ الوثقی، جلد۲، ص۸

(۶) جامع المدارک، جلد۳، ص۳۲۹

(۷) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۶۵۵

(۸) توضیح المسائل، ص۴۰۲

(۹) استفتاءات، ص۱۵۴

آیت اللہ تبریزی (۱) اور آیت اللہ العظمیٰ سیستانی مدظلہ (۲) وغیرہ فرماتے ہیں کہ: صرف شرط باطل ہے، جبکہ قرض صحیح ہے۔

یہ فقہاء اصل قرض کو باطل قرار دینے والوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ مذکورہ تمام روایات زیادہ کی شرط کے حرام اور باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اصل قرض کے باطل ہونے پر دلالت نہیں کرتیں۔

یہی نظریہ حق ہے۔ کیونکہ پہلی دلیل جسے اہل سنت کے راویوں نے نقل کیا ہے وہ سند کے لحاظ سے کمزور ہونے کے ساتھ اس کی دلالت فساد شرط اور فساد عقد کے درمیان ملازمہ پر موقوف ہے، جسے اکثر فقہاء رد کرتے ہیں۔

محمد بن مسلم کی روایت کے بارے میں کہنا چاہیے کہ: اس حدیث میں موجود ادات حصر: ((فَلَا يَشْتَرِطُ إِلَّا مِثْلَهَا)) باعث بنتی ہے کہ صرف قرض کے مثل لوٹانے کی شرط کی جائے اس سے زیادہ کی شرط کرنا جائز نہیں ہے، پس اس سے زیادہ لینا حرام ہے، جبکہ یہ روایت اس مطلب کو نہیں بتاتی کہ صرف وہ قرض صحیح ہے کہ جس میں زیادہ کی شرط نہ ہوئی ہو، اس بات کو بتانے کے لئے الگ سے دلیل کی ضرورت ہے۔

جو روایات بغیر شرط زیادہ لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، وہی شرط والے زیادہ کی حرمت پر بھی دلالت کرتی ہیں جبکہ اصل قرض کے صحیح یا باطل ہونے کے بارے میں روایات خاموش ہیں۔

---

(۱) توضیح المسائل، ص ۳۰۱

(۲) توضیح المسائل، ص ۳۳۳

maablib.org

چوتھا باب:

ربا سے فرار

پہلی فصل:

ربا سے فرار کے حیلے

گذشتہ دو فصلوں میں ہم نے ''معاملی'' اور ''قرضی'' ربا کی اقسام اور شرائط بیان کی ہیں اور اس بات کی تفصیل بھی بیان کی ہے کہ شارع مقدس نے اسلامی معاشرے کے اقتصادی پیکر کو سود کے مہلک مرض سے بچانے کے لئے کیا زبردست اہتمام کیا ہے۔

سود کے معاشرے پر مرتب ہونے والے برے اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے بچنے کے حیلوں پر بحث کرنا بہت ضروری ہے، چنانچہ سود سے بچنے کے تمام شرعی حیلوں کو جائز سمجھنا، درحقیقت سود کی حرمت کے حکم کو ہی مہمل قرار دینے کے مترادف ہے اور سود خوروں سے شارع مقدس کی ناراضگی کو محض لفظی اختلاف سمجھنا اس بڑی آفت سے اسلام کی جنگ کو ناکام بنانا ہے۔

ہم سود سے بچنے کے حیلوں کے احکام بیان کرنے سے پہلے حیلہ کی تعریف اور شرعی حیلوں کی اقسام کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

حیلہ کی تعریف:

عربی لغت میں حیلہ ((حول)) کے مادہ سے لیا گیا ہے جو سال، وقت کا گزرنا اور ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کے معنی میں آیا ہے۔(۱)

الحَوْل، الحَيْل، الحِوَل، الحيلة، الحويل، الاحتيال، المحالة، التَّحَوّل، التحيّل:

یہ سب ذہین وفطین، مہارت، دقت نظر اور کسی کام میں گہری سوچ بچار کرنے کی صلاحیت کے معنی

---

(۱) اقرب الموارد، جلد ۱، ص ۲۳۶

میں استعمال ہوتے ہیں۔ان کی جمع حِیَلَــہ، حِیَلْ اور حِوَل ہیں۔حیلہ کرنے والے مرد یا عورت کو ((حول)) اور ((حولہ)) کہتے ہیں۔عرب کسی کے بارے میں یہ کہنے کے لئے کہ وہ تم سے زیادہ حیلہ گر ہے " هُوَاَحْوَلُ مِنْکَ" کہتے ہیں۔

الاحتیال اور محاولۃ کسی چیز کو چالاکی، چستی اور پھرتی سے حاصل کرنے کو احتیال اور محاولہ کہتے ہیں۔(۱) کوئی بہت زیادہ تیز طرّار اور حیلہ گر ہو تو اسے ((حَوَلْوَل)) کہا جاتا ہے۔(۲)

﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً﴾ (۳) یہاں حیلہ اسم ہے اور ((احتیال)) سے ماخوذ ہے،(۴) یعنی کمزور وناتواں مردوں، عورتوں اور بچوں کو جو چالاکی اور تیزی نہیں دکھا سکتے خدا معاف فرمائے گا۔حدیث میں ہے کہ: بِکَ اُصَاوِلُ وَبِکَ اُحَاوِلُ؛ خدایا! تیری مدد سے ہی میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے چارہ جوئی کرتا ہوں۔(۵)

فقہاء کی اصطلاح میں "حیلہ ربا" ان طریقوں اور راہوں کو کہا جاتا ہے، جن کے ذریعے انسان سود کی حرمت سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ شریعت کی ظاہری مخالفت کئے بغیر اور سود خوروں کے لئے موجود دنیوی اور اخروی عذاب سے بچتے ہوئے اپنے اصلی مقصد یعنی "زیادہ یا اضافہ" کو حاصل کرسکے۔یہ طریقہ قرضی اور معاملی سود دونوں میں اپنایا جاتا ہے، ان شرعی حیلوں کی کڑی جزیرۃ العرب میں اسلام کی حاکمیت کے ابتدائی سالوں سے جاملتی ہے۔اسلام کے مختلف مذاہب کے فقہاء نے زمانہ قدیم سے سود کے حیلوں کے شرعی ہونے کے بارے میں تحقیق کی ہے اور اس سلسلہ میں مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔

سود کے حیلوں کی حرمت وحلیت اور صحت وبطلان کے احکام جاننے سے پہلے، شرعی حیلوں کی قسموں کو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ سود کے حیلے کس طرح کے شرعی حیلوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کا حکم کیا ہے؟

شرعی حیلوں کی اقسام

لوگ عام طور پر شرعی احکام یعنی کسی واجب یا حرام سے بچنے کے لئے شرعی حیلوں کا سہارا لیتے ہیں؛ مکلف، حیلہ کے سہارے کسی چیز کے وجوب یا حرمت کے حکم کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے، البتہ

(۱) لسان العرب، جلد۳، ص ۳۹۸—۴۰۰
(۲) القاموس المحیط، مجدالدین فیروز آبادی، جلد۳، ص ۳۶۳
(۳) سورہ نساء، آیت ۹۸
(۴) مجمع البحرین، جلد۵، ص ۳۶۱
(۵) النھایہ، ابن اثیر، جلد۱، ص ۳۶۳

دوسرے احکام جیسے کراہت، استحباب اور مباح کے لئے حیلہ کارآمد نہیں ہے، کیونکہ انہیں انجام دینا اور ترک کرنا دونوں برابر ہے۔

حیلہ (اس حکم سے قطع نظر جس سے بچنے کے لئے حیلہ کیا جاتا ہے) خود بھی احکام خمسہ یعنی واجب، حرام، مکروہ، مستحب اور مباح میں سے کسی ایک کے حکم میں آتا ہے۔ حرام یا واجب سے بچنے کے لئے کئے جانے والے حیلہ کی دس صورتیں بنتی ہیں:

﴿۱﴾ حرام سے بچنے کے لئے کئے جانے والا واجب حیلہ: مثلاً؛ ڈوبتی ہوئی نامحرم عورت کو بچانا واجب ہے مگر حیلہ کرنے والا اسے نامحرم کو چھونے کا سبب قرار دیتا ہے۔

﴿۲﴾ واجب سے بچنے کے لئے کئے جانے والا واجب حیلہ: مثلاً؛ دو آدمی پانی میں ڈوب رہے ہیں اور انسان ان میں سے صرف کسی ایک کو بچا سکتا ہے' وہ ان میں سے ایک کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے اسے چھوڑ کر دوسرے کو بچاتا ہے۔

﴿۳﴾ حرام سے بچنے کے لئے اپنایا جانے والا حرام حیلہ: ایک شخص کسی صحرا میں اکیلا ہے اور اس کے پاس اپنی پیاس بجھانے کے لئے تھوڑا سا پانی ہے وہ اسے گرا دیتا ہے تاکہ اپنے ساتھ لائی ہوئی شراب کو پینے پر مجبور ہو سکے۔

﴿۴﴾ واجب سے بچنے کے لئے اپنائے جانے والا حرام حیلہ: مثلاً؛ واجب جہاد سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو کسی موذی مرض میں مبتلا کرنا یا اپنے کسی عضو کو کاٹ ڈالنا۔

﴿۵﴾ حرام سے بچنے کے لئے اپنائے جانے والا مستحب حیلہ: مثلاً؛ اپنے کسی قریبی رشتہ دار سے سود پر قرضہ لینا پھر ((سود)) کو اسے تحفہ کی صورت میں دینا۔

﴿۶﴾ واجب سے بچنے کے لئے کئے جانے والا مستحب حیلہ: جیسے ماہ رمضان کے واجب روزوں سے بچنے کے لئے سفر زیارت پر جانا۔

﴿۷﴾ حرام سے بچنے کے لئے کیا جانے والا مکروہ حیلہ: جیسے نقد اور نسیہ (بیع العینہ) کا لین دین کرنا؛ بشرطیکہ بیع العینہ سے منع کرنے والی روایات کو کراہت پر حمل کیا جائے۔ کسی کو ایک چیز سو روپیہ میں بطور نسیہ فروخت کرے پھر اسی چیز کو اس سے نقد نوے روپیہ میں خریدنے کو بیع العینہ کہتے ہیں۔ اس صورت میں بیچنے والا نقد اور نسیہ کی قیمت میں فرق کی شکل میں سود لیتا ہے۔

﴿۸﴾ واجب سے بچنے کے لئے انجام دئے جانے والا مکروہ حیلہ: جیسے زکات یا خمس کے وجوب سے پہلے اس چیز کو فروخت کرنا۔ روایات میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو کم سے کم اس کی کراہت پر دلالت کرتی ہیں۔

﴿۹﴾ حرام سے بچنے کے لئے اپنائے جانے والا مباح حیلہ: مثلاً؛ بعض لوگ نیک مقصد کے لئے ایک چیز کو اس کی اصلی قیمت سے کم پر فروخت کرتے ہیں یا پھر ایک چیز کو اس کی اصل قیمت سے زیادہ پر خریدتے ہیں جو جائز ہے، مگر کبھی یہی حیلہ سود سے بچنے کے لئے بھی انجام دیتے ہیں۔ مثلاً: ایک شخص کسی کو قرضہ دینا چاہتا ہے چونکہ سود لینا حرام ہے اس لئے وہ ایک ہزار روپے کی چیز کو ایک لاکھ روپیہ، ایک سال کے لئے قرضہ لینے کی شرط پر اسے دس ہزار میں فروخت کرتا ہے۔

﴿۱۰﴾ واجب سے بچنے کے لئے انجام دئے جانے والا مباح حیلہ: مثلاً؛ کسی غریب سید کو خمس کے ہزار روپے ادا کرتا ہے پھر سو روپیہ کی کسی چیز کو اسی سید کے ہاتھ ایک ہزار میں فروخت کرتا ہے۔

اب تک جو کچھ بیان ہوا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سود سے بچنے کے لئے اپنائے جانے والے حیلے یا تو مباح ہیں یا مستحب یا پھر مکروہ ہیں۔ جبکہ واجب اور حرام حیلہ کے بارے میں اب تک کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ چنانچہ سود کے تمام حیلے جائز بالمعنی الاعم ہیں، لہٰذا سود کے حیلہ کی حرمت کو ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

ایک اہم نکتہ

دو صورتوں میں سود کی حرمت جیسے شرعی احکام سے بچ نکلنا ممکن ہے:

﴿۱﴾ خروج حکمی: جیسے کسی چیز کی حرمت یا وجوب کے حکم کو دلیل شرعی کے عموم (حکم عام) سے خارج کرنا، یعنی حرمت کے حکم کے بارے میں استثناء کا قائل ہونا۔ جس طرح سے والد کا بیٹے سے سود لینا حرام سود سے استثناء ہوا ہے، جس کے بارے میں صریح روایات دلالت کرتی ہیں کہ یہ حرام نہیں، اسی طرح حکومت اور عوام کو باپ اور بیٹے سے قیاس کرتے ہوئے حکومت کا لوگوں سے سود لینے کو بھی جائز قرار دیا جائے تو اسے خروج حکمی کہتے ہیں۔

﴿۲﴾ خروج موضوعی: کسی مورد میں ردوبدل کرکے یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس مورد پر مزید حرمت کے حکم کا موضوع صادق نہیں آتا مثلاً؛ قرضی سود میں نقد و نسیہ (بیع عینہ) کے ذریعے حاصل ہونے والے قیمت کے فرق کو منافع قرار دے کر یہ کہا جائے کہ یہاں اصلاً سود حاصل ہی نہیں ہوا ہے۔ اس انکار کو خروج موضوعی کہتے ہیں۔

سود کے حیلوں کو جائز سمجھنے والوں کی اکثریت کے مطابق سود کے حیلے خروج موضوعی کا باعث بنتے ہیں۔ کیونکہ ان حیلوں کے بعد حرام سود کا موضوع باقی نہیں رہتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام موارد، حیلہ کے بعد سود کے موضوع سے خارج نہیں ہوتے بلکہ سود کا موضوع حیلہ کے بعد بھی اپنی تمام تر خرابیوں کے

ساتھ باقی رہتا ہے، خصوصاً سودی قرضوں کے حیلوں (جن کی تفصیل ہم بعد میں بیان کریں گے) کے جائز ہونے کا حکم ہم قطعی طور پر نہیں لگا سکتے۔

ربا کے حیلوں کا حکم:

ربا کے حیلوں کے بارے میں دو اعتبار سے بحث ہو سکتی ہے:

﴿۱﴾ صحت و بطلان (صحیح ہیں یا باطل)

﴿۲﴾ حرمت و حلیت (حرام ہیں یا حلال)

﴿۱﴾ صحت و بطلان کے لحاظ سے ربا کے حیلوں کا حکم

فقہاء کی اکثریت کے مطابق سودی لین دین میں حیلہ سے کام لینا جائز ہے؛ چنانچہ سود کے حیلوں کے بارے میں بحث کرنے کے بعد صاحب جواہرالکلام لکھتے ہیں:

وَكَيْفَ كَانَ فَقَدْ عَرَفْتَ مَشْرُوعِيَّةَ الاِحْتِيَالِ فِي التَّخَلُّصِ مِنَ الرِّبَا نَصًّا وَفَتْوَى إِذْ هُوَ فِرَارٌ مِنَ الْبَاطِلِ إِلَى الْحَقِّ .

بہرحال آپ جان چکے ہیں کہ احادیث اور فقہاء کے فتاوای کی رو سے سود سے فرار جائز ہے کیونکہ یہ باطل سے حق کی جانب فرار ہے۔ (۱)

ان کے برعکس سید مرتضی، محقق بہبہانی اور محقق اردبیلی سود کے حیلوں کو مطلقاً باطل سمجھتے ہیں۔ (۲)

مقدس اردبیلی لکھتے ہیں: سود کے حیلوں سے ہر ممکن طور پر بچو! اگر کوئی مجبور ہو تو صرف اپنی مجبوری دور کرنے کی حد تک ان حیلوں کا سہارا لے سکتا ہے مگر کوئی خیال نہ کرے کہ روایات اسے جائز قرار دیتی ہیں؛ کیونکہ سود کے حیلے حرمت سود کی علت کے ساتھ منافات رکھتے ہیں۔ علامہ نے کتاب تذکرہ میں شاید اسی مطلب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ "اگر دو ہم جنس اور سودی اشیاء کا معاملہ کرنے پر مجبور ہو تو الگ بات ہے۔

(۱) جواہرالکلام، جلد ۲۳، ص ۳۹۶

(۲) مفتاح الکرامہ، جلد ۴، ص ۹۰۵؛ جوامع الفقہیہ، ص ۲۵۳؛ رسالہ فی الربا، سید مجتبی موسوی، ص ۱۱۵؛ مجلہ کیہان اندیشہ، سید محمد بن محمد صادق، بہمن ۱۳۶۵، ص ۱۰۹

سود کی حرمت کی علت کی بحث میں حرمت کی علت سے مربوط روایات نقل کرنے کے بعد مقدس اردبیلی فرماتے ہیں کہ: یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ سود سے بچنے کے اکثر حیلے ناجائز ہیں۔(۱)

بعض فقہاء معاملی سود کے حیلوں کو صحیح اور قرضی سود کے حیلوں کو باطل سمجھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام خمینی " فرماتے ہیں: سود سے فرار کی متعدد راہیں بیان ہوئی ہیں، جب میں نے اس مسئلہ میں غور وفکر کیا تو میرے لئے یہ ثابت ہوا کہ سود سے فرار کا کوئی حیلہ جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی حیلہ جائز ہے تو صرف دو ہم جنس ربوی اشیاء کے اضافہ کے ساتھ لین دین میں سود سے بچنے کے لئے کئے جانے والا حیلہ جائز ہے۔ مثلاً: اگر کوئی اعلیٰ قسم کی ایک من گندم کو پست درجے کی کم قیمت والی دو من گندم کے ساتھ معاملہ کرتے وقت سود سے بچنے کے لئے کم قیمت والی گندم کے ساتھ کسی چیز کو بطور ضمیمہ دے دیتا ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے یہ حقیقت میں سود سے فرار کا حیلہ نہیں ہے۔(۲)

سود کے حیلوں کو مکمل طور پر یا صرف قرضی سود کے حیلوں کو باطل قرار دینے والے درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

ربا کے حیلوں کو باطل سمجھنے والوں کی دلیلیں:

پہلی دلیل:

سود کے حیلے سود کے حرام ہونے کی علت یا اس کے حرام ہونے کی حکمت سے منافی ہیں، اس لئے باطل ہیں۔

حضرت امام خمینیؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں: حیلے، کتاب وسنت میں مذکور حرمت سود کی علتوں جیسے، ظلم، فساد اموال، تجارت کی معطلی وغیرہ سے سود کے موضوع کو خارج نہیں کرسکتے، مثلاً: اگر فرض کیا جائے کہ بیس فیصد شرح سود پر ایک سال کے لئے کسی کو قرضہ دینا ظلم ہے، تو اسی طرح حیلہ سے کام لیتے ہوئے سو روپیہ کو ایک سو بیس روپیہ کے بدلے سال کے لئے نسیہ معاملہ کرنا بھی کسی شک وشبہ کے بغیر ظلم اور اموال کے فاسد ہونے کا ذریعہ ہے جب ایک من گندم کو اسی جنس اور صفت والے دو من گندم کے ساتھ، ایک سال کے لئے نسیہ معاملہ کرنا، ظلم اور اموال کے فاسد ہونے کا باعث بنتا ہے تو یہ کہنا کہ: ایک رومال ضمیمہ کرنے سے ظلم شمار نہیں ہوتا ہے، یہ غیر معقول بات ہے۔

---

(۱) مجمع الفائدہ والبرہان، جلد۸، ص ۴۶۸

(۲) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص ۵۳۸، مسئلہ ۷

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ظلم اور اموال کا فاسد ہونا سود کے حرام ہونے کی علت نہیں بلکہ یہ حکمتِ حکم ہے، یعنی حرمت کا دارومدار ظلم اور اموال کا فاسد ہونا ہے اور حیلہ بھی اسی حرمت کے حکم سے فرار کے لئے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ بات کسی حد تک صحیح ہے مگر یہ صرف سود کے عمومات کی تخصیص و تقیید جائز ہونے کا باعث ضرور بنتا ہے لیکن ہم حرمت سود کی حکمت بتانے والی آیات وروایات کی دلالت کی مخالفت نہیں کرسکتے ہیں۔

سود کی حرمت کی حکمت جب ظلم اور اموال کا فاسد ہونا ہے تو تمام موارد میں حیلے جائز نہیں ہوسکتے، کیونکہ اس کا لازمہ حکم حرمت کو ہی باطل قرار دینا ہے۔ شارع اگر اموال کے فاسد ہونے، تجارت کے متروک ہونے کا باعث بننے اور ظلم کی وجہ سے سود کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کے عنوان کے ایک حصہ میں (جو ان مفاسد سے روکتا بھی نہیں) تھوڑی سی تبدیلی کر کے اس کی تمام قسموں کو حلال قرار دینا، اس کے اپنے احکام کو لغو اور مہمل قرار دینے کے زمرے میں آتا ہے۔

حیلوں کے ذریعے سود کا حلال ہونا اگر اتنا آسان تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تمام عالم کے لئے رحمت تھے مسلمانوں کو وہ حیلے کیوں نہیں بتلائے تاکہ ان کے ذریعے آپ کی امت حرام سے بچ جاتی جو خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کے مترادف ہے اور جس کا گناہ اپنے محارم کے ساتھ ستر بار زنا سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے برعکس ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے اپنے گورنر کے نام خط میں یہ فرماتے ہیں کہ "سود کھانے والے اگر سود خوری سے باز نہ آئیں تو ان کے خلاف جنگ کرو۔" کسی چیز کو ضمیمہ کر کے یا الفاظ کے ہیر پھیر کے حیلوں کے ذریعے سود اگر جائز ہوتا تو مسلمانوں کا خون بہانے اور ان سے جنگ کرنے کا حکم دینے کی کیا ضرورت تھی، بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے ان حیلوں کو بتانا واجب تھا۔(۱)

امام خمینیؒ کی طرح شہید مرتضی مطہریؒ بھی سود سے فرار کے حیلوں کی حرمت کے لئے دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" قرآن مجید کی آیت بتاتی ہے کہ سود کی حرمت کی بنیادی وجہ ظلم ہے: " لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ " (۲)
یہ واضح ہے کہ یہاں ظلم سے مراد قرض دینے والے کا مقروض سے سود لینے کے علاوہ کچھ نہیں، جسے ہم ان دو آیتوں "لِيَرْبُوَا فِي اَمْوَالِ النَّاسِ " (۳) اور "لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً " (۴) سے بھی

(۱) کتاب البیع، جلد ۲، ص ۴۰۹ و ۴۱۰ (۲) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۹

(۳) سورہ روم، آیت ۳۹ (۴) سورہ آل عمران، آیت ۱۳۰

بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ایک حتمی معیار ہے جس کی وضاحت قرآن مجید نے کی ہے۔ حیلوں کے ذریعہ ظلم کا خاتمہ ممکن نہیں کیونکہ اقتصادی حوالے سے کام کی ماہیت کوئی اہمیت نہیں رکھتی، چنانچہ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ حیلے صحیح نہیں ہیں۔

روایات میں "لِمَا فِیْهِ مِنْ تَرْكِ التِّجَارَاتِ" کی جو علت بیان ہوئی ہے وہ بھی ان حیلوں کی حرمت پر دلالت کرتی ہے؛ کیونکہ یہ واضح ہے کہ تجارت کی ماہیت کچھ اور ہے اور سود خوری کی ماہیت کچھ اور۔ یہ بھی واضح ہے کہ ان کا فرق صرف صیغہ (الفاظ) کا نہیں بلکہ یہ دونوں ماہیت اور حقیقت میں مختلف ہیں۔ سود میں یہ خرابی ہے کہ سود خور تجارت نہیں کرتا، اور تجارت یہ نہیں ہے کہ آرام سے بیٹھ کر سود دینے والوں کے ساتھ بیع کا صیغہ پڑھے اور خوب کمائے اگر ایسا ہوتا تو مالک کی اجازت سے لین دین کرنے والے وکیل ہی حقیقی تاجر کہلاتے۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سود اور تجارت دو الگ الگ اقتصادی امور ہیں ایک کو شارع نے حرام اور دوسرے کو حلال کیا ہے۔ سود تجارت نہیں اور تجارت سود نہیں ہے۔ بلکہ دونوں اقتصادی سرگرمیوں کی دو الگ الگ قسمیں ہیں۔ بعض مفسرین کے مطابق آیت سے مراد یہ ہے کہ: أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ الَّذِیْ لَا رِبَا فِیْهِ وَحَرَّمَ الْبَيْعَ الَّذِیْ فِیْهِ الرِّبٰوا یعنی خدا نے بغیر سود کے تجارت کو حلال اور سود والے لین دین کو حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ سود سے سودی معاملہ مراد لینا اور یہ کہنا کہ سودی لین دین تجارت کی ایک قسم ہے، یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ مفسرین کی اکثریت کے مطابق سود صرف سودی لین دین کا نام نہیں بلکہ ((زیادہ یا اضافہ)) کا نام ہے، اور اصولاً سود کی بنیاد قرض ہے، یہ ماہیت اور حقیقت میں تجارت سے الگ ہے اور ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ قرضی سود کی حرمت کی وجہ سے معاملی سود حرام ہوا ہے تاکہ لوگ قرض کو بیع و تجارت کی صورت میں کاروبار کی شکل دینے نہ لگ جائیں۔ بہر حال آیت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ان دو اقتصادی امور میں سے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ صیغہ عقد، لین دین کی نوعیت کی وضاحت کرتا ہے۔ لہٰذا صیغہ بیع و تجارت کے ذریعے انجام پانے والا عمل اگر حقیقت میں سود پر مبنی ہے تو سود اور حرام ہے۔ حیلے اقتصادی امور کی ماہیت کو تبدیل نہیں کرتے بلکہ اس کی ظاہری شکل کو بدل دیتے ہے۔

تجارت کی حقیقت یہ ہے کہ عوضین ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جبکہ سود کی حقیقت اس میں ہے کہ عوضین ایک جیسے ہوتے ہیں اور ایک طرف اضافہ ہوتا ہے۔ (۱)

---

(۱) ربا، بانک و بیمہ، ص ۲۲۷-۲۳۹

دوسری دلیل:

سود کے حیلوں میں اصل قصد حیلہ نہیں ہوتا۔

شیعہ اور سنی فقہاء کے ہاں یہ بحث عام ہے کہ طرفین معاملہ یعنی فروخت کرنے والا اور خریدار کا اصل مقصد حیلے نہیں بلکہ سود ہوتا۔ چنانچہ اس طرح کا لین دین صحیح نہیں ہے۔ (۱)

اس کی مزید وضاحت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کے اس قول سے ہوتی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''فرض کیجئے کہ سود خور ایک ڈبیہ ماچس یا ایک ٹافی ضمیمہ کرکے روزانہ ہزاروں روپیہ سے اپنی جیب بھرتا ہے جسے مقروض کو مجبوراً دینا پڑتا ہے تو کیا خریدار اور فروخت کنندہ اس معاملہ کے بارے میں واقعاً Serious ہوتے ہیں؟ کیا کوئی عقل رکھنے والا دو روپیہ کی ماچس کو دو ہزار میں خرید سکتا ہے؟ اور کیا آج تک کسی نے اس طرح کا معاملہ انجام دیا ہے؟

کیا نوٹوں کو (جو کہ عقلاء کے نزدیک ثمن (قیمت) واقع ہوتے ہیں) مال کے عنوان سے فروخت کیا جاسکتا ہے، اور کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اس دس ہزار روپیہ کو ایک ماہ کی مدت کے بدلے گیارہ ہزار روپے میں فروخت کرتا ہوں؟ کیا اسے لین دین کہا جاسکتا ہے؟

کیا آج تک کسی نے نوٹوں کو نوٹوں کے عوض اضافہ کے ساتھ معاملہ کیا ہے تاکہ ہم بھی ایسا کریں؟

کیا درحقیقت ان کا مقصد ایک مہینے کے قرض پر ایک ہزار روپیہ سود لینا نہیں؟ اور کیا اس طرح کے خرید و فروخت میں خالی الفاظ کے ہیر پھیر کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے؟

ان تمام باتوں کے پیش نظر ایسے معاملات کو کیسے ایک حقیقی معاملہ قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ کیسے ﴿اوفوا بالعقود﴾ کے زمرے میں آتے ہیں؟!

مختصر یہ کہ سود کے حیلوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ طرفین کا قصد یہی حیلے ہوتے ہیں، جبکہ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ معاملات کی صحت کی ایک شرط ''قصد'' بھی ہے۔ (۲)

تیسری دلیل:

جس معاملہ میں سود کے قانون میں تبدیلی آتی ہو' وہ عرف کی نظر میں سود ہے۔

---

(۱) منیۃ الطالب، موسیٰ خوانساری، جلد ۱، ص ۱۰؛ فلسفہ فقہ کے ساتھ ناسازگار حیلے، محمد عبدالوہاب بحیری، ص ۳۱۳ - ۳۱۸

(۲) خطوط اصلی اقتصاد اسلامی، ص ۲۳۸، ۲۳۹

اس معاملے کے دو رُخ ہیں۔ پہلا بیع و تجارت اور دوسرا سود۔ چنانچہ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی تمام آیات و روایات اس معاملہ کو بھی شامل ہیں۔ (۱)

یہ بات (دلیل) اگر صحیح ہو تو سود کے حیلوں کے باطل ہونے کے ساتھ اس کی حرمت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

چوتھی دلیل: مکلف کا شرعی قانون سے ناجائز فائدہ اٹھانا

ممتاز شیعہ عالم دین ملا حبیب اللہ کاشانی اور سنی عالم دین ابن قیم کہتے ہیں کہ: فقہی قوانین کے مطابق جو بھی شرعی قانون سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی نیت سے کوئی معاملہ کرے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ فقہ میں ((دلیل اصطیادی)) کے نام سے ایک دلیل موجود ہے جو اس قسم کے موارد میں لاگو ہوتی ہے۔ (۲)

فقہ میں اس قاعدہ کے ہم کئی فروعات بیان کر سکتے ہیں جیسے:

تمام فقہاء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ مرض موت میں اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر بھی وہ اپنے شوہر سے ارث پاتی ہے اگرچہ اس کی عدت ختم ہی کیوں نہ ہوئی ہو۔

اگر کوئی اپنے مورث (وہ مرنے والا جو وارث اور مال چھوڑ جائے) کو قتل کر ڈالے تو وہ اس کے ارث سے محروم ہوتا ہے۔

فقہاء کی اکثریت کا فتویٰ ہے کہ زکات اور خمس واجب ہونے سے پہلے اگر کوئی اپنے مال کو خرچ کرڈالتا ہے، اور وہ مال نصاب سے کم ہو جائے تو پھر بھی اسے چاہئے کہ زکات اور خمس ادا کرے۔

اکثر فقہاء کے مطابق مرض موت کے دوران ہونے والی شادی ارث کا موجب نہیں بنتی ہے۔

فقہاء کی اکثریت کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ مرض موت کے دوران انجام دئے گئے لین دین کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (۳)

اہلسنت کے فقہی مصادر میں بھی مذکورہ بالا مثالوں جیسے مسائل پائے جاتے ہیں۔ (۴)

---

(۱) مقایسه ای بین سیستمهای اقتصادی، حسین مظاہری، جلد۲، ص۸۲

(۲) مقایسه ای بین سیستمهای اقتصادی، حسین مظاہری، جلد۲، ص۷۸

(۳) مقایسه ای بین سیستمهای اقتصادی، حسین مظاہری، جلد۲، ص۷۷

(۴) حیله های شرعی ناساز گار با فلسفه فقه، ص۳۳۹

پانچویں دلیل: روایات

سود کے حیلوں کو باطل قرار دینے والے استدلال کرتے ہیں کہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں جو ان حیلوں کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ اہلسنت کی کتابوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: إِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَتَبَايَعُوْا بِالْعِيْنَةِ وَتَرَكُوا الْجِهَادَ وَاتَّبَعُوْا أَذْنَابَ الْبَقَرِ أَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى يَتُوْبُوْا وَيَرْجِعُوْا دِيْنَهُمْ .

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جب لوگ درہم و دینار کے معاملے میں بخل سے کام لیں گے اور ان کے درمیان بیع عینہ رواج پائیں گے اور وہ جہاد کو چھوڑ کر کھیتی باڑی میں مصروف ہونگے تو خدا انہیں اتنا ذلیل کرے گا کہ وہ اس ذلت سے اس وقت تک اپنی جان نہیں چھڑا سکیں گے جب تک توبہ نہ کرلیں اور اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آئیں۔ (۱)

۲۔ شیعہ اور سنی دونوں کی کتابوں میں یہ روایت ملتی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبے میں آخری زمانے کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا سَلْمَانُ وَعِنْدَهَا يَظْهَرُ الرِّبَا وَ يَتَعَامَلُوْنَ بِالْعِيْنَةِ وَ الرِّشَا وَ يُوْضَعُ الدِّيْنُ وَ يُرْفَعُ الدُّنْيَا .

اے سلمان! اس وقت سود کا رواج عام ہوگا اور لوگ معاملات عینہ کیا کریں گے اور رشوت طلب کریں گے اور دین ان کی نظر میں پست اور دنیا بہت قیمتی ہوگی۔ (۲)

۳۔ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

يَا عَلِيُّ! إِنَّ الْقَوْمَ سَيُفْتَنُوْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَيَسْتَحِلُّوْنَ حَرَامَهُ بِالشُّبُهَاتِ الْكَاذِبَةِ وَالْأَهْوَاءِ السَّاهِيَةِ فَيَسْتَحِلُّوْنَ الْخَمْرَ بِالنَّبِيْذِ وَالسُّحْتَ بِالْهَدِيَّةِ وَالرِّبَا بِالْبَيْعِ .

اے علیؑ! بہت جلد مال و دولت کے ذریعے ان لوگوں کی آزمائش ہوگی، جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے یہ انہیں جھوٹے شبہات اور گمراہ کن خواہشات کے ذریعے حلال کریں گے اور شراب کو نبیذ، رشوت کو

---

(۱) سنن ابوداود، کتاب البیوع، باب ۵۴؛ نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۲۲

(۲) تفسیر القمی، جلد ۵، ص ۳۹۵

تحفہ اور سود کو تجارت کے ناموں سے حلال قرار دیں گے۔(۱)

اس حدیث کو ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور ان دونوں کا دعویٰ ہے کہ صرف یہی ایک روایت ہی سود کے حیلوں کی حرمت کے لئے کافی ہے۔(۲)

۴۔ طاہر نامی ایک شخص نے امام علی نقی علیہ السلام کے نام خط میں لکھا:

اَلرَّجُلُ يُعْطِي الرَّجُلَ مَالاً يَبِيْعُهُ شَيْئاً بِعِشْرِيْنَ دِرْهَماً ثُمَّ يَحُوْلُ عَلَيْهِ الْحَوْلُ فَلاَ يَكُوْنُ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَيَبِيْعُهُ شَيْئاً آخَرَ، فَأَجَابَنِيْ(ع): مَا تَبَايَعَهُ النَّاسُ فَحَلاَلٌ وَمَا لَمْ يَتَبَايَعُوْهُ فَرِبًا.

کہ ایک شخص کسی سستی چیز کو بیس درہم کے عوض بطور نسیہ فروخت کرتا ہے اور جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اس شخص کے پاس ادا کرنے کے لئے رقم نہیں ہوتی اور وہ پھر اسی معاملہ کو دہراتا ہے (یعنی کم قیمت والی چیز کو زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے) امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا: جیسے لوگ معاملہ کرتے ہیں یعنی جس طرح رائج ہے وہ حلال ہے اور جو معاملہ وہ عام طور پر نہیں کرتے وہ سود ہے۔(۳)

یعنی سود کے لئے سستی چیز کو زیادہ قیمت میں فروخت کرنا ،سود کو تجارت میں تبدیل اور حلال نہیں بناتا ہے۔

۵۔ عبدالرحمٰن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لَا تَقْبِضْ مِمَّا تُعِيْنُ، يَقُوْلُ لَا تُعِيْنُهُ ثُمَّ تَقْبِضُهُ مِمَّا لَكَ عَلَيْهِ.

جس چیز کو تم نے فروخت کردیا ہے اسے (بطور عینہ) واپس مت لو۔ کسی چیز کو اس طرح بطور نسیہ فروخت مت کرو کہ دوبارہ واپس لینا پڑے (یعنی معاملہ عینہ مت کرو)۔(۴)

آیت اللہ مظاہری اس روایت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:اس روایت کے حرمت پر دلالت کے بارے میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے؛ مگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس حدیث سے سود کی حرمت کے علاوہ کوئی اور چیز ثابت نہیں ہوتی ہے، یعنی یہ حیلے کی حرمت میں تاثیر نہیں رکھتی اس لئے سود کی حرمت اپنی جگہ باقی ہے مگر اس کے ذریعے حیلہ سازی کی حرمت کا اثبات مشکل ہے۔

اس حدیث کی سند کے بارے میں بھی شک نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ بہت سی روایات کے مجموعہ سے یہ یقین ہوتا ہے کہ کم از کم ایک حصہ ضرور اہلبیت علیہم السلام سے صادر ہوا ہے۔(۵)

---

(۱) نہج البلاغہ صبحی الصالح، خطبہ ۱۵۶، ص ۲۲۰؛ وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۵۶، حدیث ۴

(۲) مقایسہ بین سیستمہای اقتصادی، جلد ۲، ص ۷۲

(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۳، حدیث ۹

(۴) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۵۶، حدیث ۳

(۵) مقایسہ ای بین سیستمہای اقتصادی، جلد ۲، ص ۷۶

۶۔ یونس شیبانی روایت کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ:

اَلرَّجُلُ يَبِيعُ الْبَيْعَ وَالْبَائِعُ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَسْتَوِي وَالْمُشْتَرِي يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَسْوَى إِلَّا أَنَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ سَيَرْجِعُ فِيهِ فَيَشْتَرِيهِ مِنْهُ، قَالَ: فَقَالَ: يَا يُونُسُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ: كَيْفَ أَنْتَ إِذَا ظَهَرَ الْجَوْرُ وَ أَوْرَثَهُمُ الذُّلُّ، قَالَ: فَقَالَ لَهُ جَابِرٌ: لَا بَقِيتُ إِلَىٰ ذَالِكَ الزَّمَانِ وَ مَتَىٰ يَكُونُ ذَالِكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي ؟

قَالَ: إِذَا ظَهَرَ الرِّبَا۔ يَا يُونُسُ وَهٰذَا الرِّبَا فَإِنْ لَمْ تَشْتَرِهِ، رَدَّهُ عَلَيْكَ؟

قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَلَا تَقْرَبَنَّهُ فَلَا تَقْرَبَنَّهُ.

فرزند رسولؑ، اگر کوئی شخص کسی چیز کو فروخت کرتا ہے اور بیچنے والا اور خریدار دونوں اس بات سے واقف ہیں کہ جتنی قیمت میں انہوں نے اس چیز کا سودا کیا ہے اس کی قیمت اتنی نہیں۔ مگر خریدار کو یقین ہے کہ بیچنے والا اسی چیز کو دوبارہ اس سے خرید لے گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے یونس! ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابر بن عبداللہ سے فرمایا تھا: جب ستم ظاہر ہو نگے اور لوگ ذلیل وخوار ہو نگے اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی؟

جابر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا مجھے وہ وقت نہ دکھائے! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! وہ کونسا زمانہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: یہ وہ زمانہ ہوگا، جس میں سود عام ہوگا۔

پھر امام نے فرمایا: یونس! تم جو کہہ رہے ہو وہ سود ہے۔ اگر تم اسے دوبارہ نہیں خریدو گے تو وہ اسے تمہیں لوٹا دے گا؟ یونس کہتا ہے: میں نے عرض کیا: ہاں فرزند رسولؐ! پھر تو وہ واپس کرے گا! امام علیہ السلام نے فرمایا: خبردار اس کے قریب بھی نہ جانا، خبردار اس کے نزدیک بھی نہ جانا۔ (۱)

چند اہم نکات:

۱۔ مذکورہ بالا چھ روایتوں میں سے چار کا تعلق بیع عینہ سے ہے۔ سود کے حیلوں کے باطل ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ان روایات سے استدلال اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ بیع عینہ سے منع کرنے والی روایات کی نہی ذاتی نہیں بلکہ سود کی وجہ سے اس معاملے سے منع کیا گیا ہے۔

البتہ یونس شیبانی کی روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے بیع عینہ سے اس لئے

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۱، حدیث ۵

منع فرمایا کہ کہیں اس کے ذریعے سود میں مبتلا نہ ہوا جا سکے۔

۲۔ نہج البلاغہ کی روایت کسی خاص حیلہ کی جانب اشارہ نہیں کرتی ہے، لیکن فَيَسْتَحِلُّونَ الْخَمْرَ بِالنَّبِيذِ وَالسُّحْتَ بِالْهَدِيَّةِ وَالرِّبَا بِالْبَيْعِ کی تعبیر کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شرعی حیلوں سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد، سود کے حیلے ہیں، کیونکہ حرام مال کو تحفہ اور شراب کو نبیذ کے عنوان سے حلال سمجھنا اسی معنی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، چنانچہ یہ حدیث تجارت کے بہانے، سود کھانے کو قبیح قرار دیتی ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے مروی روایت جو کہ بیع محابات سے متعلق ہے جو قرضی سود کے حیلوں میں سے ایک ہے۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام مقروض کو کوئی چیز بازار کی قیمت سے زیادہ پر فروخت کرنے کی صورت میں اس سے حاصل ہونے والے منافع کو سود کا ہی ایک مصداق سمجھتے ہیں۔

۳۔ ان روایات سے سود کے حیلوں کا باطل ہونا اور سود کی حرمت کا اپنی جگہ باقی ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا ان حیلوں کو حرام ثابت کرنے کے لئے علیحدہ سے دلائل کی ضرورت ہے۔

۴۔ بعض روایات ایسی بھی موجود ہیں جو ان کے ساتھ معارض ہیں۔

معارض روایات اور انہیں جمع کرنے کے طریقے

معارض روایات سے مراد وہ احادیث ہیں جو سود کے حیلوں کے ذریعے انجام پانے والے معاملات کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کی کئی قسمیں ہیں:

الف: بیع عینہ سے متعلق روایات:

علی بن جعفر کی روایت جسے انہوں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ بَاعَ ثَوْباً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ، ثُمَّ اشْتَرَاهُ بِخَمْسَةِ دَرَاهِمَ أَيَحِلُّ؟

قَالَ: إِذَا لَمْ يَشْتَرِطْ وَ رَضِيَا فَلَا بَأْسَ.

علی بن جعفر روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی امام موسی کاظم علیہ السلام سے کسی ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جو ایک پیراہن کو دس درہم میں فروخت کرتا ہے، پھر اسی کو پانچ درہم میں خرید لیتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر پہلے معاملہ میں دوسرے معاملے کی شرط نہیں ہوئی ہے اور دونوں اس پر راضی بھی ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۱، حدیث ۶

اسی سے ملتی جلتی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دو اور روایتیں بشار بن یسار (۱) اور حسین بن منذر (۲) کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں جن سے بیع عینہ کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ذا بیع عینہ سے منع کرنے والی روایات پر عمل کرنے کی صورت میں دو طرح کی روایات میں تعارض (ٹکراؤ) ہوتا ہے جبکہ سند کے اعتبار سے دونوں استفاضہ اجمالی کے دائرہ میں ہیں انہیں جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم یونس کی روایت، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، کو قرینہ بناتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ: امام علیہ السلام نے صرف اس بیع عینہ سے منع فرمایا ہے جو سود کا ذریعہ بنتی ہے۔

ب: بیع محابات سے متعلق روایات:

ان روایات کو وسائل الشیعہ کے مصنف نے احکام عقود کے نویں باب میں جمع کیا ہے (۳)۔ ان میں پانچ صحیح روایات ہیں جو بیع محابات کے ساتھ سود سے بچنے کے حیلوں کے جائز ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ جیسے اسحاق بن عمار کی یہ صحیح حدیث جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَكُونُ لِي عَلَى الرَّجُلِ دَرَاهِمُ فَيَقُولُ: أَخِّرْنِي بِهَا وَ أَنَا أُرْبِحُكَ فَأَبِيعُهُ جُبَّةً تُقَوَّمُ عَلَيَّ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ بِعَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ أَوْ قَالَ: بِعِشْرِينَ أَلْفاً وَ أُؤَخِّرُهُ بِالْمَالِ، قَالَ: لَا بَأْسَ.

اسحاق بن عمار روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے عرض کیا: کسی پر میرے کچھ درہم قرض ہیں اور وہ مجھ سے کہتا ہے کہ: مجھے مہلت دو اس کے عوض میں تجھے کوئی فائدہ پہنچاؤں گا، چنانچہ میں ایک ہزار درہم کے لباس کو دس ہزار یا بیس ہزار میں فروخت کرتا ہوں اور اسے قرض کی ادائیگی میں مزید مہلت دیتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں مذکورہ احادیث کی تعداد کے پیش نظر اس کی سند میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ بنابرایں ہم نے جو معنی اخذ کئے ہیں ان کی رو سے ان احادیث اور امام علی نقی علیہ السلام سے منقول طاہر کی روایت کے درمیان اس کے مطابق تعارض ہونا چاہئے، مگر ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ یہ جملہ: مَا تَبَايَعَهُ النَّاسُ فَحَلَالٌ وَمَا لَمْ يَتَبَايَعُوهُ فَرِبًا کا اس طرح سے معنی کیا جاسکتا ہے جو اس سے مناسب تر ہو اور روایات کے درمیان تعارض بھی نہ ہو۔ امام علیہ السلام اس جملہ میں سود کی تشخیص کے لئے ایک فارمولا بیان کرتے ہیں کہ: منافع اگر تجارت کے ذریعے حاصل ہوجائے تو حلال ورنہ حرام ہے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۷۰، حدیث۳

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۷۰، حدیث۴

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۷۹-۳۸۱، احادیث۱-۴

اس معنی کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وسائل الشیعہ کے مصنف نے اس حدیث کو سود سے بچنے کے حیلوں میں شامل کیا ہے۔(۱)

چنانچہ ظاہر کی روایت دیگر روایات کے ہم معنی ہے اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے اور سب بیع محابات کو جائز قرار دیتی ہیں۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیع محابات کے حیلوں کو جائز قرار دینے والی ان روایات کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے کیا انہیں جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

حضرت امام خمینیؒ محمد بن اسحاق (۲) کی روایت کے نقل کرنے کے بعد اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی توثیق نجاشی نے کی ہے؛ مگر علامہ حلّی نے ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے اس لئے کہ شیخ صدوق کے مطابق وہ واقفیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن داؤد کی گفتگو سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی محمد بن اسحاق کے بارے میں توقف کیا ہے، البتہ بعض علماء نے انہیں امامی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ وہ چاہے واقفی ہوں یا امامی، ثقہ اور مورد اطمینان راوی ہیں۔

اس حدیث کے سوا باقی تمام روایات سند کے لحاظ سے کمزور ہیں۔ اس کے علاوہ بعض افراد امام علیہ السلام کی طرف ایسے کاموں کی نسبت دیتے ہیں جو ان کی شان کے خلاف ہیں، جیسے محمد بن اسحاق کی اس راویت میں، جسے انہوں نے مجہول سند کے ساتھ امام رضا علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حیلہ کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرمایا: لَا بَأسَ بِهِ قَدْ اَمَرَنِی اَبِی فَفَعَلْتُ "کوئی بات نہیں، میرے والد نے مجھے اسی طرح سے حیلہ کرنے کا حکم دیا اور میں نے ایسا ہی کیا۔" (۳)

مسعدہ بن صدقہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حیلوں کے بارے میں فرمایا:

لَا بَأسَ بِذَالِكَ قَدْ فَعَلَ ذَالِكَ اَبِی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَمَرَنِی
اَنْ اَفْعَلَ ذَالِكَ فِی شَیءٍ كَانَ عَلَیْهِ .

"کوئی مضائقہ نہیں، میرے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح حیلہ انجام دیا اور آپ پر واجب الادا قرض کے سلسلہ میں مجھے اسی طرح حیلہ کرنے کا حکم دیا۔" (۴)

maablib.org

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۵۵، ۳۵۶
(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۸۰، حدیث ۳
(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۸۰، حدیث ۴
(۴) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۹، حدیث ۳

بعض کام، جائز ہونے کے باوجود عام طور پر ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے ائمہ معصومین علیہم السلام انجام نہیں دیتے تھے، جیسے حیلہ کے ذریعے منافع حاصل کرنا، جبکہ ان روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم اور امام علی رضا علیہم السلام نعوذ باللہ سود سے فرار کے حیلوں کے ذریعے سے منافع کماتے تھے۔ ائمہ علیہم السلام کی طرف اس طرح کے کاموں کی نسبت دینا کسی طور مناسب نہیں، یہ روایات بالکل ان روایات کی مانند ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ: ائمہ علیہم السلام شراب بنانے والوں کو انگور فروخت کیا کرتے تھے۔ (۱)

اس طرح کے قبیح کاموں کی نسبت ائمہ علیہم السلام کی طرف دینا صحیح نہیں ہے۔

اس کے علاوہ فرمان الٰہی ہے: وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ "اور اگر توبہ کرلوگے اور سود چھوڑ دو گے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے؛ جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا نقصان" اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرض کے اصل مال سے زیادہ وصول کرنا شارع مقدس کی نظر میں ظلم شمار ہوتا ہے اور ظلم، اگر حکم کی علت نہ ہو تو کم از کم سود کی حرمت کی حکمت تو ہے کہ حیلوں کے ذریعے اس کا عنوان تبدیل کر کے اسے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح روایات کے مطابق سود کے حرام ہونے کی بنیادی علت تجارت اور اچھے کاموں کا متروک ہونا، اموال کا فاسد ہونا اور ظلم ہے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ شارع پہلے تو یہ کہے کہ، قرض پر زیادہ لینا سود اور ظلم ہے پھر یہ کہے کہ حیلہ کے ذریعے اس کا عنوان تبدیل کر کے زیادہ لینا جائز ہے، عرف عام بھی اس طرح کی باتوں کو متضاد سمجھتا ہے۔ مثلاً؛ یہ کہا جائے کہ شراب پینا حرام ہے، کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب پینے اور پلانے والے پر لعنت کی ہے پھر یہ کہا جائے کہ شراب کی حرمت کی وجہ اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی بگاڑ اور مستی ہے۔ اس کے بعد مستی اور بگاڑ کے ہوتے ہوئے ہم یہ کہیں کہ: کوئی بات نہیں، ہم شراب کو کسی کیپسول (Capsule) میں بھر کر کھاتے ہیں، یہ کھلا تضاد اور تنافی در حکم ہے، ہم ایسا نہیں کہہ سکتے کہ اب عنوان بدل گیا ہے کیونکہ شراب کا پینا حرام ہوا ہے نہ کہ کھانا! یا اگر کوئی یہ کہے کہ: کافروں کو قرآن مجید فروخت کرنا حرام ہے تا کہ قرآن کفار کے قبضے میں نہ آئے؛ اس کے بعد یہ کہا جائے کہ: کافروں کو قرآن مجید ہدیہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان کو فروخت کرنا حرام ہے نہ کہ ہدیہ دینا!

بہر حال سود کے حیلوں کو جائز قرار دینا شارع مقدس کے حکم میں تناقض اور تضاد کا باعث ہے۔ یہ کیسے

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۱۶۹، ۱۷۰، حدیث ۶، ۷

کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ائمہ علیہم السلام سود کی تمام تر خرابیوں اور مفاسد سے پوری طرح آگاہ ہونے کے باوجود ایسے حیلے انجام دیتے تھے۔ پس حیلوں کی مدد سے سود کو حلال قرار دینے والی روایات کا شماران روایات میں ہوتا ہے جن کے بارے میں خود معصوم فرماتے ہیں:

"مَا خَالَفَ قَوْلَ رَبِّنَا لَمْ نَقُلْهُ" أَوْ "زُخْرُفٌ" أَوْ "بَاطِلٌ". (۱)

قرآن کی مخالف روایات ہماری نہیں ہیں یہ بیہودہ ہیں یا باطل ہیں۔ (۲)

حضرت امام خمینیؒ کی دلیل صحیح ہے، کیونکہ سود کے حیلوں کو جائز قرار دینے والی روایات پر عمل کرنے کی صورت میں سود کی حرمت کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا ہے۔ خصوصاً قرضی ربا کی تمام تر خرابیوں کو بیع محابات کے ذریعے سے آسانی کے ساتھ حلال اور جائز کیا جا سکتا ہے جو اس کی حرمت کی حکمت کے ساتھ منافی ہے۔ لہٰذا کہنا یہ چاہئے کہ: شارع مقدس نے اگرچہ بیع محابات کی اجازت دی ہے اور فقہ کے ابواب میں اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں مگر قرض میں زیادہ وصول کرنے کے لئے اسے حیلہ کے طور پر انجام دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے ذریعے سود کی حرمت ختم نہیں ہوتی ہے۔

ج: بیع ضمیمہ سے متعلق روایات

بیع ضمیمہ کے جواز پر دلالت کرنے والی روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں بعض واضح طور پر اور بعض مطلقاً سود سے بچنے کے لئے ضمیمہ کے حیلے کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے عبدالرحمٰن بن الحجاج کی روایات جن میں دو مرسلہ اور ایک صحیحہ ہے۔ (۳)

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَجَّاجِ: قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ يَأْتِي بِالدَّرَاهِمِ إِلَى الصَّيْرَفِي فَيَقُولُ لَهُ: آخُذُ مِنْكَ الْمِائَةَ بِمِائَةٍ وَعِشْرِينَ، أَوْ بِمِائَةٍ وَخَمْسَةٍ حَتَّى يُرَاوِضَهُ عَلَى الَّذِي يُرِيدُ، فَإِذَا فَرَغَ جَعَلَ مَكَانَ الدَّرَاهِمِ الزِّيَادَةِ دِينَاراً أَوْ ذَهَباً، ثُمَّ قَالَ لَهُ: قَدْ زَادَدْتُكَ الْبَيْعَ وَإِنَّمَا أُبَايِعُكَ عَلَىٰ هٰذَا، لِأَنَّ الْأَوَّلَ لَا يَصْلُحُ أَوْ لَمْ يَقُلْ ذَالِكَ وَجَعَلَ ذَهَباً مَكَانَ الدَّرَاهِمِ.

فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِذَا كَانَ آخِرُ الْبَيْعِ عَلَى الْحَلَالِ فَلَا بَأْسَ بِذَالِكَ.

---

(۱) وسائل الشیعہ، باب ۹، ابواب صفات قاضی، ح ۱۲، ۱۵، و ۴۸

(۲) کتاب البیع، ج ۲، ص ۴۱۳ ـ ۴۱۶

(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۶۶ ـ ۳۶۷، حدیث ۳، ۲، ۱

عبدالرحمٰن بن حجاج روایت کرتے ہیں کہ: میں نے امام علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنے کچھ درہم سنار کے پاس لے جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ: میں تمہارے سو (۱۰۰) درہموں کو ایک سو پانچ یا ایک سو بیس درہم کے بدلے معاملہ کرنے کے لئے تیار ہوں؛ یہاں تک کہ وہ دونوں کسی ایک قیمت پر راضی ہوجاتے ہیں۔ معاملہ انجام پانے کے بعد اضافی درہموں کی جگہ سونا یا دینار رکھتا ہے، پھر وہ اس سے کہتا ہے کہ: میں معاملہ کو دوبارہ کرتا ہوں کیونکہ ہمارا پہلا معاملہ صحیح نہیں ہے یا پھر اس جملہ کو اپنی زبان پر نہیں لاتا ہے مگر کچھ سونا درہموں کے عوض میں دے دیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: جب معاملہ کا انجام حلال طریقے سے ہوا ہو تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہ اور اس جیسی دوسری روایات سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں نے معاملی سود سے فرار کے لئے اس انداز سے حیلے کئے اور امام علیہ السلام نے انہیں جائز قرار دیا ہے۔

سود سے بچنے کے لئے حیلہ کے طور پر ضمیمہ کے ساتھ لین دین کو جائز قرار دینے والی حضرت امام رضا علیہ السلام کی حدیث (۱) جسے حسن بن صدقہ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (۲) کی روایت جسے ابو بصیر اور حلبی نے نقل کیا ہے، بھی مذکورہ روایت ہی کی طرح ہیں۔ (۳)

پس، اس طرح کے معاملی سود کے حیلوں کو انجام دینا صحیح ہے اور سود کے حیلوں سے منع کرنے والی روایات اس قسم کے حیلوں سے منع نہیں کرتی کیونکہ یہ حیلے سود کی حرمت کی حکمت کے ساتھ منافات نہیں رکھتے ہیں۔

د: تیسری چیز کو واسطہ قرار دینے سے متعلق روایات

سودی اشیاء کو اپنی ہم جنس کے عوض اضافہ کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے معاملی سود سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ سودی چیز کو پہلے غیر ہم جنس چیز یا پیسے میں تبدیل کرے، پھر اس پیسے یا چیز سے اپنی مطلوبہ شئے خریدے۔ شیعہ اور سنی کتابوں میں موجود کئی روایات اس قسم کے حیلوں کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ ابو سعید نقل کرتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت بلال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اعلیٰ قسم کی کھجوریں لے کر آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کھجوریں کہاں سے لائے ہو؟

---

(۱) تہذیب الاحکام، جلد۷، ص۱۰۷، حدیث ۱۱۵/۵۰۹

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۶۸، حدیث ۷

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۶۸، حدیث ۳

حضرت بلال نے کہا: ہمارے پاس کچھ کم قیمت والی دوسرے درجے کی کھجوریں تھیں میں نے آپ کے لئے ان میں سے دو صاع کے عوض ایک صاع اعلیٰ قسم کی کھجوریں خریدی ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وائے ہو تم پر! یہ تو عین سود ہے۔ تم یہ کام مت کرو بلکہ جب بھی اعلیٰ قسم کی کھجوریں خریدنی ہوں تو پہلے سستی کھجوروں کو بیچو پھر دوسرے بیع کے ذریعے اعلیٰ قسم کی کھجوریں خریدو۔

۲۔ ابوسعید اور ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو کسی کام کے لئے خیبر کی طرف بھیجا تو واپسی پر وہ آپ کے لئے اعلیٰ قسم کی کھجوریں لیکر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ: کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ! خیبر کی ساری کھجوریں ایسی نہیں ہیں، ہم وہاں کے ایک صاع کھجور کو دوسرے درجے کے دو صاع یا دو صاع کو تین صاع کے عوض خریدتے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آئندہ ایسا مت کرو، بلکہ جب بھی اعلیٰ قسم کی کھجوریں خریدنی ہو تو پہلے سستی کھجوروں کو فروخت کرو پھر اس رقم سے اعلیٰ قسم کی کھجوریں خریدو۔

ان دونوں حدیثوں کو اہلسنت کے راویوں نے نقل کیا ہے جو اس طرح کے حیلوں کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

۳۔ اسماعیل بن جابر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الرَّجُلِ يَجِيءُ إِلَى صَيْرَفِيٍّ وَ مَعَهُ دَرَاهِمُ يَطْلُبُ أَجْوَدَ مِنْهَا فَيُقَاوِلُهُ عَلَىٰ دَرَاهِمِهِ فَيَزِيدُهُ كَذَا وَ كَذَا بِشَيْءٍ قَدْ تَرَاضَيَا عَلَيْهِ، ثُمَّ يُعْطِيهِ بَعْدُ بِدَرَاهِمِهِ دَنَانِيرَ، ثُمَّ يَبِيعُهُ الدَّنَانِيرَ بِتِلْكَ الدَّرَاهِمِ عَلَىٰ مَا تَقَاوَلَا عَلَيْهِ مَرَّةً، قَالَ: أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِرِضًا مِنْهُمَا جَمِيعًا؟ قُلْتُ: بَلَىٰ، قَالَ: لَا بَأْسَ.

ایک شخص اپنے کچھ درہم کو اس سے بہتر کے عوض فروخت کرنے کے لئے سنار کے پاس لے جاتا ہے اور صرّاف کے ساتھ بارگیننگ (Bargaining) کرتا ہے اور صراف کو کچھ درہم زیادہ ادا کرنے پر راضی کرلیتا ہے۔ اس کے بعد وہ صراف کے درہموں کو دینار کے عوض خرید لیتا ہے، پھر جس قیمت کے بارے میں شروع میں وہ دونوں راضی ہوئے تھے اس کے مطابق اس سے ان دیناروں کو کم قیمت والے کے عوض دوبارہ خرید لیتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کیا یہ تمام لین دین دونوں کی رضایت سے نہیں ہوا تھا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! ایسا ہی ہوا تھا! آپ نے فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کے طرفین نے دینار کے ساتھ دو معاملات کے ذریعے درہم کو اپنی ہم جنس کے ساتھ اضافہ کے ساتھ خرید و فروخت کیا ہے اور امام علیہ السلام نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ کام سود سے بچنے کا حیلہ ہے، اسے صحیح جانا ہے۔

سود کے حیلوں سے منع کرنے والی روایات میں ایسے حیلوں کی جانب خصوصی طور پر کوئی اشارہ نہیں کیا گیا ہے اس کے علاوہ یہ حیلے سود کی حرمت کی حکمت کے ساتھ منافات بھی نہیں رکھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے حیلوں سے کام لینا جائز ہے۔

بحث کا نتیجہ

۱۔ مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ قرض میں سود سے فرار کے لئے انجام دینے والے تمام حیلے باطل ہیں اگرچہ بیع محابات کی طرح اس کے جواز پر دلالت کرنے کے لئے صحیح روایات ہی کیوں نہ موجود ہوں، اسی طرح نسیہ معاملات میں سود سے فرار کے لئے ان حیلوں کو انجام دینا جو کہ قرض میں سود کے جواز کا مقدمہ بن سکتے ہیں، اگر وہ ہم جنس ربوی اشیاء ہوں تو جائز نہیں ہے، مگر نقد معاملات کے سود سے فرار کے لئے ان سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ تیسری دلیل کے علاوہ دوسری پانچوں دلیلیں (بشرط اثبات) صرف سود کے حیلوں کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان کے ذریعے ان حیلوں کی حرمت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ حیلے اپنے آپ جائز ہیں۔ لہٰذا ان کی حرمت کو ثابت کرنے کے لئے الگ دلیل کی ضرورت ہے۔

﴿۲﴾ حرام اور حلال ہونے کے لحاظ سے ربا کے حیلوں کا حکم

بعض علماء سود کے حیلوں کی حرمت کو شرع کے ذریعے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق سود کے حیلے خلاف شرع اور قانون شکنی شمار ہوتے ہیں جنہیں انجام دینا حرام ہے۔ ان کے مطابق سود کے حیلے باطل ہونے کے ساتھ ان کے مرتکب افراد کو سود خوری کے عذاب کے علاوہ دین میں جعل سازی کرنے اور حیلے انجام دینے کی الگ سے بھی سزا ملے گی۔

ربا کے حیلوں کے حرام ہونے پر دلائل

ا۔ قرآنی آیات

شرعی حیلوں کی حرمت پر دلالت کرنے والی قرآنی آیات کو بیان کرنے سے پہلے اس نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا فائدے سے خالی نہیں کہ قرآن مجید میں تین قسم کے حیلوں کا ذکر آیا ہے:

الف: احکامات دین کو قبول کرنے میں حیلہ کرنا: انسان کبھی خود کو مومن ظاہر کرتا ہے، جبکہ دل سے وہ دین پر ایمان نہیں رکھتا۔ قرآن ایسے حیلوں کو ((نفاق)) کے نام سے یاد کرتا ہے، اس حیلہ کا تعلق زیادہ تر اصول دین سے ہے اس کے گناہ کی شدت اور سنگینی سے کسی کو انکار نہیں، قرآن مجید کی متعدد آیات' پرزور الفاظ میں اس کی مذمت کرتی ہیں۔ (۱)

ب: اصول دین پر ایمان رکھنے والے شخص کی طرف سے بعض شرعی احکامات کی خلاف ورزی کے لئے حیلہ کرنا، جیسے کچھ لوگ دوسرے مومنین کے حقوق کی پروا کئے بغیر درپردہ انہیں نقصان پہنچاتے ہیں لیکن اپنے کاموں کو شرع اور حق کے مطابق ظاہر کرنے کے لئے چھپ کر یا انتہائی ہوشیاری سے یہ کام کرتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ اپنے حق کا دفاع نہ کر سکیں۔ مثلاً لین دین میں دھوکہ دینا، کم تولنا، میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ازدواجی اور طلاق کے حقوق کا استحصال کرنا اور مورث کی جانب سے ورثا کو نقصان پہنچانا وغیرہ۔ قرآن مجید مومنین کو ایسے حیلوں سے بچنے اور خدا کے معین کردہ حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے منع کرتا ہے۔ (۲)

ج: تیسری قسم کے حیلے کا تعلق نہ تو اصول دین سے ہے اور نہ ان کے ذریعے مومنین کو نقصان پہنچانا مقصود ہوتا ہے بلکہ یہ حیلے شرعی احکامات کی اپنی من پسند تفسیر و توجیہ اور اگر ممکن ہو تو اس میں تبدیلی کرکے مادی فوائد حاصل کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ کلام الہی کی تفسیر بالرائے اور اپنی مرضی کی توجیہ اور معنی کرتے ہوئے خود کو مشقتوں اور سختیوں سے بچاتے ہیں جیسے یہودی دین خدا میں ایسے حیلوں کے سہارے تحریف کیا کرتے تھے۔

خداوند عالم قرآن مجید کی کئی آیات میں یہودیوں کے حیلوں کی مذمت کرتا ہے اور انہیں سخت عذاب کی نوید دیتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:

maablib.org

---

(۱) سورہ بقرہ، آیات ۸-۱۰؛ سورہ نساء، آیت ۱۴۲

(۲) سورہ مطففین، آیات ۱-۳؛ سورہ بقرہ، آیات ۲۲۸-۲۳۱؛ سورہ نساء، آیات ۱۱-۱۴

وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ
حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا
يَفْسُقُونَ ○ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا
الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا
يَفْسُقُونَ ○ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ○

''اوران سے اس گاؤں کا حال تو پوچھو جولب دریا واقع تھا۔ جب یہ لوگ ہفتے کے دن حد سے تجاوز کرنے لگے۔ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں ۔اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے ۔اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے تو انہوں نے کہا اس لئے کہ تمہارے پروردگار کے سامنے معذرت کرسکیں اور عجب نہیں کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔ جب انہوں نے ان باتوں کو فراموش کردیا جن کی ان کونصیحت کی گئی تھی تو جولوگ برائی سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے ان کو برے عذاب میں پکڑلیا کہ نافرمانی کئے جاتے تھے ۔غرض جن اعمال بد سے ان کو منع کیا گیا تھا جب وہ ان پر اصرار اور ہمارے حکم سے سرکشی کرنے لگے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہوجاؤ'' (۱)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب تفسیر میں اس آیت:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ

''اورتم ان لوگوں کوخوب جانتے ہو جوتم میں سے ہفتے کے دن مچھلی کا شکار کرنے میں حد سے تجاوز کرگئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل وخوار بندر ہوجاؤ'' (۲) کے ذیل میں، جو یہودیوں کے حیلوں کے بارے میں ہے، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت بیان ہوئی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ: یہ لوگ دریا کے کنارے زندگی گذارتے تھے، خدا اور اس کے پیغمبروں نے انہیں ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کیا تھا۔ وہ حرام خدا کو حلال کرنے کے لئے حیلوں کا سہارا لیتے تھے، چنانچہ انہوں نے دریا کے کنارے بڑے بڑے گڑھے کھودے اور دریا اور گڑھوں کے درمیان نالیاں بنائیں ۔جمعہ کے

---

(۱) سورہ اعراف، آیات ۱۶۳-۱۶۶

(۲) سورہ بقرہ، آیت ۶۵

دن نالیاں کھول آتے ،تو پانی کے ساتھ مچھلیاں بہہ آتیں اور پھر جا کر گڑھے کے منہ کو بند کر دیتے مچھلیاں محفوظ ہو جاتیں اور اتوار کے دن جا کر نکال لاتے اور کہتے تھے کہ: ہم نے ہفتے کے دن نہیں بلکہ اتوار کے دن مچھلیاں پکڑی ہیں! حالانکہ وہ جھوٹ بولتے تھے، کیونکہ وہ ہفتے کے دن مچھلیوں کو گڑھوں میں بند کر کے شکار کرتے تھے اس طرح وہ خوب دولت کماتے تھے۔ (۱)

غرض یہودی توجیہ اور تاویل کے ذریعے خدا کے حکم کو تبدیل کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ مسخ ہو گئے۔ظہور اسلام کے بعد یہ لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ بھی مکر وفریب سے کام لیتے رہے۔جس کی وجہ سے خدا نے قرآن مجید کی کئی آیات میں ان کی سرزنش کی اور سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ (۲)

مذکورہ آیات کے ظاہر سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ عناد اور اس کے احکامات کو سبک جان کر شریعت کے قوانین کی خلاف ورزی اور دین میں حیلہ کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا یہودیوں کے ساتھ سزا اور عذاب میں شریک ہوگا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سود سے بچنے کے لئے انجام دیئے جانے والے حیلوں کو ان آیات کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے اور کیا اس طرح کے حیلہ کرنے والے مسلمانوں کے کام کو یہودیوں کے ہفتہ کے دن والے حیلوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے؟

اس کا جواب نفی میں ہے، کیونکہ ان حیلوں کو تجویز کرنے والے عالم اسلام کے وہ عظیم فقہاء ہیں جو نہ اپنی ذاتی مفادات کو مدنظر رکھتے ہیں اور نہ خدا سے دشمنی اور اس کے احکام کو سبک سمجھتے ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف مومنین کے مسائل کو حل کرنا اور انہیں حرام خدا سے بچانا ہوتا ہے۔اسی لئے انہوں نے سود کے حیلوں کے جائز ہونے پر فتوے دیئے ہیں۔اس کے علاوہ مستند روایات بھی بعض حیلوں کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔چنانچہ ان حیلوں کو انجام دینے والوں کو یہودیوں کی طرح عذاب الٰہی کا مستحق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ سود کے حیلے حقیقت میں ایک قسم کی چارہ جوئی ہے۔لہٰذا ان آیات کے ذریعے ہم سود کے حیلوں کی حرمت کو ثابت نہیں کر سکتے ہاں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ صرف قرض کے سود سے فرار کے حیلے بنابر قول صحیح باطل اور بے اثر ہیں۔

maablib.org

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۱۴، ص ۵۶

(۲) سورہ آل عمران، آیات ۷۲، ۷۷، ۷۸، ۱۸۸

۲۔ سنت :

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بعض احادیث نقل ہوئی ہیں جو ان حیلوں کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

الف : ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا تَرْتَكِبُوْا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُوْدُ فَتَسْتَحِلُّوْا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِاَدْنَى الْحِيَلِ .

تم وہ کام نہ کرنا جو یہودی کیا کرتے تھے کہ حرام خدا کو معمولی حیلوں کے ذریعے حلال سمجھنے لگو۔ (۱)

ب : جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهَا جَمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهُ .

خدا یہودیوں کو قتل کرے! خدا نے جب چربی کو ان پر حرام کیا تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھایا۔ (۲)

ج : ابو مالک اشعری کا بیان ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

لَيَشْرِبَنَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يُعْزَفُ عَلٰى رُؤُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ ، يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمِ الْاَرْضَ وَ يَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ .

میری امت میں سے ایک طبقہ شراب کو کسی اور نام سے پئے گا۔ ان کے سروں کے اوپر ساز بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گانے گائیں گی۔ خدا انہیں ذلیل کرے گا اور سور اور بندر کی شکل میں تبدیل کرے گا۔ (۳)

مذکورہ تمام روایات اہلسنت کے راویوں کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں جن کی سندیں کمزور ہیں، مگر واضح طور پر دین میں جعل سازی اور احکام الٰہی کو سبک شمار کرتے ہوئے انجام دینے والے حیلوں کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے باوجود ان احادیث کے ذریعے سود کے حیلوں کو حرام قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا کہ سود سے بچنے کے حیلوں کا مقصد خدا کے دین میں تحریف اور احکامات خدا کو سبک شمار کرنا نہیں بلکہ یہ ایک قسم کی چارہ جوئی اور حرام خدا سے حلال خدا کی جانب فرار کے ذرائع ہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ۳۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۱۰۳، حدیث ۲۲۲۳-۲۲۲۴

(۳) صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، باب ۶، حدیث ۵۵۹

۳۔ عقل

استادشہید مرتضیٰ مطہریؒ، سود کے حیلوں کے حرام ہونے کو ثابت کرنے کے لئے عقل کی رو سے استدلال کرتے ہیں:

ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حیلہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور حیلہ کا معنی کیا ہے؟ کبھی انسان حیلہ کرتا ہے اور خود کو ایک موضوع سے خارج ثابت کرتا ہے اور دوسرے موضوع میں داخل کرتا ہے، مثلاً: وہ نماز قصر پڑھنے اور روزہ افطار کرنے کے لئے سفر کرتا ہے جو کہ شرعاً جائز ہے کیونکہ اس نے مقصود شارع کے خلاف کوئی کام نہیں کیا ہے۔ کیونکہ خود شارع نے حضر اور سفر دونوں کے لئے الگ الگ احکام وضع کئے ہیں اور اختیاری سفر سے منع بھی نہیں فرمایا ہے اگر شارع مقدس چاہتے تو اختیاری سفر سے منع کرتے ہوئے یہ حکم دے سکتے تھے کہ: ماہ رمضان میں سفر مت کرو، مگر خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اسی طرح ملکی قوانین میں بھی ایسے حیلوں کی مثالیں ملتی ہیں، جیسے: کسی ملک میں غیر شادی شدہ افراد کے لئے فوجی خدمت لازمی اور شادی شدہ افراد کے لئے لازمی نہ ہو، تو جس نے بھی شادی کی اس نے خود کو ایک موضوع سے دوسرے موضوع میں داخل کیا اور قانون کی مخالفت بھی نہیں کی۔

کبھی حیلہ قانون بنانے والے کی غرض کے برخلاف ہوتا ہے جس کا مقصد صرف شارع کو دھوکہ دینا ہوتا ہے۔ انسانی قوانین میں اس قسم کے حیلوں کی مثالیں تاجروں کی طرف سے ٹیکس چوری کے لئے ٹیکس گوشواروں میں ہیر پھیر کی صورت میں ملتی ہیں جو کہ قانون بنانے والوں کے مقصود کے برعکس ہے، کیونکہ ان کا مقصد ان سے ٹیکس وصول کرنا ہے، چونکہ یہ حیلے قانون کے مطابق ہوتے ہیں اس لئے ان پر اعتراض بھی نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا قانون میں تبدیلی کے ذریعے ہی اس قسم کے حیلوں کی راہ کو بند کیا جا سکتا ہے۔ شرعی احکام میں اس قسم کے حیلوں کی مثال سود سے بچنے کے حیلے ہیں۔ یہ صاف واضح ہے کہ شارع مقدس چاہتا ہے کہ سود خور قرض پر اصل زر سے زیادہ مال وصول نہ کریں جبکہ یہ لوگ حیلوں کے ذریعے زیادہ وصول کرتے ہیں اور شارع کے مقصود کے برعکس کام کرتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارع کا مقصود معلوم ہونے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ غیر الٰہی قوانین کے قانون سازوں کے غرض اور مقصد کو پورا کرنا حکم عقل کے مطابق واجب نہیں کیونکہ وہاں قانون بنانے والا بھی صرف ظاہر کو دیکھتے ہوئے قانون بناتا ہے۔ جبکہ الٰہی قوانین ایسے نہیں۔ اور فقہاء کا یہ فرمانا کہ: كُلُّ مَا حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ حَكَمَ بِهِ الشَّرْعُ "عقل جس چیز کا حکم کرتی ہے وہی شرع کا بھی ہے" اور عقل کو ادلہ اربعہ میں سے ایک قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ حکم عقل حجت ہے۔ چنانچہ شارع

کے مقصود کو پورا کرنا حکم عقل کے مطابق واجب ہے، لہٰذا شرع میں اس قسم کے حیلے جائز نہیں۔(۱)

چند اہم نکات کا بیان:

شہید مطہریؒ کے مذکورہ مطالب کے ظاہر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے استدلال کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے:

الف: سود سے متعلق شارع کی غرض اور مقصود معلوم ہے جو اصل مال سے زیادہ نہ لینا ہے۔

ب: جب یہ یقین ہو جائے کہ یہی غرض شارع ہے تو حکم عقل کے مطابق اسے پورا کرنا واجب ہے۔

ج: جو حکم عقل دیتی ہے وہی شرع کا بھی حکم ہے۔

د: غرض شارع (اصل مال سے زیادہ نہ لینا) کو پورا کرنا شرعاً واجب اور اسے ترک کرنا حرام ہے۔

ھ: سود سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا حرام ہے، کیونکہ حیلے غرض شارع کو ترک کرنے اور زیادہ وصول کرنے کا ذریعہ ہیں۔

اس استدلال کی بعض شقوں پر اشکال کیا جاسکتا ہے کہ:

مقدمہ ((الف)) کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سود سے متعلق شارع کی غرض کے بارے میں ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں ہے کہ یہی شارع کی غرض ہے۔ اور نہ ہم اس کی حرمت کی علت سے واقف ہیں، احادیث میں جو ظلم اور اموال کا فاسد ہونا وغیرہ ذکر ہوا ہے وہ حرمت سود کی حکمت ہے۔ چنانچہ ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اصل مال سے زیادہ وصول نہ کرنا ہی غرض شارع ہے۔ کیونکہ بعض موارد میں خصوصاً غیر مشروط طور پر زیادہ لینے کو تمام فقہاء جائز سمجھتے ہیں۔

مقدمہ ((ج)) شہیدؒ نے کُلُّ مَا حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ حَكَمَ بِهِ الشَّرْعُ کے ملازمہ کے ذریعے سود کے حیلوں کی حرمت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ حیلے شارع کی غرض کے خلاف ہیں، اس سلسلہ میں چند نکات قابل توجہ ہیں:

اوّل: صاحب فصول اور اخباریوں کا ایک گروہ اس ملازمہ کو نہیں مانتے ہیں۔(۲)

دوم: جو لوگ اس ملازمہ کے قائل ہیں وہ اسے مستقلات عقلیہ میں منحصر کرتے ہیں جو حسن وقبح کے ساتھ متعلق ہے جس کے بارے میں عقلائے عالم کا اتفاق ہے(۳) جبکہ شارع کی غرض کو پورا کرنے کا

---

(۱) ربا، بانک و بیمہ، ص ۲۳۹، ۲۳۰

(۲) اصول الفقہ، جلد ا، ص ۲۱۷ (۳) اصول الفقہ، جلد ا، ص ۲۱۹

حکم مستقلات عقلیہ میں سے نہیں ہے۔

سوم: بالفرض شارع کی طرف سے اپنی غرض کو پورا کرنے کے بارے میں کوئی حکم آیا بھی ہو تب بھی وہ حکم، امر مولوی نہیں کہ جس کی مخالفت کرنا حرام ہو بلکہ وہ امر ارشادی ہے جس کا واجب ہونا حکم عقل ہی کے ذریعے ثابت ہوتا ہے۔

ان تمام اشکالات کے ہوتے ہوئے حکم عقل کے ذریعے کیسے غرض شارع کے وجوب اور شرعی حیلوں کی حرمت کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ہاں حکم عقل کے ذریعے صرف شارع کی غرض کے مخالف حیلوں کے باطل ہونے کو ثابت کیا جاسکتا ہے جیسے:قرض کے سود سے فرار کے حیلے وغیرہ۔

صاحب جواہر اس مسئلہ کی وضاحت اور ان حیلوں کو باطل ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:موجودہ دور میں بعض لوگ خمس وزکات کی ادائیگی سے بچنے کے لئے جو حیلے کرتے ہیں وہ شاید انہی حیلوں میں سے ہیں۔مثلاً: کچھ لوگ ایک معمولی چیز کو ایک ہزار دینار کے عوض کسی فقیر کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں، پھر اسی پیسے کو خمس اور زکات کی مد میں اسے بخش دیتے ہیں۔اس قسم کے حیلے شارع کی غرض کے منافی ہیں، کیونکہ خمس وزکات کے قانون اور حکم سے شارع کا مقصد اپنے بندوں کے اقتصادی امور کو منظم کرنا اور دنیا اور آخرت میں ان کی بھلائی کی تدبیر کرنا ہے، تا کہ حاجت مندوں کی ضروریات،دولت مندوں کے اموال کے ذریعے پوری ہوسکیں۔چنانچہ ایسے حیلے شرعی حقوق سے متعلق شارع کی غرض کے منافی ہیں،اور جو بھی کسی حکم کی اصل مشروعیت کو ختم کرتی ہے،وہ باطل ہے،جس کی جانب فقہاء کی ایک بڑی جماعت نے اشارہ کیا ہے۔(۱)

ربا کے حیلوں کی اقسام:

حیلہ ایک قسم کی چارہ جوئی ہے:یعنی ایک راہ ہے جس کے ذریعے شرع اسلامی پر عمل کرنے والے اپنے معاملات کو سود سے پاک اور اس کے دنیوی اور اخروی اثرات سے خود کو بچانا چاہتے ہیں۔قرضی اور معاملی سود سے فرار کی چارہ جوئی کا رواج گذشتہ زمانوں سے چلا آیا ہے۔فقہاء نے ان کے جائز ہونے یا باطل ہونے کے بارے میں متعدد دلائل دیئے ہیں۔سود کے بعض حیلوں کے جواز کی دلیل امام معصوم علیہ السلام سے منقول مستند روایات ہیں،جس کی وجہ سے،یہ مسئلہ زیادہ اہمیت کا باعث بنتا ہے۔

سود کے کچھ حیلے شریعت میں جائز ہونے کے متعلق فقہاء کا اجماع ہے،مگر یہ جاننے کے لئے کہ کونسا

(۱) جواہر الکلام،جلد ۳۲،ص ۲۰۲

حیلہ صحیح اور کونسا باطل ہے، تحقیق کی ضرورت ہے جسے ہم دو بڑے عنوانات ((معاملی سود کے حیلے)) اور ((قرضی سود کے حیلے)) کے تحت بیان کریں گے اور ہر حیلہ کی دلیل پر تحقیق کریں گے۔

معاملی ربا سے بچنے کے حیلے

پہلی صورت: غیر جنس کو قیمت یا مال کے ساتھ ضمیمہ کرنا۔

معاملی سود سے فرار کی ایک راہ یہ ہے کہ دو ہم جنس اشیاء کو ایک طرف اضافہ کے ساتھ معاملہ کرتے وقت کم مقدار والے مال کے ساتھ یا دونوں طرف کوئی اور چیز ضمیمہ کی جائے تو یہ معاملہ ((ہم جنس اشیاء کا ایک جانب اضافہ کے ساتھ لین دین)) کے عنوان سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس حیلہ سے متعلق دو سوالوں کا جواب دینا ضروری ہے:

پہلا سوال:

ضمیمہ والے حیلے کے جواز کی دلیل کیا ہے؟

فقہاء اس حیلے کے جواز پر کئی دلیلیں پیش کرتے ہیں:(۱)

۱۔ اجماع: اس مسئلے پر شیعہ علماء کا اتفاق ہے، اہل سنت کے علماء میں صرف شافعی اور احمد بن حنبل نے اس کی مخالفت کی ہے۔ صاحب جواہر الکلام فرماتے ہیں کہ: اس مسئلہ میں شیعہ فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ معاملی سود کی حرمت کی دلیل اس کے جائز ہونے کے عمومی دلائل کے ساتھ منافات نہیں رکھتی ہے، کیونکہ جادر اور مسئلہ سیاق کے مطابق حرمت کی دلیل ہمارے مفروض کے علاوہ کسی اور کے ساتھ مخصوص ہے۔

۳۔ اصل: جب بھی کسی معاملہ کے صحیح ہونے کا احتمال ہو تو اسے (صحت) پر حمل کیا جاتا ہے، یعنی یہ کہا جائے گا کہ یہ معاملہ صحیح ہے، اس معاملہ میں بھی احتمال ہے کہ ایک جنس کے مقابل میں اسی جنس کی مساوی مقدار قرار پائے اور زائد مقدار غیر ہم جنس کے مقابل قرار پائے اگرچہ اس کے کئی گنا ہو، پس اس صورت میں سود نہیں ہوگا۔

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۳۹۱؛ مجمع الفائدہ والبرہان، جلد ۸، ص ۴۸۷

۴۔ روایات جن میں صحیح روایات بھی شامل ہیں:

الف: عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَجَّاجِ ، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الصَّرْفِ فَقُلْتُ لَهُ : اَلرُّفْقَةُ رُبَّمَا عَجِلَتْ فَخَرَجَتْ فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَى الدِّمَشْقِيَّةِ وَالْبَصْرِيَّةِ وَاِنَّمَا يَجُوْزُ نَيْسَابُوْرَ الدِّمَشْقِيَّةُ وَالْبَصْرِيَّةُ فَقَالَ: وَمَا الرُّفْقَةُ ؟ فَقُلْتُ: اَلْقَوْمُ يَتَرَافَقُوْنَ وَيَجْتَمِعُوْنَ لِلْخُرُوْجِ فَاِذَا عَجِلُوْا فَرُبَّمَا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الدِّمَشْقِيَّةِ وَالْبَصْرِيَّةِ فَبَعَثْنَا بِالْغِلَّةِ فَصَرَفُوْا اَلْفًا وَخَمْسِيْنَ دِرْهَمًا مِنْهَا بِاَلْفٍ مِنَ الدِّمَشْقِيَّةِ وَالْبَصْرِيَّةِ، فَقَالَ: لَا خَيْرَ فِيْ هٰذَا ، اَفَلَا يَجْعَلُوْنَ فِيْهَا ذَهَبًا لِمَكَانِ زِيَادَتِهَا ، فَقُلْتُ: اَشْتَرِيْ اَلْفَ دِرْهَمٍ وَدِيْنَاراً بِاَلْفَيْ دِرْهَمٍ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ اِنَّ اَبِيْ (ع) كَانَ اَجْرَأَ عَلٰى اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنِّيْ، فَكَانَ يَقُوْلُ هٰذَا، فَيَقُوْلُوْنَ: اِنَّمَا هٰذَا الْفِرَارُ، لَوْجَاءَ رَجُلٌ بِدِيْنَارٍ لَمْ يُعْطَ اَلْفَ دِرْهَمٍ وَلَوْجَاءَ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ لَمْ يُعْطَ اَلْفَ دِيْنَارٍ وَكَانَ يَقُوْلُ لَهُمْ : نِعْمَ الشَّيْءُ الْفِرَارُ مِنَ الْحَرَامِ اِلَى الْحَلَالِ.

عبدالرحمن بن حجاج نقل کرتے ہیں کہ: میں نے امام علیہ السلام سے درہم اور دینار کے لین دین کے بارے میں پوچھا کہ: کبھی ((رفقہ)) شہر سے چلے جاتے ہیں اور ہمارے پاس دمشق اور بصرہ کے درہم حاصل کرنے کے لئے وقت نہیں ہوتا ہے، جبکہ نیشاپور میں یہی درہم رائج ہوتے ہیں۔

امامؑ نے پوچھا: ((رفقہ)) کون لوگ ہیں؟ میں نے عرض کیا: لوگوں کا ایک گروہ ہے جو ایک دوسرے کے ہمراہ سفر پر نکلتا ہے اور کبھی جلد بازی میں اپنا کام انجام دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کو دمشق اور بصرہ کے درہم حاصل کرنے کے لئے فرصت نہیں ملتی ہے۔ ان حالات میں ہم اپنے کم قیمت والے ایک ہزار پچاس (۱۰۵۰) درہموں کو ایک ہزار دمشقی یا بصری درہموں کے عوض لین دین کرنے کے لئے بھیج دیتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس طرح کے معاملات میں کوئی بھلائی نہیں ہے! اس لئے کہ اضافی درہموں کے برابر میں سونا تو نہیں دیتے ہو۔

میں نے عرض کیا: کیا ایک ہزار درہم و دینار کو دو ہزار درہموں کے عوض خرید سکتا ہوں؟ فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میرے والد مدینہ والوں کے لئے مجھ سے زیادہ جرأت کا اظہار کیا کرتے تھے، وہ بھی اسی طرح فرمایا کرتے تھے، مگر ان کے مخالفین کہتے تھے کہ: یہ تو سود سے فرار کا حیلہ ہے! اگر کوئی ایک دینار دے تو لوگ اس کے عوض ایک ہزار درہم ہرگز نہیں دیںگے اور وہ اگر ایک ہزار درہم ادا کرے، تو لوگ ہزار درہم اسے نہیں دیںگے۔ میرے والد انہیں جواب دیتے تھے: حرام سے حلال کی جانب فرار کرنا کتنا اچھا ہے!(۱)

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۶۶، ۳۶۷، حدیث۱

ب : صَحِيحَةُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَجَّاجِ :عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ يَقُولُ لِاَبِي: يَا اَبَاجَعْفَرٍ ، رَحِمَكَ اللّٰهُ ، وَاللّٰهِ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّكَ لَوْ اَخَذْتَ دِيْنَاراً وَالصَّرْفُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ فَدُرْتَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى اَنْ تَجِدَ مَنْ يُعْطِيْكَ عِشْرِيْنَ ، مَا وَجَدْتَهُ وَمَا هٰذَا اِلَّا فِرَاراً وَكَانَ اَبِي عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ: صَدَقْتَ وَاللّٰهِ وَلٰكِنَّهُ فِرَارٌ مِنْ بَاطِلٍ اِلٰى حَقٍّ .

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: محمد بن منکدر میرے والد سے کہتے تھے: اے ابو جعفر! قسم خدا کی' ہم جانتے ہیں کہ جب ایک دینار کی قیمت اٹھارہ درہم ہوں تو پورے مدینے میں ہمیں ایک دینار بیس درہم میں فروخت کرنے والا نہیں ملے گا اور یہ کام (ضمیمہ کے ذریعے حیلہ کرنا) سود سے فرار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

میرے والد فرماتے تھے کہ تم صحیح کہتے ہو مگر یہ باطل سے حق کی جانب فرار ہے۔(۱)

ج : صَحِيحَةُ حَلَبِي:عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، قَالَ:لَا بَأْسَ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ وَ دِرْهَمٍ ، بِاَلْفِ دِرْهَمٍ وَ دِيْنَارَيْنِ ، اِذَا دَخَلَ فِيْهِمَا دِيْنَارَانِ اَوْ اَقَلُّ اَوْ اَكْثَرُ فَلَا بَأْسَ بِهِ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرماتے ہیں: جب تک دو دینار کم یا زیادہ معاملے میں شامل ہیں، ۱۰۰۱ درہم کو ۱۰۰۰ درہم اور دو دینار کے ساتھ معاملہ کرنا صحیح ہے۔(۲)

د : صَحِيحَةُ اَبِي بَصِيْرٍ: عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ:سَاَلْتُهُ عَنِ الدَّرَاهِمِ بِالدَّرَاهِمِ وَ عَنْ فَضْلِ مَا بَيْنَهُمَا، فَقَالَ : اِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا نُحَاسٌ اَوْ ذَهَبٌ فَلَا بَأْسَ .

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب کچھ درہم کو اس سے زیادہ درہم کے عوض معاملہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: جب تک ان میں پیتل یا سونا شامل ہے ایسے معاملے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۳)

ھ : عَنْ حَسَنِ بْنِ صَدَقَةَ عَنِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ:قُلْتُ لَهُ:جُعِلْتُ فِدَاكَ اِنِّي اَدْخُلُ الْمَعَادِنَ وَاَبِيْعُ الْجَوْهَرَ بِتُرَابِهِ بِالدَّنَانِيْرِوَ الدَّرَاهِمِ قَالَ:لَا بَأْسَ بِهِ ، قُلْتُ: وَ اَنَا اَصْرِفُ الدَّرَاهِمَ بِالدَّرَاهِمِ وَاُصَيِّرُ الْغِلَّةَ وَضَحًا وَاُصَيِّرُ الْوَضَحَ غِلَّةً؟

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص ۴۶۷، حدیث ۲

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص ۴۶۸، حدیث ۳

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص ۴۶۸، حدیث ۷

قَالَ: إِذَا كَانَ فِيهَا (ذَهَبٌ) فَلَا بَأْسَ ۔ قَالَ: فَحَكَيْتُ ذَٰلِكَ لِعَمَّارِ بْنِ مُوسَى (السَّابَاطِيّ)
قَالَ: كَذَا قَالَ لِي أَبُوهُ ، ثُمَّ قَالَ لِي: الدَّنَانِيرُ أَيْنَ تَكُونُ؟ قُلْتُ : لَا أَدْرِي ،
قَالَ عَمَّارٌ، قَالَ لِي أَبُو عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: تَكُونُ مَعَ الَّذِي يَنْقُصُ.

حسن بن صدقہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں! میں سونے کی کان میں جاکر سونے کو اس کی مٹی سمیت درہم و دینار کے عوض فروخت کرتا ہوں، امام نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ میں نے پھر عرض کیا: اسی طرح درہم کو درہم کے عوض معاملہ کرتا ہوں اور مخلوط درہموں کو خالص درہموں سے تبدیل کرتا ہوں کبھی اس کے برعکس یعنی خالص کو مخلوط کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر درہموں کے ساتھ سونا بھی ہے تو کوئی اشکال نہیں۔

حسن کہتے ہیں کہ: جب یہ واقعہ میں نے عمار ساباطی کو سنایا تو وہ کہنے لگا کہ: امام رضا علیہ السلام کے والدگرامی نے بھی مجھ سے ایسا ہی کہا تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ دینار کس طرف ہوں گے؟ میں نے کہا: نہیں! عمار نے کہا: امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ: دینار مخلوط کے ساتھ ہوں گے۔ (۱)

و: صرافی سے متعلق ابوبصیر کی روایت:

قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ السَّيْفِ الْمُفَضَّضِ يُبَاعُ بِالدَّرَاهِمِ قَالَ: إِذَا كَانَتْ فِضَّتُهُ أَقَلَّ
مِنَ النَّقْدِ فَلَا بَأْسَ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ فَلَا يَصْلُحُ .

ابو بصیر روایت کرتے ہیں کہ: میں نے امام علیہ السلام سے چاندی کے نقش و نگار کیے گئے تلوار کو درہموں کے عوض خرید و فروخت کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: چاندی کی مقدار اگر درہم سے کم ہے تو کوئی حرج نہیں ہے؛ ہاں اگر چاندی کی مقدار درہم سے زیادہ ہو تو اس معاملے کا صحیح ہونا مشکل ہے۔ (۲)

حیلہ 'ضمیمہ' کے مخالفین کی دلیل:

حیلہ ضمیمہ کے جواز پر تمام شیعہ فقہاء کا اتفاق ہے، اہلسنت کے فقہاء میں ابوحنیفہ اس کے جائز ہونے

---

(۱) تہذیب الاحکام، جلد ۷، ص ۱۰۱، حدیث ۵۰۹/۱۱۵

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۸۳، حدیث ۸

کے قائل ہیں جبکہ شافعی اور احمد بن حنبل (۱) اس سے منع کرتے ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ:

ثمن اور مثمن (قیمت اور مال) کو ایک دوسرے سے موازنہ کیا جائے تو بعض صورتوں میں یہ معاملہ سودی ہوتا ہے، اس لئے کہ مبیع (مال) کا ہر جز، ثمن (قیمت) کے ہر جزء کا عوض واقع ہوتا ہے، مثلاً: ایک مد طعام اور ایک درہم کا معاملہ دو مد طعام کے عوض کرنے کی صورت میں بازار کی قیمت کے مطابق ایک درہم ڈیڑھ (۱/۵) مد کی قیمت واقع ہوتا ہے، کیونکہ درہم مبیع کا ۳/۵ واں حصہ شمار ہوتا ہے جس کے عوض میں ثمن کا ۳/۵ حصہ واقع ہوتا ہے اور ۲/۵ مبیع جو کہ ایک مد کا ۲/۵ واں حصہ ہے، ایک مد کا عوض قرار پاتا ہے یہی سود ہے۔(۲)

اس استدلال کے دو جوابات دیئے گئے ہیں:

الف: شافعی اور احمد بن حنبل نے زیادہ کی جو تصویر کشی کی ہے وہ بیع کی نہیں بلکہ تقسیم کا تقاضا ہے کیونکہ لین دین میں پوری قیمت، پورے مال (مثمن) کا عوض قرار پاتی ہے اس کے علاوہ شارع مقدس نے بھی اضافہ کے ساتھ معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۳)

ب: مبیع کے تمام اجزا بطور مجموع، قیمت کے تمام اجزا کے مقابلہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ((ایک مد طعام اور درہم)) کا ہر جز دو مد طعام کے ایک ایک جز کا عوض واقع ہوتا ہے۔ اس صورت میں زیادہ لینا حرام نہیں ہے۔(۴)

دوسرا سوال:

بیع ضمیمہ کا جائز ہونا حکم تعبدی ہے یا مطابق قاعدہ ہے؟

صاحب عروۃ اور بعض دوسرے فقہاء فرماتے ہیں کہ بیع ضمیمہ سود سے فرار کا ایک تعبدی حیلہ ہے جو کہ معاملے کی طرفین کے قصد اور مقصود عرف کے برخلاف ہے۔(۵)

---

(۱) المغنی، ابن قدامہ، جلد۴، ص۱۶۸، ۱۶۹، مسئلہ ۲۸۳۶؛ جامع المقاصد، جلد۴، ص۲۷۵

(۲) جامع المقاصد، جلد۴، ص۲۷۵؛ مسالک الافہام، جلد۳، ص۳۳۰

(۳) جامع المقاصد، جلد۴، ص۲۷۵؛ مسالک الافہام، جلد۳، ص۳۳۰

(۴) جامع المقاصد، جلد۴، ص۲۷۵

(۵) ملحقات عروۃ الوثقی، جلد۲، ص۳۲، مسئلہ ۴۸

صاحب جواہرؒ اور مرحوم سبزواریؒ فرماتے ہیں کہ جواز کا حکم قاعدہ کے مطابق ہے اس میں تعبد کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اس سلسلے کی روایات اس قاعدہ پر بہترین دلیل ہیں، کیونکہ اس حیلے کے ذریعے معاملہ ((ہم جنس اشیاء کا اضافہ کے ساتھ معاملہ)) کے عنوان سے خارج ہوتا ہے اور ثمن (قیمت) کے تمام اجزا بطور مجموع مثمن (مال) کے تمام اجزاء کے مقابل واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ضمیمہ کی وجہ سے کسی بھی جنس میں اضافہ صدق نہیں آتا ہے اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ: اس طرح کے معاملات میں ہر جنس یا مقدار زائد اپنی مخالف جنس میں تبدیل ہوتی ہے، ان کا مقصد بھی یہی ہے۔(۱)

صاحب جواہر الکلام کی دلیل کو بیان کرنے بعد مرحوم خوانساری فرماتے ہیں کہ:

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ: شارع مقدس کے حکم سے قطع نظر اہل مدینہ کی نظر میں اس قسم کے معاملات سود سے فرار شمار ہوتے تھے اور روایت کے اس جملہ نِعْمَ الشَّيْءُ الْفِرَارُ مِنَ الْحَرَامِ إِلَى الْحَلَالِ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مدینہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ کوئی بھی شخص ایسی نیت کے بغیر اس طرح کا لین دین نہیں کرتا ہے۔ اور اس نے یہ کام سود سے فرار کے لئے ہی کیا ہے اور ائمہ علیہم السلام نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو محرم بنانے کے لئے اپنی بیٹیوں میں سے کسی ایک کا عقد اپنے نوکر سے کرتا ہے، کیونکہ اگر اس کا مقصد اسے محرم بنانا نہ ہوتا تو وہ ایسا کبھی نہ کرتا۔ یہاں بھی صورت حال ایسا ہی ہے کہ اگر وہ اس طرح سے حیلہ نہ کرتا تو اس کا لین دین سودی ہو جاتا۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ: شارع مقدس نے جس طرح سے باپ اور بیٹے کے درمیان سود کو بطور استثنیٰ جائز قرار دیا ہے اسی طرح اس مورد میں بھی بطور استثنیٰ جائز قرار دیا ہے۔

اس قسم کے معاملات کے جواز کا حکم قاعدہ کے عین مطابق ہے، یہی صاحب جواہر الکلام کا بھی نظریہ ہے، کیونکہ جب ثمن کے اجزا بطور مجموع مثمن کے اجزا کے مقابل واقع ہوتے ہیں تو جنس واحد میں اضافہ (جو کہ معاملی سود کا موضوع ہے) صدق نہیں آتا ہے۔ چنانچہ حرمت کی ادلّہ سے اس مورد کا خارج ہونا خروج حکمی نہیں بلکہ خروج موضوعی ہے۔ لہٰذا مرحوم خوانساری کی بات قابل قبول نہیں ہے۔

دوسری صورت: غیر ہم جنس اشیاء کو واسطہ قرار دینا

سود سے چھٹکارا پانے کی راہوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری جنس کے ساتھ معاملہ کر کے اس سے حاصل شدہ رقم سے اسی کی ہم جنس چیز خریدی جائے۔ اس صورت میں ان دونوں معاملات میں

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۳۹۳

ناپ اور تول کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہاں قیمت اور مال کا تعلق ایک جنس سے نہیں ہیں۔ مثلاً دو من معیاری گندم کو دس درہم میں فروخت کرے پھر اسی دس درہم سے چالیس من غیر معیاری گندم خریدی جائے تو معاملہ صحیح ہے۔

صاحب مفتاح الکرامہ (۱) ، صاحب جواہر (۲) ، صاحب حدائق (۳) ، بجنوردی (۴) اور سبزواری (۵) نے اس حیلہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح صاحب مفتاح الکرامہ، فقہائے متقدمین کی ایک جماعت جیسے، شیخ طوسی ، ابن حمزہ، علامہ حلّی ، اور متاخرین میں سے شہید اوّل وشہید ثانی اور صاحب ریاض وغیرہ سے ایسے معاملات کے جواز کا نظریہ نقل کرتے ہیں؛ وہ فرماتے ہیں کہ:

فقہاء میں مقدس اردبیلی کے علاوہ کسی نے بھی اس کے جواز کے بارے میں تامل نہیں کیا ہے۔(۶)

یہاں فقہاء یہ بحث کرتے ہیں کہ ایسے معاملات کے صحیح ہونے میں کیا یہ ضروری ہے کہ اس کے ضمن میں دوسرے معاملہ کی شرط نہ ہوئی ہو؟

اکثر فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ لین دین کے صحیح ہونے کے لئے اس میں دوسرے معاملے کی شرط نہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شرط صحیح ہے اور اس کے نافذ ہونے کے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ صرف شیخ طوسی اس بات کے قائل ہیں کہ معاملہ کی صحت اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ دوسرے معاملہ کا عوض وہی نہ ہو جو پہلے والے معاملہ کا ہے۔ کیونکہ عوض کا عوض ،عوض ہی شمار ہوتا ہے، اگرچہ دوسرے معاملہ کا عوض خریدار سے اضافہ کی صورت میں لی جانے والی جنس سے نہ بھی ہو، مگر عوض ایک ہی جنس سے ہے جو سود کا موجب بنتا ہے۔(۷)

محقق بھی شرائع الاسلام میں معاملہ کی صحت کے لئے عدم شرط کو ضروری قرار دیتے ہیں۔(۸)

البتہ فقہاء کی اکثریت عوض کا عوض، عوض واقع ہونے کو نہیں مانتے ہیں۔(۹)

---

(۱) مفتاح الکرامہ، جلد۴، ص۵۲۷

(۲) جواہر الکلام، جلد۲۳، ص۳۹۶

(۳) الحدائق الناضرہ، جلد۱۹، ص۲۶۹

(۴) قواعد الفقہیہ، جلد۵، ص۱۵۴

(۵) مہذب الاحکام، جلد۱۷، ص۳۵۸

(۶) مفتاح الکرامہ، جلد۴، ص۵۲۷

(۷) قواعد الفقہیہ، جلد۵، ص۱۵۴؛ جواہر الکلام، جلد۲۳، ص۳۹۶

(۸) جواہر الکلام، جلد۲۳، ص۳۹۶

(۹) قواعد الفقہیہ، جلد۵، ص۱۵۴

تیسری صورت : دو طرفہ ہبہ کرنا

طرفین میں سے ایک بغیر معاوضہ اور بغیر شرط کے (یہ کہ وہ بھی اپنی اشیاء اس کے نام ہبہ کرے گا) دوسرے کے لئے اپنی چیز ہبہ کرے اور دوسرا بھی اپنی اشیاء بغیر معاوضہ و غیر مشروط طور پر اسی طرح اس کے نام ہبہ کرے تو معاملہ صحیح ہے۔اس کے برعکس طرفین کی جانب سے معاوضہ کا قصد کرنے کی صورت میں یہ معاملہ اسی صورت میں صحیح ہوگا جب ہم اس بات کے قائل ہوجائیں کہ سود صرف بیع کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ تمام معاوضات کے ساتھ۔

چوتھی صورت: اضافی مقدار کو ایک کے نام ہبہ کردینا

معاملہ کے طرفین ،ایک دوسرے کو برابر مال دے پھر اضافی مقدار کو ہبہ کرے؛مثلاً دو کلو گندم کو اگر تین کلو گندم کے ساتھ معاملہ کرتا ہو تو دو کلو کو دو کلو کے ساتھ لین دین کرنے کے بعد باقی ایک کلو گندم دوسرے کو ہبہ کردے۔

پانچویں صورت : قرض اور ابراء (کسی کو بری الذمہ کرنا)

معاملہ کے طرفین،اپنی چیزیں ایک دوسرے کو بطور قرض دیتے ہیں پھر ایک دوسرے کو اس قرض سے بری الذمہ کرتے ہیں۔

محقق کرکی اور صاحب جواہر الکلام ،مذکورہ تینوں صورتوں میں ان چیزوں کے عدم شرط (شرط نہ ہونے) کو معتبر سمجھتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:ہبہ ،قرض اور بری الذمہ کرنے کی شرط کرنا سود کا موجب بنتا ہے۔(۱)

چنانچہ شرط نہ کرنے کی صورت میں ان حیلوں سے کام لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قرضی ربا سے بچنے کے حیلے

معاملی ربا سے بچنے کے حیلوں کی نسبت قرضی ربا کے حیلوں کی اقسام بہت زیادہ ہیں۔ان میں سے بعض حیلے ماضی میں بھی رائج رہے ہیں تو بعض موجودہ دور میں پیدا ہوئے ہیں۔ اسلامی ممالک میں

---

(۱) جواہر الکلام ،جلد ۲۳،ص ۳۹۳

گذشتہ صدی کی آخری دہائیوں میں قرضی سود کو زیادہ پذیرائی ملی ہے۔ بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے سود کی نجاست سے اس حد تک آلودہ ہو چکے ہیں کہ بہت سے لوگ تو سود کو ایک اقتصادی ضرورت سمجھنے لگے ہیں۔

اس صورت حال میں دین دار طبقہ، سود کی برائی سے خود کو بچانے کے لئے مختلف قسم کی چارہ جوئی کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ چنانچہ وقت گزرنے اور شرائط میں تبدیلیوں کے ساتھ قرضی سود سے فرار کے طریقوں اور حیلوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے،اس کے برعکس معاملی سود کے حیلے ،اس کے لین دین میں کمی کے ساتھ محدود ہوتے جا رہے ہیں۔اس کے باوجود فقہاء نے معاملی سود کے حیلوں سے چشم پوشی نہیں برتی ہے۔

ہم یہاں قرضی سود سے بچنے کے لئے شیعہ فقہ میں جو حیلے بیان ہوئے ہیں اور ان کی شرعی حیثیت جو کہ فقہاء کے درمیان اختلاف کی بنیادی وجہ ہے' کے بارے میں بحث کریں گے۔

پہلی صورت: نقد اور نسیہ (غیر نقد) معاملہ

اکثر فقہاء بیع نقد و نسیہ کی بحث میں اس مسئلہ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ایک چیز کو بطور نسیہ خرید لینے کے بعد اسی چیز کو دوبارہ اسی شخص (بیچنے والے) کے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

اس مسئلہ پر بحث اور اس کا حکم بیان کرنے سے پہلے،یہ جاننا ضروری ہے کہ نقد اور نسیہ معاملہ کی نوعیت اور اس کے تقدم و تاخر کے اعتبار سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔(۱)

۱۔ایک چیز کو (نقد معاملہ کی صورت میں) فروخت کیا جائے پھر اسی چیز کو دوبارہ (نقد صورت میں) خرید لیا جائے۔لوگ عام طور پر اس طرح کے لین دین کم ہی کیا کرتے ہیں،مگر یہ کہ کوئی شخص اپنی چیز بیچنے کے بعد پشیمان ہو جائے یا پھر نذر،قسم وغیرہ کو پورا کرنے کے لئے اس طرح کا معاملہ کیا جائے۔ یہ قرض کے سود سے فرار کا حیلہ شمار نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ایک چیز کو بطور نسیہ فروخت کیا جائے پھر اسی چیز کو دوبارہ بطور نسیہ خرید لیا جائے ، پہلے اور دوسرے نسیہ کی مدت میں فرق ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی مدت ایک ہی ہو۔

پہلی صورت سے کہیں زیادہ دوسری صورت قرضی سود سے فرار کے لئے حیلہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے،لیکن عام طور پر اس حیلہ سے کام نہیں لیا جاتا۔ قرضی سود کے حیلوں میں تیسری اور چوتھی صورت

---

(۱) اس مسئلہ کی متعدد شکلیں بن سکتی ہیں مگر ہم یہاں صرف قرض کے سود کے حیلوں سے مربوط صورتوں کو بیان کریں گے۔

جو ((بیع عینہ)) کے نام سے مشہور ہے اور قرض لینے اور دینے والے اسے کام لیتے ہیں، زیادہ تر مورد بحث واقع ہوتی ہے۔

۳۔ پہلے نسیہ بعد میں نقد معاملہ کرے، چنانچہ مال کا مالک ایک چیز کو بطور نسیہ ایک ماہ کی مدت پر ہزار روپے میں فروخت کرتا ہے، پھر اسی چیز کو خریدار سے نقد نو سو روپے میں واپس خرید لیتا ہے یہ معاملہ ایسا ہے گویا بیچنے والا ایک ہزار روپے لوٹانے کی شرط پر خریدار کو ایک ماہ کی مدت کے لئے نو سو روپے قرض دیتا ہے۔ یہاں مالک مال فروخت کنندہ، قرض دینے والے اور خریدار، قرض لینے والے کے حکم میں ہیں۔

۴۔ پہلے نقد بعد میں نسیہ معاملہ انجام پائے، مثلاً؛ فروخت کنندہ ایک چیز کو نقد نو سو روپے میں فروخت کرے پھر اسی چیز کو خریدار سے ایک ہزار میں ایک ماہ کی مدت پر بطور نسیہ خرید لے، یہ ایسا ہے گویا فروخت کنندہ خریدار سے ایک ہزار روپے واپس کرنے کی شرط پر ایک ماہ کے لئے نو سو روپے قرض لیتا ہے۔ یہاں تیسری صورت کے برعکس فروخت کنندہ قرض لینے والے اور خریدار قرض دینے والے کے حکم میں ہیں۔

اصلی مفروضات کا حکم

بعض فقہاء، پہلے معاملہ کی مہلت ختم ہونے کے بعد دوسرا معاملہ انجام پانے اور پہلے معاملہ کی مہلت ختم ہونے سے پہلے دوسرا معاملہ انجام پانے کی صورت میں الگ نظریات کے قائل ہیں۔ چنانچہ یہ مسئلہ دو اصلی مفروضات اور بیع عینہ (جو کہ ہمارا محل بحث ہے) کی صورتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

پہلا فرض:

فروخت کنندہ (مالک) پہلے معاملہ پر اتفاق کر لینے کے بعد اور قیمت وصول کر لینے سے پہلے اپنی چیز کو دوبارہ خریدنا چاہتا ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ فروخت کنندہ اپنی چیز کو دوسری جنس سے خریدتا ہے۔ اس وقت ثمن اور مثمن کی مقدار چاہے برابر ہو، زیادہ ہو یا کم، تمام فقہاء اس لین دین کو صحیح سمجھتے ہیں۔

۲۔ فروخت کنندہ اپنی چیز کو اسی کی ہم جنس چیز کے ذریعے بطور مساوی خرید لیتا ہے۔ اس معاملہ کے صحیح ہونے کے بارے میں بھی سب کا اتفاق ہے۔

۳۔ فروخت کنندہ اپنی چیز کو اسی کی ہم جنس کے عوض، اس سے زیادہ یا کم مقدار دے کر خرید لیتا ہے۔ اس معاملہ کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کے متعلق تین قول پائے جاتے ہیں۔

الف: بیچی گئی چیز طعام (کھانے کی چیز) ہو یا غیر طعام، مطلقاً حرام ہے۔

ب: مطلقاً جائز ہے۔

ج: وہ چیز اگر طعام میں سے ہے تو حرام ہے۔

فقہاء کے درمیان دوسرا قول مشہور ہے۔صاحب جواہر الکلام کے مطابق، صرف شیخ طوسیؒ نے اپنی کتابوں میں اس قسم کے لین دین سے منع کیا ہے۔(۱)

دوسرا فرض:

فروخت کنندہ (مالک) پہلے معاملہ پر اتفاق کرنے سے پہلے، اپنی چیز کو نقد یا نسیہ کی صورت میں، ہم جنس یا غیر ہم جنس چیز کے عوض بطور مساوی یا کم یا اضافہ کے ساتھ خریدتا ہے۔ یہ فرض بیع عینہ کی صورتوں کو بھی شامل ہے۔

مشہور فقہاء کی نظر میں پہلے معاملہ کے ضمن میں دوسرے کی اگر شرط نہیں ہوئی ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ریاض المسائل (۲)، مجمع الفائدہ اور البرہان (۳) میں اس حکم کے بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے، صرف سلار نے (۴) اپنی کتاب المراسم میں اس معاملہ کو باطل قرار دیا ہے۔

قول مشہور کی دلیلیں:

۱۔ اجماع، جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

۲۔ عقود اور لین دین کی صحت پر دلالت کرنے والی دلیلیں مطلق اور عام ہیں، جیسے (اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ)، (اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ)، (تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ) اور (اَلنَّاسُ مُسَلِّطُوْنَ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ)، ان دلیلوں کے لئے ان معاملات پر اطلاق کے لئے یہاں کوئی عقلی اور شرعی رکاوٹ موجود نہیں ہے۔

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۱۱۲

(۲) ریاض المسائل، جلد ۵، ص ۱۳۳

(۳) مجمع الفائدہ والبرہان، جلد ۸، ص ۳۳۰

(۴) المراسم، حمزہ بن عبدالعزیز، ص ۱۷۴

۳۔ روایات:

الف: علی بن جعفر روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَلِی بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَخِیْهِ مُوْسَی بْنِ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَاَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ بَاعَ ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ (اِلَیٰ اَجَلٍ) ثُمَّ اشْتَرَاهُ بِخَمْسَةِ دَرَاهِمَ (بِنَقْدٍ) اَیَحِلُّ؟ قَالَ: اِذَا لَمْ یُشْتَرَطْ وَرَضِیَا فَلَا بَأْسَ.

میں نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ: ایک شخص ایک کپڑے کو دس درہم میں فروخت کرتا ہے پھر اسی کپڑے کو پانچ درہم میں واپس خرید لیتا ہے، کیا اس کا یہ کام جائز ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر پہلے معاملے میں اس کی شرط نہیں ہوئی ہے اور دونوں اس معاملے پر راضی ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ (۱)

ب: بشار بن یسار کی صحیح روایت:

قَالَ: سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَنِ الرَّجُلِ یَبِیْعُ الْمَتَاعَ بِنَسَاءٍ فَیَشْتَرِیْهِ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِیْ یَبِیْعُهُ مِنْهُ، قَالَ: نَعَمْ، لَا بَأْسَ بِهِ، فَقُلْتُ لَهُ: اَشْتَرِیْ مَتَاعِیْ، فَقَالَ: لَیْسَ هُوَ مَتَاعَكَ وَ لَا بَقَرَكَ وَ لَا غَنَمَكَ.

بشار بن یسار نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو ایک چیز کو بطور نسیہ فروخت کرتا ہے پھر اسی چیز کو اس خریدار سے خود دوبارہ خرید لیتا ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ میں نے عرض کیا: (کیا اس لئے یہ درست ہے کہ) میں اپنی چیزوں کو خرید رہا ہوں! امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! وہ متاع ' گائے اور بھیڑ بکری اب تمہاری نہیں۔ (۲)

ج: منصور بن حازم کی روایت:

عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ حَازِمٍ، قَالَ: سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَنِ الرَّجُلِ یَكُوْنُ لَهُ عَلَی الرَّجُلِ طَعَامٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ اَوْ غَیْرُ ذَالِكَ، فَاَتَی الْمَطْلُوْبُ الطَّالِبَ لِیَبْتَاعَ مِنْهُ شَیْئًا، قَالَ: لَا یَبِیْعُهُ نَسِیًّا فَاَمَّا نَقْدًا فَلْیَبِعْهُ بِمَا شَاءَ.

منصور بن حازم روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص پر کسی کا طعام، گائے اور گوسفند وغیرہ قرض ہے، طلبگار مقروض سے کوئی چیز خریدنے

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۱، حدیث ۶

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۱، حدیث ۶

کے لئے اس کے پاس آتا ہے۔امام علیہ السلام نے فرمایا: اسے کوئی چیز بطور نسیہ فروخت نہ کرے البتہ نقداً بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

د: حسین بن منذر کی روایت:

عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ الْمُنْذِرِ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَجِيئُنِي الرَّجُلُ فَيَطْلُبُ الْعِينَةَ، فَاَشْتَرِي لَهُ الْمَتَاعَ مُرَابَحَةً ثُمَّ اَبِيعُهُ اِيَّاهُ، ثُمَّ اَشْتَرِيهِ مِنْهُ مَكَانِي، قَالَ: إِذَا كَانَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ بَاعَ وَ اِنْ شَاءَ لَمْ يَبِعْ وَكُنْتَ اَنْتَ بِالْخِيَارِ اِنْ شِئْتَ اِشْتَرَيْتَ وَ اِنْ شِئْتَ لَمْ تَشْتَرِ فَلَا بَأْسَ.

حسین بن منذر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے بیع عینہ کا تقاضا کرتا ہے، چنانچہ میں اس کے لئے ایک چیز خرید لیتا ہوں پھر اسے فروخت کرتا ہوں، اس کے بعد اسی چیز کو میں اس سے دوبارہ خرید لیتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اگر وہ شخص خود مختار ہے، یعنی چاہے تو فروخت کرے اور اگر نہ چاہے تو فروخت نہ کرے اور تم بھی خود مختار ہو، اگر چاہو تو خریدو اور نہ چاہو تو نہ خریدو تو کوئی حرج نہیں ہے۔(۲)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک چیز کو فروخت کرنے کے بعد اسے خریدنے والے سے دوبارہ خریدنا جائز ہے۔ چنانچہ کتاب مکاسب میں شیخ انصاری کی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اس معاملے کے جائز ہونے پر دلالت کرنے والی روایات، معاملہ سے قبل اور بعد دونوں صورتوں پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ جو لوگ نقد و نسیہ، مساوی یا کم یا زیادہ، معاملہ سے پہلے یا بعد میں فروخت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، یہی حق ہے۔(۳)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۳، حدیث ۸

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۰، حدیث ۴؛ التہذیب، جلد ۷، ص ۵۱

(۳) مکاسب، شیخ انصاری، ص ۳۰۷

بیع عینہ :

بیع نقد و نسیہ کے متعلق گذشتہ مطالب سے یہ واضح ہوا کہ بیع نسیہ میں بذات خود کوئی اشکال نہیں ہے، بیع عینہ چونکہ سود کے حیلوں میں سے ایک ہے، اس لئے اس پر فقہی نقطہ نظر سے انتہائی باریک بینی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مجمع البحرین میں ((عینہ)) کا معنی کچھ اس طرح سے کیا گیا ہے:

اَلْعِیْنَۃُ بِالْکَسْرِ: اَلسِّلْعَۃُ۔ عینہ کے معنی چیز (جنس) ہے۔ روایات میں بھی یہی معنی بیان ہوا ہے۔ عینہ کے معنی میں اختلاف ہے، صحاح میں عینہ، سلف کے معنی میں آیا ہے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں: کسی چیز کو خرید کر اس کی قیمت کی ادائیگی کے وقت اسی کے مالک کے ہاتھوں اسی قیمت یا اس سے زیادہ پر فروخت کرنے کو عینہ کہتے ہیں۔(۱)

ابن ادریس، کتاب سرائر(۲) میں لکھتے ہیں کہ: شرع میں کسی چیز کو بطور نسیہ خرید کر قرض چکانے کی خاطر کم قیمت پر بطور نقد فروخت کرنے کو عینہ کہتے ہیں۔ کبھی مقروض قرض ادا کرنے کے لئے طلبگار سے کوئی چیز بطور عینہ خرید لیتا ہے، چنانچہ وہ دوبارہ اسی کا مقروض بنتا ہے۔ دوسری دفعہ کا عینہ پہلے والا قرض اتارنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کے بعد بطور مثال ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

عَنْ اَبِی بَکْرٍ حَضْرَمِیِّ، قَالَ: قُلْتُ لِاَبِی عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ: رَجُلٌ تَعَیَّنَ ثُمَّ حَلَّ دَیْنُہُ فَلَمْ یَجِدْ مَا یَقْضِی اَیَتَعَیَّنُ مِنْ صَاحِبِہِ الَّذِی عَیَّنَہُ وَیَقْضِیْہِ؟ قَالَ: نَعَمْ۔

ابوبکر حضرمی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: ایک شخص نے کسی کے ساتھ بیع عینہ کیا ہے یعنی اس سے بطور نسیہ کوئی چیز خریدی ہے۔ مگر قرض کی ادائیگی کے وقت دینے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا ہے تو کیا یہ شخص اپنا قرض اتارنے کے لئے اسی سے دوبارہ عینہ کر سکتا ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہاں کر سکتا ہے۔ (۳)

بعض شیعہ فقہاء نے اگرچہ صراحت کے ساتھ عینہ کا نام نہیں لیا ہے، مگر اصل مطلب کو بیان کیا ہے، چنانچہ شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان ایک چیز کو بطور نسیہ فروخت کرے پھر اسی کو بطور نسیہ یا نقد، جس قیمت پر فروخت کیا تھا اس سے زیادہ یا کم پر خرید لے۔ (۴)

---

(۱) مجمع البحرین، جلد ۶، ص ۲۸۸ (۲) السرائر، جلد ۲، ص ۲۰۵

(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۳۷۲، حدیث ۲ (۴) المقنعہ، ص ۵۹۶

شیخ طوسیؒ نے بھی یہی مطالب بیان کئے ہیں۔(۱)

علامہ حلّیؒ، بیع عینہ اور اس کے حکم کے بارے میں فرماتے ہیں: بیعہ جائز ہے اور اس سے شریعت نے منع نہیں کیا ہے۔شافعی بھی اسے جائز سمجھتے ہیں۔ہمارے ہاں عینہ سے مراد، قرضہ دینے والے کا مقروض کو کوئی چیز فروخت کرنا ہے۔(تا کہ وہ اسے بیچ کر اس کا قرض اتارے) یہ کام جب دوسرے کے لئے جائز ہے تو قرضہ دینے والے کے لئے بھی جائز ہے۔علامہ، عینہ کے جواز کی دلیل کے طور پر دو روایت نقل کرتے ہیں:

۱۔ عَنْ لَيْثٍ الْمُرَادِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ:سَأَلَهُ رَجُلٌ زَمِيلٌ لِعُمَرَ بْنِ حَنْظَلَةَ عَنْ رَجُلٍ تَعَيَّنَ عِينَةً إِلَى أَجَلٍ فَإِذَا جَاءَ الْأَجَلُ تَقَاضَاهُ فَيَقُولُ: لَا وَاللهِ! مَا عِنْدِي وَلَكِنْ عَيِّنِّي أَيْضًا حَتَّى أَقْضِيَكَ، قَالَ : لَا بَأْسَ بِبَيْعِهِ.

عمر بن حنظلہ کے دوست نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی چیزوں کو بطور نسیہ فروخت کرتا ہے، قیمت کی وصولی کے وقت جب وہ اس کی قیمت کا مطالبہ کرتا ہے،تو خریدار کہتا ہے کہ: خدا کی قسم! میرے پاس تجھے دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ہاں البتہ کوئی چیز عینہ کی صورت میں دوبارہ مجھے فروخت کرو تا کہ میں تیرا قرضہ ادا کروں۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:اس میں کوئی حرج نہیں۔(۲)

۲۔ عَنْ بَكَّارِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي رَجُلٍ يَكُونُ لَهُ عَلَى الرَّجُلِ الْمَالُ، فَإِذَا جَاءَ الْأَجَلُ قَالَ لَهُ : بِعْنِي مَتَاعًا حَتَّى أَبِيعَهُ فَأَقْضِيَ الَّذِي لَكَ عَلَيَّ، قَالَ : لَا بَأْسَ .

بکار بن ابی بکر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص کا کسی پر قرضہ ہے۔ادائیگی کے وقت مقروض مالک سے کہتا ہے:تم کوئی چیز مجھے فروخت کرو تا کہ میں اسے بیچ کر تیرا قرضہ ادا کروں۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:کوئی حرج نہیں۔(۳)

ان حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد علامہ حلّیؒ فرماتے ہیں کہ:شافعی بیع عینہ کی کچھ اس طرح سے تعریف کرتے ہیں کہ:ایک شخص اپنی چیز کو بطور نسیہ فروخت کرتا ہے،پھر اس کی قیمت وصول کرنے سے پہلے اسی چیز کو کم قیمت پر بطور نقد دوبارہ اس سے خود خرید لیتا ہے۔یہ بیع عینہ ہے جو کہ ہمارے ہاں بھی جائز ہے۔(۴)

---

(۱) النہایہ،ص۳۸۸؛ الخلاف، جلد۳،ص۱۳۹

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲،ص۳۷۲، حدیث۵

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۲،ص۳۷۳، حدیث۶

(۴) تذکرۃ الفقہاء، جلد۱،ص۵۳۶

maablib.org

مذکورہ بالا روایات کی موجودگی میں بیع عینہ کے جائز ہونے کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا ہے۔شیخ طوسیؒ ،عبدالرحمٰن کی روایت میں امام علیہ السلام کی بیع عینہ سے نہی کو کراہت پر حمل کرتے ہیں۔(۱)

یونس کی روایت کے قرینہ کے ذریعے امام علیہ السلام کی نہی کو بیع عینہ کے سود سے فرار کا ذریعہ بننے کی صورت پر حمل کیا جاسکتا ہے ورنہ خود بیع عینہ جائز ہے۔

کیا پہلے معاملہ میں دوسرے معاملے کی شرط کرنا جائز ہے؟

اکثر فقہاء دوسرے معاملہ کے صحیح ہونے کو پہلے معاملہ میں دوسرے کی شرط نہ کرنے پر موقوف سمجھتے ہیں۔کتاب ریاض المسائل (۲) اور کفایہ (۳) میں اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔مفاتیح الشرائع میں لکھا ہے:شرط کی صورت میں معاملہ باطل ہونے کے بارے میں اصحاب کا اتفاق ہے۔(۴)

پہلے معاملے میں دوسرے معاملے کی شرط کرنے کی صورت میں معاملہ کو باطل سمجھنے والے دو دلیل دیتے ہیں:

۱۔ دلیل عقلی
۲۔ دلیل نقلی

دلیل عقلی:

فقہی کتابوں میں معاملہ باطل ہونے کے بارے میں درج ذیل دو دلیل بیان ہوئی ہیں:

الف: دَور

اس دلیل کو علامہ کی وساطت سے کتاب تذکرہ میں بیان کیا گیا ہے۔اس کو مختلف طریقوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ ،جلد۱۲،ص۳۷۲،حدیث۹
(۲) ریاض المسائل ،جلد۵،ص۱۳۲
(۳) کفایۃ الاحکام،محمد باقر بن محمد مومن سبزواری،ص۹۴
(۴) مفاتیح الشرائع ،محمد حسن فیض کاشانی،جلد۳،ص۶۶

پہلا طریقہ:

یہاں انتقال ملک ،حصول شرط پر اور حصول شرط ، انتقال ملک پر موقوف ہے،یعنی مالک نے پہلے معاملہ کو اس کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ خریدار اس چیز کو دوبارہ اسے فروخت کرے گا، چنانچہ پہلے معاملہ میں انتقال ملک ، حصول شرط (معاملہ دوم) کے ساتھ مشروط ہے اور حصول شرط (معاملہ دوم) موقوف ہے انتقال ملک (معاملہ اول) پر۔ پس یہاں دَور لازم آتا ہے۔

اس اشکال کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ: جو چیز حصول شرط پر موقوف ہے وہ انتقال ملک نہیں بلکہ معاملہ اول کا لزوم (لازمی ہونا) ہے، اور حصول شرط انتقال ملک پر موقوف ہے' وہ حاصل ہوگئی ہے۔ چنانچہ دَور لازم نہیں آتا ہے۔

دوسرا طریقہ:

دوسرا معاملہ خریدار کی ملکیت پر اور خریدار کی ملکیت دوبارہ مالک کو فروخت کرنے (معاملہ دوم) پر موقوف ہے، کیونکہ یہ معاملہ (معاملہ دوّم) پہلے معاملہ کے لئے شرط ہے۔ پس دوسرا معاملہ خود دوسرے معاملہ پر موقوف ہے، جو کہ صریحاً دور ہے۔

اس اشکال کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ: خریدار سے مالک کی طرف ملکیت کا منتقل ہونا اگرچہ خریدار کی ملکیت پر موقوف ہے مگر خریدار کی ملکیت ،خریدار سے مالک کی طرف ملکیت منتقل ہونے پر موقوف نہیں ہے ورنہ دیگر شرائط کے ساتھ مشروط دوسرے معاملات ،مثلاً غلام کو آزاد کرنے کی شرط یا مالک کی طرف سے کسی اور کو بیچنے کی شرط وغیرہ باطل ہونا چاہئے جبکہ ایسے تمام معالات کے صحیح ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے۔(۱)

ب: عدم قصد

دوسرا اشکال عدم قصد کا ہے کہ: اس معاملہ میں مالک مبیع (مال) کو اپنی ملکیت سے خارج کرنے کا قصد نہیں کرتا ہے ورنہ وہ ایسی شرط عائد ہی نہ کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس کی ملکیت ختم نہیں ہوئی ہے۔(۲)

---

(۱) جواہر الکلام، جلد۲۳، ص۱۱۰

(۲) غایۃ المراد وحاشیۃ للارشاد، شہید اوّل ودوّم، جلد۲، ص۷۸

شہید ثانی " اور محقق ثانی " اس اشکال کا جواب یوں دیتے ہیں کہ مالک کا مقصد خریدار کی جانب قصدِ انتقال کا حصول ہے۔ چنانچہ دوبارہ اپنی ملکیت میں واپس لانے کا ارادہ کرکے اسے خرید لینا قصد انتقال کے حصول کے ساتھ منافات نہیں رکھتا ہے ورنہ شرط کئے بغیر صرف قصد کرنے سے معاملہ باطل ہونا چاہئے، جبکہ تمام فقہاء اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ (۱)

بعض دوسرے بھی اس اشکال کا جواب دیتے ہیں۔ (۲)

مذکورہ دونوں عقلی دلیلیں کسی بھی طرح درست (Valid) نہیں ہیں، لہٰذا اس حکم کے تحت بیع عینہ کو باطل قرار نہیں دینا چاہیے۔

دلیل نقلی:

صاحب حدائق مشروط معاملہ کے باطل ہونے پر دو روایتوں کے ذریعے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ان دو روایتوں کی موجودگی میں کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تحقیق اور جستجو نہ کرنے کی وجہ سے سابقہ فقہاء ان دو روایتوں سے پوری طرح نتیجہ نہیں نکال سکے۔

۱۔ حسین بن منذر کی روایت:

عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ الْمُنْذِرِ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَجِيئُنِي الرَّجُلُ فَيَطْلُبُ الْعِينَةَ، فَأَشْتَرِي لَهُ الْمَتَاعَ مُرَابَحَةً ثُمَّ أَبِيعُهُ إِيَّاهُ، ثُمَّ أَشْتَرِيهِ مِنْهُ مَكَانِي، قَالَ: إِذَا كَانَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ بَاعَ وَ إِنْ شَاءَ لَمْ يَبِعْ وَ كُنْتَ أَنْتَ بِالْخِيَارِ إِنْ شِئْتَ اشْتَرَيْتَ وَإِنْ شِئْتَ لَمْ تَشْتَرِ فَلَا بَأْسَ.

حسین بن منذر روایت کرتے ہیں کہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں میں نے عرض کیا کہ: ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے بیع عینہ کا تقاضا کرتا ہے، چنانچہ میں اس کے لئے ایک چیز خرید لیتا ہوں پھر اسے فروخت کرتا ہوں، اس کے بعد اسی چیز کو اس سے دوبارہ خرید لیتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر وہ شخص خود مختار ہو چاہے تو فروخت کرے اور چاہے تو فروخت نہ کرے، اور تم بھی خود مختار ہو اگر چاہو تو خریدو اور نہ چاہو تو نہ خریدو، تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ (۳)

---

(۱) مسالک الافہام، جلد۳، ص۲۲۴-۲۲۵؛ جامع المقاصد، جلد۴، ص۲۰۵

(۲) ارشاد الطالب، ج ۴، ص۵۶۶

(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۷۰، حدیث۴؛ التہذیب، جلد۷، ص۵۱

صاحب حدائق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ شرط کی صورت میں معاملہ صحیح نہیں ہے:

اِذَا کَانَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ بَاعَ وَ اِنْ شَاءَ لَمْ یَبِعْ وَ کُنْتَ اَنْتَ بِالْخِیَارِ .

لہٰذا ضروری ہے کہ معاملہ اوّل کسی شرط کے حصول پر موقوف نہ ہو، تا کہ معاملہ صحیح ہو سکے۔(۱)

شیخ انصاریؒ، صاحب حدائق کی دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''خیار'' سے مراد اختیار عرفی ہے' اس شخص کے برعکس جو اس چیز کو دوبارہ فروخت کرنے کے بارے میں خود سے شرط کرتا ہے۔

بنابرایں: ابن منذر کی روایت کے مطابق جب بھی طرفین میں سے کوئی ایک عقد اوّل کی وجہ سے مال اسے منتقل نہ کر سکے (یعنی نقل وانتقال میں خودمختار نہ ہو) تو معاملہ کے صحیح ہونے میں اشکال ہے اور یہ اشکال یا تو معاملہ اوّل سے متعلق ہے جس سے ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے یا پھر معاملہ دوّم سے متعلق ہے کہ جس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ معاملہ اوّل باطل ہونے کی صورت میں مال خریدار کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، اس لئے معاملہ دوم بھی باطل ہے۔(۲)

۲۔علی بن جعفر کی روایت:

عَنْ عَلِیِّ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَخِیهِ مُوسَی بْنِ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: سَاَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ
بَاعَ ثَوْباً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ (اِلَی اَجَلٍ) ثُمَّ اشْتَرَاهُ بِخَمْسَةِ دَرَاهِمَ (بِنَقْدٍ)
اَیَحِلُّ ؟ قَالَ: اِذَا لَمْ یَشْتَرِطْ وَ رَضِیَا فَلَا بَاْسَ .

علی بن جعفر روایت کرتے ہیں کہ: میں نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ: ایک شخص ایک کپڑے کو دس درہم میں فروخت کرتا ہے پھر اسی کپڑے کو پانچ درہم میں واپس خرید لیتا ہے، کیا اس کا یہ کام جائز ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر پہلے اس کی شرط نہیں ہوئی ہے اور دونوں راضی بھی ہیں تو کوئی حرج نہیں۔(۳)

صاحب حدائق'' کے بیان کے مطابق اس روایت میں شرط کے غیر جائز ہونے کا صراحت کے ساتھ ذکر ہوا ہے (۴)۔ صاحب جواہر'' (۵) امام خمینیؒ (۶) اور آیت اللہ خوئی نے (۷) ان دونوں روایتوں کی سند اور دلالت پر اشکال کیا ہے۔ شیخ انصاریؒ نے ان جیسے اشکالات کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔(۸)

---

(۱) الحدائق الناضرہ، جلد۱۹، ص۱۲۷
(۲) المکاسب، ص۳۰۸
(۳) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۷۱، حدیث۶
(۴) الحدائق الناضرہ، جلد۱۹، ص۱۲۸
(۵) جواہر الکلام، جلد۲۳، ص۱۲۸
(۶) کتاب البیع، جلد۵، ص۳۶۱-۳۶۲
(۷) مصباح الفقاہہ، جلد۷، ص۵۸۰
(۸) المکاسب، ص۳۰۹

امام خمینی ؒ ان اشکالات کے ضمن میں فرماتے ہیں: ایک ہی مکان کو مشروط فروخت کرنے اور دوبارہ اسی کو خریدنے کی صورت میں سود سے بچنے کا احتمال موجود ہوتا ہے، چنانچہ سود خور کے عادی افراد اپنے کام کے مطابق شرع ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔شیبانی کی روایت بھی اس قسم کے حیلوں کے سود ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اگر روایت میں موجود نہی سود پر قابل حمل ہو تو روایت کا مدلول مدعا سے اخص ہوگا۔
علی بن جعفر کی روایت میں مذکور امام علیہ السلام کی مشروط معاملہ سے نہی کی وجہ بھی یہی لگتی ہے کہ کہیں بیع عینہ کے ذریعے سود میں نہ پڑ جائے۔
ان دو روایتوں کی سند پر ہونے والے اشکالات برطرف ہونے کی صورت میں (۱) انہیں سود سے فرار کے لئے انجام دیئے جانے والے مشروط معاملہ پر حمل کرنا چاہیے وگرنہ مشروط لین دین کے بطلان پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ عام معاملات کی صحت پر دلالت کرنے والے عمومات اور قواعد کے مطابق اس قسم کے معاملات صحیح ہیں۔

دوسری صورت: بیع شرط

قرض کے سود سے بچنے کا ایک راستہ، بیع شرط یا بیع خیار یا پھر اہلسنت کی تعبیر کے مطابق بیع الوفاء ہے۔یہ حیلہ یوں کیا جاتا ہے کہ جب ضرورت مند کو سود کے بغیر قرضہ دینے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا، تو وہ اپنی زمین یا مکان کو فروخت کرتا ہے اور خریدار کے ساتھ ایک سال کے اندر اس کی رقم لوٹانے کی صورت میں گھر واپس کرنے کی شرط کرتا ہے۔اس صورت میں گھر کے مالک کو اپنی مطلوبہ رقم مل جاتی ہے اور خریدار کو اپنی رقم کے عوض مکان میں سکونت کی سہولت یا اس کا کرایہ مل جاتا ہے۔ اس قسم کے لین دین میں عام طور پر ان چیزوں کی مناسب قیمت نہیں ملتی بلکہ وقتی ضرورت کے مطابق مالک کو رقم مل جاتی ہے۔

بیع شرط کے صحیح ہونے پر دلائل:

۱۔ اجماع: کتاب تذکرہ اور کتاب مسالک میں اس قسم کے حیلوں کے صحیح ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔صاحب جواہر الکلام فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں اجماع اپنی دونوں قسموں (منقول اور محصل) کے ساتھ حاکم ہے۔(۲)

---

(۱) آیت اللہ جواد تبریزی علی بن جعفر کی روایت کو صحیح جانتے ہیں (ارشاد الطالب، ج ۳، ص ۵۶۴)
(۲) جواہر الکلام، کتاب البیع، جلد ۲۳، ص ۲۲۲-۲۲۳

۲۔ دلیل عام: جیسے ﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾، ﴿اَلْمُؤْمِنُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ﴾۔

۳۔ دلیل خاص:

الف:) موثقہ اسحاق بن عمار:

قَالَ: حَدَّثَنِی مَنْ سَمِعَ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَسَاَلَهُ رَجُلٌ وَ اَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ:
رَجُلٌ مُسْلِمٌ اِحْتَاجَ اِلٰى بَيْعِ دَارِهِ فَجَاءَ اِلٰى اَخِيْهِ، فَقَالَ: اَبِيْعُكَ دَارِیْ هٰذِهِ
وَ تَكُوْنُ لَكَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ تَكُوْنَ لِغَيْرِكَ عَلٰى اَنْ تَشْتَرِطَ لِی
اِنْ اَنَا جِئْتُكَ بِثَمَنِهَا اِلٰى سَنَةٍ اَنْ تَرُدَّ عَلَیَّ، فَقَالَ: لَا بَاْسَ بِهٰذَا.
اِنْ جَاءَ بِثَمَنِهَا اِلٰى سَنَةٍ رَدَّهَا عَلَيْهِ......

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:
ایک مسلمان اپنا مکان فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کہتا ہے کہ: میں یہ مکان تجھے فروخت کرتا ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ گھر کسی غیر کے بجائے تمہارے پاس رہے۔ البتہ اس شرط کے ساتھ کہ اگر ایک سال کے اندر میں نے تمہاری رقم واپس کردی تو تم بھی میرا مکان مجھے واپس کردو گے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، سال کے اندر اس کی رقم ادا کر کے وہ اپنا مکان واپس لے سکتا ہے۔(۱)

ب:) صحیحہ سعید بن یسار:

قَالَ: قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّا نُخَالِطُ اُنَاساً مِنْ اَهْلِ السَّوَادِ وَ غَيْرِهِمْ
فَنَبِيْعُهُمْ وَ نَرْبَحُ عَلَيْهِمُ الْعَشَرَةَ اِثْنَا عَشَرَ اَوِ الْعَشَرَةَ بِثَلَاثَةَ عَشَرَ وَنُؤَخِّرُ ذَالِكَ
فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ السَّنَةَ وَنَحْوَهَا فَيَكْتُبُ لَنَا الرَّجُلُ عَلٰى دَارِهِ اَوْ اَرْضِهِ بِذَالِكَ
الْمَالِ الَّذِیْ فِيْهِ الْفَضْلُ الَّذِیْ اَخَذَ مِنَّا شِرَاءً اَوْ قَدْ بَاعَ وَ قَبَضَ الثَّمَنَ مِنْهُ،
فَنَعِدُهُ اِنْ هُوَ جَاءَ بِالْمَالِ اِلٰى وَقْتٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ اَنْ نَرُدَّ عَلَيْهِ الشِّرَاءَ،
فَاِنْ جَاءَ الْوَقْتُ وَ لَمْ يَاْتِنَا بِالدَّرَاهِمِ فَهُوَ لَنَا فَمَا تَرٰى فِیْ ذَالِكَ الشِّرَاءِ،
فَقَالَ: اَرٰى اَنَّهُ لَكَ اِنْ لَمْ يَفْعَلْ وَاِنْ جَاءَ بِالْمَالِ لِلْوَقْتِ فَرُدَّهُ عَلَيْهِ.

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص ۳۵۵، حدیث۱

سعید بن یسار نقل کرتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: ہم عراقیوں اور دیگر افراد کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور ان کے ساتھ لین دین کرتے ہیں اور بیع مرابحہ کرتے ہوئے دس درہم میں خریدی ہوئی چیز کو بارہ یا تیرہ درہم میں انہیں ایک سال یا اس سے کم یا زیادہ کی مہلت پر دوبارہ فروخت کرتے ہیں۔ خریدار ہم سے زیادہ قیمت پر خریدی ہوئی چیزوں کے بدلے اپنے مکان یا زمینوں کی فروخت اور قیمت کی وصولی کی تحریر ہمیں دیتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے ساتھ یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ اگر وقت سے پہلے انہوں نے رقم ادا کر دی تو ان کی چیزیں واپس کر دیں گے؛ اور اگر مقررہ وقت پر انہوں نے رقم ادا نہ کی تو زمین یا مکان ہماری ملکیت ہوں گے۔ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر انہوں نے وقت پر پیسے نہیں دیے تو زمین اور مکان تمہارا، اور اگر انہوں نے وقت پر رقم ادا کر دیا تو ان کی چیزیں انہی کی ہونگی۔ (۱)

ج:) معاویہ بن میسرہ کی روایت:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ مَيْسَرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا الْجَارُوْدِ يَسْأَلُ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ رَجُلٍ بَاعَ دَارًا لَهُ مِنْ رَجُلٍ وَكَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الرَّجُلِ الَّذِيْ اشْتَرٰى مِنْهُ الدَّارَ حَاصِرٌ، فَشَرَطَ اِنَّكَ اِنْ اَتَيْتَنِيْ بِمَالِيْ مَا بَيْنَ ثَلَاثِ سِنِيْنَ فَالدَّارُ دَارُكَ، فَاَتَاهُ بِمَالِهِ، قَالَ لَهُ شَرْطُهُ. قَالَ لَهُ اَبُو الْجَارُوْدِ: فَاِنَّ ذَالِكَ الرَّجُلَ قَدْ اَصَابَ فِيْ ذَالِكَ الْمَالِ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ. قَالَ: هُوَ مَالُهُ وَقَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَرَاَيْتَ لَوْ اَنَّ الدَّارَ احْتَرَقَتْ مِنْ مَالِ مَنْ كَانَتْ تَكُوْنُ الدَّارُ دَارَ الْمُشْتَرِيْ.

ابو جارود نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنا مکان فروخت کیا اور خریدار نے اس کی یہ شرط قبول کی کہ تین سال کے اندر اس کی رقم لوٹانے کی صورت میں وہ اس کا مکان واپس کر دے گا، چنانچہ اس نے اس کی رقم معینہ مدت میں لوٹا دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہ اپنا مکان لے سکتا ہے۔

ابو جارود نے کہا: اس شخص نے تین سال تک اس مکان کو استعمال کیا ہے۔ امام نے فرمایا: مکان اسی کا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اس دوران اگر اس گھر کو آگ لگ جاتی تو کون ذمہ دار ہوتا؟ خریدار، کیونکہ اس وقت مکان، خریدار کا تھا۔ (۲)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۵۳، حدیث۱

(۲) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۳۵۵، حدیث۳

د:) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول دعائم الاسلام کی روایت:

اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ بَاعَ دَارَہٗ عَلیٰ شَرْطٍ اَنَّہٗ اِنْ جَاءَ بِثَمَنِھَا اِلیٰ سَنَۃٍ اَنْ یَرُدَّ عَلَیْہِ ۔

قَالَ: لَا بَاْسَ بِھٰذَا، وَھُوَ عَلیٰ شَرْطِہٖ ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو خریدار کو اپنا مکان اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ اس کی رقم ایک سال کے اندر لوٹانے کی صورت میں خریدار مکان اسے واپس کرے گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، اسے اپنی شرط پر عمل کرنا چاہئے۔ (۱)

مذکورہ دلیلوں کی روشنی میں خود بیع شرط کے صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے، البتہ سود سے بچنے کے لئے اسے وسیلہ بنانے کی صورت میں بیع شرط سود کے حکم میں ہے اور باطل ہے۔

تیسری صورت : بیع محابات

بیع محابات کے متعلق ہم پہلے تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں لہٰذا اسے تکرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چوتھی صورت : نوٹوں کی خرید وفروخت

قرض کے سود سے بچنے کے حیلوں میں سے ایک نوٹوں کی خرید وفروخت ہے مثلاً ایک شخص کسی سے ایک لاکھ روپیہ ایک سال کے لئے بطور نسیہ ایک لاکھ بیس ہزار میں خرید لیتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ قرض نہیں بلکہ پیسوں کا لین دین ہے۔

ایسے حیلوں پر کئی پہلوؤں سے اعتراضات ہوتے ہیں:

۱۔ معاملی سود میں پڑنے کے اعتبار سے

درہم اور دینار کے لین دین میں کسی ایک کا زیادہ ہونا معاملی سود کا باعث بنتا ہے، چنانچہ باب ((صرف)) میں بیان ہو چکا ہے کہ سونے کو سونے اور چاندی کو چاندی کے عوض معاملہ کرتے وقت وزن برابر ہونا، معاملہ نقد کی صورت میں ہونا اور مجلس عقد میں مال اور قیمت کا تحویل میں لینا ضروری ہے۔

نقد معاملات میں درہم ودینار کی جگہ نوٹوں (Currency Notes) کے لینے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے

---

(۱) المستدرک، باب ۶ حدیث ۱

کہ جو حکم سونے اور چاندی کے سکوں کا ہے وہی نوٹوں (Currency Notes) کا بھی ہے یا نہیں؟

اگر ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ نوٹ (Currency Notes) اور سونے اور چاندی کے سکے ایک جیسے ہیں تو نوٹوں (Currency Notes) کو نوٹوں کے ساتھ معاملہ کرنے کی صورت میں صرف نقد معاملات میں بطور مساوی معاملہ کرنا جائز ہے، جبکہ نقد معاملات میں ایک طرف کے اضافہ کے ساتھ یا نسیہ معاملہ کرنا (مساوی ہو یا نہ ہو) جائز نہیں ہے۔

نوٹوں کی مالیت (Value of Currency) اس بحث کا اصل سبب ہے۔ نوٹوں کی مالیت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ا۔ کاغذی نوٹوں کی مالیت ہنڈی اور بینک ڈرافٹ کی طرح فرضی اور کسی اور چیز کا قائم مقام ہے ۔اس صورت میں یہ نوٹ سونے اور چاندی کی علامت ہے۔ یعنی سونے اور چاندی کے سکوں کے ذریعے لین دین میں ہونے والی مشکلات کے پیش نظر بعنوان حوالہ ان سے مدد لی جاتی ہے۔ جن کے پاس یہ نوٹ ہیں وہ اس کی مالیت کے برابر مرکزی بینک (State Bank) میں رکھے ہوئے سونے اور چاندی کا مالک ہوتا ہے۔ کاغذی نوٹوں کو حوالہ فرض کرنے کی صورت میں دینار و درہم کے معاملات کے احکام، مثلاً: ایک طرف اضافہ کے ساتھ لین دین کا جائز نہ ہونا وغیرہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ کاغذی نوٹوں کی مالیت (سونے اور چاندی کا نعم البدل ہو یا نہ) کی حیثیت، صرف حکومت کی ضمانت (Guarantee) کی وجہ سے قائم ہے۔ اس صورت میں ہر نوٹ سونے اور چاندی کا قائم مقام نہیں چنانچہ سونے اور چاندی کے احکام کی رعایت کرنا بھی لازمی نہیں ہے۔ بنابریں کاغذی نوٹ بھی دوسرے معدودات کی طرح ہیں اور قول مشہور کے مطابق معدودات میں سود نہیں ہے لہٰذا ان نوٹوں کو ایک دوسرے کے عوض اضافہ کے ساتھ معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہاں صورت دوم صحیح ہے کیونکہ موجودہ دور میں کاغذی نوٹ سونے اور چاندی کا قائم مقام اور حوالہ کے حکم میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مالیت حکومت کی جانب سے مقرر کردہ ہے۔ چنانچہ ایک جانب اضافہ کے ساتھ کاغذی نوٹوں کا معاملہ کرنا جائز ہے۔

۲۔ معاملہ کا عرفی ہونا

کیا کوئی ایک ہزار روپے کو گیارہ سو کے عوض خرید و فروخت کر سکتا ہے؟ لوگ عام طور پر نقد معاملات میں بڑے نوٹوں کو چھوٹے اور پرانے نوٹوں کو نئے نوٹ کے ساتھ تبدیل کرتے وقت اصل قیمت سے کچھ زیادہ دے کر خرید لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرف عام میں تجارتی بنیاد پر کاغذ کے نوٹوں کو زیادہ قیمت پر

خریدنے یا پھر ان کے نسیہ معاملہ کا کوئی رجحان نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے اس معاملے کے صحیح ہونے پر اشکال ہوتا ہے۔ البتہ یہ ذہن میں رہے کہ کاغذ کے نوٹوں کے لین دین میں عام لوگوں کی غرض ان کی قیمت (Value) نہیں بلکہ اسی قسم کے دوسرے نوٹ ہوتے ہیں۔

۳۔ یہ حرمت سود کی حکمت کے ساتھ منافی ہے۔

بعض فقہاء کے مطابق کاغذی نوٹوں کا اضافہ کے ساتھ نقد یا نسیہ معاملہ کرنا سود سے بچنے کا حیلہ ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی کو دس لاکھ روپے قرض دیتا ہے اس کے ساتھ مقروض کو ایک ہزار کا نوٹ ایک لاکھ میں فروخت کرتا ہے یا پھر دس لاکھ روپے کو گیارہ لاکھ میں بطور نسیہ ایک سال کی مدت پر فروخت کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ شخص دس لاکھ پر دس فیصد سود وصول کرتا ہے۔

چنانچہ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس قسم کے حیلے (جو کہ قرض پر سود حاصل کرنے کا آسان طریقہ ہے) رواج پانے کی صورت میں سود خور نوٹوں کو قرضہ دینے کے بجائے زیادہ قیمت پر بطور نسیہ فروخت کرنے کو ترجیح دیں گے۔

حضرت امام خمینیؒ جیسے فقہاء، جو سود سے فرار کے ہر حیلے کو حرام اور باطل سمجھتے ہیں، سود سے فرار کے لئے انجام دینے والے نوٹوں کے نقد و نسیہ معاملات کو بھی حرام اور باطل سمجھتے ہیں۔(۱)

حضرت امام خمینیؒ نوٹوں کے اصل معاملہ کو جائز سمجھتے ہیں، مگر سود سے فرار کے لئے انجام پانے والے لین دین حتی کہ اگر ضمیمہ کے ساتھ ہو تب بھی باطل سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جب آپ سے پوچھا گیا کہ ایک ہزار (تومان) روپے اور تیس پیسے (ریال) کی چائے کی ایک پیکٹ کو ایک سال کے لئے ۱۳۰۰ روپے میں فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کہ یہ معاملہ باطل ہے۔(۲)

پانچویں صورت: زر مبادلہ کی خرید وفروخت

ایک کویتی دینار کی قیمت اگر ۱۴۰ روپے پاکستانی ہو اور مالک ۲۸ ہزار روپے بطور نسیہ ۲۲۰ کویتی دینار کے عوض معاملہ کرے، جبکہ مارکیٹ میں اس کی قیمت ۲۰۰ دینار ہو تو مالک کو ۲۲۰ کویتی دینار یا ۳۰۸۰۰ پاکستانی روپے حاصل ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں ۲۰۸۰۰ روپے قرض دینے اور ۳۰۸۰۰ روپے وصول

---

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۵۳۹؛ استفتاءات امام خمینیؒ، جلد ۲، ص ۱۳۸

(۲) استفتاءات امام خمینیؒ، جلد ۲، ص ۱۳۸

کرنے کے بجائے، زرمبادلہ کے لین دین کے ذریعے یہی رقم حاصل کرسکتا ہے۔

شہید صدر،" زرمبادلہ کے لین دین پر اشکال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عرف عام طور پر پیسوں کی خصوصیات کے بجائے ان کی مالیت کو مدنظر رکھتا ہے۔ لہٰذا زرمبادلہ کا نسیہ لین دین عرف کی نظر میں بیع نہیں بلکہ قرض شمار ہوتا ہے۔(۱)

شہید صدر کا اشکال صحیح نہیں، کیونکہ پہلے بیان ہوا کہ زرمبادلہ کا ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ تو کجا حتی دینار کا دینار کے ساتھ تبادلہ بھی قرض نہیں بلکہ بیع شمار ہوتا ہے۔ بلکہ عرف مختلف ممالک کی (Currencies) کو ایک جیسا ہرگز نہیں سمجھتا۔

بنابرایں، مختلف کرنسیوں (Currencies) کو ایک جانب اضافہ کے ساتھ لین دین کرنے میں نہ تو صَرف (سونا چاندی) کے احکام جاری ہوتے ہیں اور نہ نسیہ کے طور پر فروخت کرنے میں کوئی اشکال ہے۔ البتہ زرمبادلہ کا لین دین سود سے فرار کے لئے حیلہ کے طور پر انجام دینا سود اور حرام ہے۔

چھٹی صورت: جگہ کی تبدیلی کے عوض زیادہ وصول کرنا

فرض کرتے ہیں کہ ایک ایرانی تاجر تجارت کی غرض سے عراق جاتا ہے اور اپنے کسی ایرانی بینک میں قرض کے لئے درخواست دیتا ہے، یہ بینک عراق میں موجود اپنے ایجنٹ (Agent) کے ذریعے اسے رقم پہنچاتا ہے۔ قرض میں چونکہ جہاں سے قرضہ لیا ہے وہیں اس کی ادائیگی کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا بینک کو عراق ہی میں قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے، مگر مقروض سرمایہ سمیت اپنے ملک ایران واپس لوٹ آتا ہے۔ اس صورت میں کیا بینک اپنے حق (عراق میں ادائیگی) سے چشم پوشی کے عوض اس سے کچھ رقم زیادہ لے کر ایران میں ادائیگی کے لئے کہہ سکتا ہے؟ بعض فقہاء کے مطابق بینک کو جگہ کی تبدیلی کے عوض زیادہ وصول کرنے کا حق ہے۔ (۲)

کسی اور شہر میں اسی کے برابر یا اس سے کم تر کی ادائیگی کے لئے بینک کو پیسے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (توضیح المسائل میں یہ مسئلہ ((صَرف برائت)) کے نام سے عنوان کیا گیا ہے) حتی اگر بینک قرض کے عنوان سے پیسہ لے کر تیسرے شخص کو اس سے کم ادا کرے تو صحیح ہے کیونکہ قرض کی اصل رقم سے کم ادا کرنا جائز ہے اور فقہاء اس کام کی اجازت دیتے ہیں۔ (۳)

---

(۱) البنک اللاربوی فی الاسلام، ص ۱۷۷ اور ۱۷۸

(۲) البنک اللاربوی فی الاسلام، ص ۲۳۶ (۳) توضیح المسائل، ص ۴۸۳

ساتویں صورت: قرضہ دینے کے عوض زیادہ لینا

قرض لینے والا قرار داد کی صورت میں اگر یہ کہے کہ: جو شخص دس لاکھ روپے مجھے ایک سال کے لئے بطور قرضہ دیگا، میں اسے ایک لاکھ روپے انعام دوں گا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اس صورت میں ضرورت مند سودی قرضہ لینے اور سود ادا کرنے کے بجائے جعالہ کرتے ہوئے قرضہ دینے کے عوض کچھ رقم ''جعل'' یعنی انعام کے عنوان سے دیتا ہے۔ یہ قرضہ دینے والے کے لئے قرض دے کر انعام ''جعل'' حاصل کرنے کے لئے تشویق کا باعث بنتا ہے۔

اس حیلہ میں قرض کے ذریعے نہیں بلکہ جعالہ کی وجہ سے اضافی رقم کا مستحق قرار پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جعالہ باطل ہونے کی صورت میں قرض صحیح ہونے کے باوجود قرضہ دینے والے کو اضافی رقم (انعام) نہیں ملے گا۔ مثلاً ایک شخص یہ اعلان کرتا ہے کہ جو بھی میرے مکان کو فروخت کرے گا اسے اتنی رقم (انعام) ملے گا۔ اس رقم (انعام) کو مکان فروخت کرنے والا خرید وفروخت کے عقد کے ساتھ وصول نہیں کرتا بلکہ معاملہ کر چکنے کے بعد جعالہ کی قرارداد کے تحت وصول کرتا ہے۔

شہید صدر اس حیلہ پر اشکال کرتے ہیں کہ: اس قسم کا جعالہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جعالہ میں جاعل ایک خاص رقم کے عوض مخصوص کام انجام دینے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ عرف کی نظر میں وہ کام اجرت کے قابل ہونا چاہئے تاکہ اسے انجام دینے کے حکم کے ذریعے ضمان کا موجب بن سکے اور اگر وہ کام قابل اجرت نہیں ہے تو موجب ضمان نہیں اور اگر موجب ضمان نہیں ہے تو اس کا جعالہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس بنیاد پر قرض پر بھی جعالہ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ عقلاء کی نظر میں صرف ''قرض دینے کا عمل'' مالیت نہیں رکھتا ہے اور چونکہ قرض کے مال کے بارے میں عقد قرض میں ضمانت ثابت ہو چکی ہے، قرض دینے کے عمل کے لئے عقلاء کی نظر میں الگ سے ضمانت کی ضرورت نہیں ہے اس کے علاوہ عقلاء کی نظر میں ایک چیز کے لئے ایک جہت سے دو ضمانتیں نہیں ہو سکتی ہیں۔ جعالہ صرف اس صورت میں صحیح ہے جہاں اس کام کی ضمانت کے لئے دلیل موجود ہو جبکہ یہاں قرض دینے کے عمل پر ضمانت کی دلیل دلالت نہیں کرتی ہے پس یہاں جعالہ صحیح نہیں ہے۔(۱)

مذکورہ صورت میں یہ بات واضح ہے کہ قرض دینے کا عمل مستقل طور پر مالیت نہیں رکھتا ہے، لہٰذا اس قسم کا کام سوائے سودخوری پر پردہ ڈالنے کے اور کچھ نہیں ہے چنانچہ جعالہ باطل جبکہ قرض صحیح ہے اور قرض دینے والا کسی بھی قسم کے اضافہ (انعام) کا مستحق نہیں ہے۔

---

(۱) البنک اللاربوی فی الاسلام، ص ۱۶۳-۱۶۸

آٹھویں صورت: اضافی مال کو ادائیگی کے حکم کا عوض قرار دینا

مثال کے طور پر زید پر عمر کا قرضہ واجب الادا ہے اور وہ اسے لوٹانے کے لئے سود پر قرضہ لینے کے بجائے اپنی جانب سے عمر کا قرضہ ادا کرنے کے لئے بینک سے کہتا ہے۔اس کے بعد زید عمر کی طرف سے بری الذمہ ہوتا ہے مگر بینک کا مقروض بنتا ہے۔البتہ زید کی جانب سے بینک کو ادائیگی کی وجہ سود پر قرضہ لینا نہیں بلکہ اس کا بینک کی رقم کا ضامن ہونا ہے۔کیونکہ بینک نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کا قرضہ ادا کر کے اپنا پیسہ خرچ کیا ہے لہٰذا وہ بینک کے تلف شدہ اموال کا ضامن ہے۔

بعض فقہاء کے مطابق بینک نے چونکہ براہ راست عمر کو پیسے دیئے ہیں اس لئے کسی قسم کے قرض کا لین دین نہیں ہوا ہے، بلکہ وہ پیسہ خرچ کرنے کا حکم دینے کی وجہ سے بینک کے پیسوں کا ضامن بنا ہے۔

بنابرایں ،زید اگر بینک کو (Payment) کرنے کا حکم دینے سے پہلے اس کے اس کام کے عوض کچھ اضافی رقم دینے کا وعدہ کرے اور بعد میں قرض کی رقم سے زیادہ ادا کرے تو صحیح ہے۔کیونکہ یہ معاملہ دراصل سودی قرض شمار نہیں ہوتا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بینکوں کا کام اعتبارات (Credit) کے ساتھ مربوط ہے۔بیرونی ممالک سے سامان برآمد(Import)اور بیرونی ممالک درآمد(Export) کرنے والے تاجر اور کمپنیاں ،بیرون ملک پارٹی سے ایک چیز کا معاملہ طے کرنے اور ایگریمنٹ (Agreement) کر لینے کے بعد عام طور پر کسی بینک میں ایل سی (Lettre of Credit) کھلوانے کے لئے درخواست دیتے ہیں۔

بینک اس تاجر یا کمپنی سے رقم کا ایک حصہ وصول کرنے کے بعد ایگریمنٹ کے تحت بیرون ملک پارٹی کو اس کی پوری قیمت ادا کرنے اور اس چیز کو اس کے مالک کے حوالے کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔اس کام کے عوض بینک تاجر یا کمپنی سے اجرت(Service Charges)وصول کرتا ہے اس کے علاوہ ایک مدت کے لئے تاجر یا کمپنی کی جانب سے رقم ادا کرنے اور اس کے ملنے تک صبر کرنے کے عوض فی صد(Percentage) کے حساب سے منافع لیتا ہے۔کیا بینکوں کا اس طرح سے اجرت اور فی صد کے حساب سے منافع لینا جائز ہے؟

آیۃ اللہ العظمیٰ خوئیؒ برآمد اور درآمد کے لئے بینکوں میں ایل سی کھلوانے کے بارے میں فرماتے ہیں: بینکوں کا مذکورہ امور کی انجام دہی کے لئے ایل سی (Lettre of Credit) کھلوانے والوں سے اجرت لینا جائز ہے۔فقہی اعتبار سے اس کی دو جہت سے تفسیر و توجیہ ممکن ہے۔

۱۔ اجارہ: یہ کام اجارہ شمار ہوتا ہے ،یعنی کمپنی یا تاجر وغیرہ معینہ اجرت کے عوض ان امورکو انجام دینے کے لئے بینک کو اجیر بناتے ہیں۔

۲۔ جعالہ: یہ کام جعالہ کے زمرے میں آتا ہے۔اصل زر سے زیادہ کو بیع کی صورت میں بھی لیا جاسکتا ہے ۔بینک چونکہ غیر ملکی زرمبادلہ (Forign Currency) میں اس چیز کی قیمت ادا کرتا ہے، یہاں وہ غیرملکی زرمبادلہ کو مقامی کرنسی میں تبدیل اور بشمول منافع حساب کرے پھر اس کمپنی یا تاجر کو (مقامی کرنسی میں) فروخت کرنے اور آخر میں اپنی رقم وصول کرے۔اس مورد میں ثمن اور مثمن (جنس اور اس کے عوض) کا تعلق ایک جنس سے نہیں اس لئے یہ معاملہ صحیح ہے۔

بینک کو اگر ایک مدت تک اس چیز کی مد میں اداشدہ رقم نہ ملے تو اس مدت کے عوض زیادہ وصول کرسکتا ہے؟ ظاہراً یہ جائز ہے۔کیونکہ اس تاجر یا کمپنی کو بینک نے بعنوان قرض پیسے نہیں دیئے بلکہ اس کی درخواست اور حکم کے تحت رقم ادا کی ہے۔چنانچہ نقصان کی ضمانت قرض کی وجہ سے نہیں بلکہ قاعدہ اتلاف کے توسط سے آئی ہے۔

ہاں اگر بینک اصل زر سے زیادہ لوٹانے کی شرط پر اسے قرضہ دے پھر اس کی جانب سے وکیل بن کر قرضے کی رقم کسی تیسرے فرد کو دیتا ہے تو اس وقت زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔مگر یہ کہ زیادہ کو کام کی اجرت یا جعالہ کی صورت میں وصول کرے۔(۱)

امام خمینیؒ اصل زر سے زیادہ لینے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔آپ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ: بینک اپنی خدمات (Services)، رقم کی ادائیگی، سامان ارسال کرنے اور منگوانے کے عوض جو چارجز لیتا ہے وہ صحیح ہے۔مگر ادائیگی میں تاخیر اور منافع کے عنوان سے اصل زر سے زیادہ لینا- بینک کی جانب سے بیرون ملک ادائیگی کے قرض شمار ہونے، یا پھر مقروض شمار ہونے کے ساتھ ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں بینک کے ان سے اصل زر سے زیادہ وصول کرنے کی صورت میں- جائز نہیں ہے۔(۲)

یہاں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اصل زر سے زیادہ لینا امام خمینی کی نظر میں قرض اور جعالہ دونوں صورتوں میں حرام ہے۔جبکہ آیت اللہ خوئی صرف قرض میں زیادہ لینے کو حرام سمجھتے ہیں۔

---

(۱) منہاج الصالحین، جلد ۱، ص ۴۰۸

(۲) تحریر الوسیلہ، جلد ۲، ص ۶۱۷، مسئلہ ۸

فقہ اہلسنت میں سود سے بچنے کے حیلے

اہلسنت کے فقہاء سودی لین دین کی حرمت کے بارے میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوئے سود کے مختلف حیلوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ابن قدامہ، جن کا تعلق حنبلی مذہب کے فقہاء میں سے ہیں،سود کے حیلوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ:"سود کے تمام حیلے حرام ہیں۔شریعت کے امور میں ان میں سے کسی سے کام لینا جائز نہیں ہے۔ان حیلوں سے کام لینے کا مقصد ظاہری طور پر مباح عقد (معاملہ) کے ذریعے (حقیقت میں) حرام (سود) کھانا،دھوکہ دہی کے ذریعے حرام کو حلال کرنا،کسی واجب کام کو ترک کرنا یا پھر کسی کے حق کو ضائع کرنا ہے۔"

اس کے بعد وہ سود کے مختلف حیلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو ان کے بقول سب حرام ہیں،مثلاً:

۱۔ ایک شخص کے پاس سونے کے دس سالم سکے ہیں جبکہ دوسرے کے پاس پندرہ ٹوٹے ہوئے سکے ہیں۔ان میں سے ہر کوئی ایک دوسرے کے سکے بطور قرض لیتا ہے پھر دونوں اپنے مطالبہ سے دست بردار ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنا قرضہ معاف کرتے ہیں،اس طرح وہ دس سکوں کو پندرہ سکوں کے عوض خرید وفروخت کرتے ہیں۔

۲۔ سونے کے دس سالم سکوں کے عوض پندرہ ٹوٹے ہوئے سکے خرید کر پانچ ٹوٹے ہوئے سکے اس کے مالک کو بخش دیئے جائیں۔

۳۔ دس سالم سکے دے کر پندرہ ٹوٹے ہوئے سکے خریدے پھر ٹوٹے ہوئے سکوں کے مالک سے پانچ ٹوٹے ہوئے سکوں کے عوض ان کی قیمت سے کہیں کم کی کوئی چیز خرید لے۔

۴۔ دس سکوں سے گندم کے دانہ کے برابر سونا منہا کر کے باقی کو اس کی مقدار کے برابر سالم سکوں سے خرید وفروخت کرے۔اس کے بعد منہا شدہ (گندم کے دانے کے برابر) سونے سے پانچ دینار مالیت کا کپڑا خریدے۔

۵۔ کسی کو قرضہ دینے کے بعد ایک چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ پر مقروض کو فروخت کیا جائے یا پھر مقروض سے کوئی چیز اس کی اصلی قیمت سے کم پر خریدتے (بیع محابات کرتے) ہوئے اس کے ذیل میں اپنے قرض کا منافع وصول کرے۔

پہلی چار مثالیں معاملی سود کے حیلوں کی ہیں جبکہ پانچویں مثال سودی قرض کے حیلے کی ہے۔

اس کے بعد ابن قدامہ کہتے ہیں:"یہ تمام حیلے حرام اور باطل ہیں۔امام مالک کا بھی یہی نظریہ ہے۔مگر شافعی اور ابو حنیفہ قرض کے عقد میں اس کی شرط نہ کرنے کی صورت میں ان حیلوں کو جائز سمجھتے

ہیں۔ جبکہ ہماری نظر میں یہ کام حرام ہے۔

ان حیلوں کے حرام ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ابن قدامہ تین دلائل پیش کرتے ہیں:

الف:) خدانے بنی اسرائیل کو حیلہ کرتے ہوئے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنے کے جرم میں بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا اور انہیں حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے قرار دیا تا کہ دوسرے ان سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اس حرام کام سے اجتناب برتیں۔

ب:) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ اَدْخَلَ فَرَساً بَیْنَ فَرَسَیْنِ وَ هُوَ لَا یَاْمَنُ اَنْ یَسْبِقَ فَلَا بَاْسَ وَمَنْ اَدْخَلَ فَرَساً بَیْنَ فَرَسَیْنِ وَهُوَ آمِنٌ اَنْ یَسْبِقَ فَهُوَ قِمَارٌ.

جیتنے کی توقع رکھے بغیر اپنے گھوڑے کو دو گھوڑوں کے گھڑ دوڑ میں شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ جیتنے کی امید اور یقین کے ساتھ اپنے گھوڑے کو گھڑ دوڑ میں شامل کرنا قمار (جوا) ہے۔(۱)

ج:) خداوند عالم نے محرمات کو اس کے شر اور مفسدہ کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔ جوکہ اگرچہ حرام کے عنوان کے ساتھ ذکر نہیں ہوتا مگر اسکی حقیقت باقی رہتی ہے۔ اور جس طرح سے شراب کا نام تبدیل کرنے سے شراب حلال نہیں ہوسکتی اسی طرح سود کا عنوان تبدیل کرنے سے سود حلال نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: 'میری امت میں سے ایک گروہ شراب کا نام بدل کر حلال قرار دیگا۔ (۲)

اہلسنت کے درمیان معروف حیلے

ا۔ بیع العینہ:

اس معاملہ کی جسے (بیع آجال) بھی کہتے ہیں۔ (۳)

متعدد قسمیں ہیں۔ ان میں جو سود کے حیلہ کے زمرے میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک چیز کو ہزار روپے میں فروخت کرنے کے بعد نقد کی صورت میں دوبارہ اس سے خرید لیا جائے اور نوسو روپے ایک مدت کے لئے قرضہ شمار کر کے ایک ہزار روپے وصول کرنا (سود کے اعتبار سے) ایک جیسا ہے۔ اس مثال میں بھی بطور نسیہ خرید وفروخت کے ذریعے قرضی سود حاصل ہوتا ہے یعنی حلال کام کے ذریعے حرام انجام پاتا ہے۔ (۴)

---

(۱) سنن ابو داود، کتاب الجہاد، باب ۶۳

(۲) المغنی والشرح الکبیر، جلد ۴، ص ۱۷۹ و ۱۸۰

(۳) بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، ابن رشد، جلد ۲، ص ۱۵۴

(۴) الجامع فی اصول الربا، ص ۱۷۲

بیع عینہ کے جن موارد میں طرفین کا اصلی مقصد سودی قرض ہوتا ہے، شافعی کے علاوہ اہلسنت کے تمام فقہاء انہیں حرام سمجھتے ہیں۔ شافعی کہتے ہیں جس طرح ایک چیز کو کسی سے خریدنے کے بعد کسی دوسرے کو فروخت کرنا جائز ہے اسی طرح جس سے خریدی گئی ہے اسی کو دوبارہ فروخت کرنا بھی جائز ہے۔(۱)

شافعی فقہاء کے مطابق یکے بعد دیگرے دو معاملوں کا انجام پانا طرفین کے سودی قرضہ کے قصد پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ (۲)

اہلسنت کے فقہاء، بیع عینہ کی حرمت پر درج ذیل دلیلیں پیش کرتے ہیں:

الف:) ابقع بن شرجیل کی بیٹی نقل کرتی ہے کہ: ایک مرتبہ زید بن ارقم کی بیٹی اور لونڈی کے ساتھ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو زید کی لونڈی نے کہا: میں نے ایک غلام زید بن ارقم کو (اموال کی) تقسیم تک آٹھ سو درہم میں بیچا اس کے بعد اسی غلام کو چھ سو درہم نقد میں خرید لیا۔

حضرت عائشہ نے کہا: تم کتنا برا معاملہ کر چکی ہو، زید سے کہو کہ تم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم رکاب ہو کر جہاد کرنے کے ثواب سے ہاتھ دھو چکے ہو، مگر یہ کہ اس سے توبہ کی جائے۔ (۳)

اس روایت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اگرچہ کوئی جملہ نقل نہیں ہوا ہے مگر حضرت عائشہ کا یہ کہنا کہ زید کا یہ کام جہاد کے ثواب کو زائل کرنے کا موجب ہے، اہلسنت کے فقہاء کی نظر میں حضرت عائشہ کا اسے حرام قرار دینا، اس کی حرمت پر نص کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ یہی نص یا حرمت سود کی حدیث بیع عینہ کو بھی شامل ہے یا پھر حضرت عائشہ نے بیع عینہ کے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث کی روشنی میں اسے حرام قرار دیا ہے۔ (۴)

بعض فقہاء کہتے ہیں: شافعی کی نظر میں حضرت عائشہ کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جب بھی دو صحابیوں کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا، انہوں نے قیاس کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ (۵)

---

(۱) المغنی والشرح الکبیر، جلد۴، ص۳۵و۲۵۶

(۲) الجامع فی اصول الربا، ص۱۷۲

(۳) نیل الاوطار، ج ۵، ص۳۳۳؛ المغنی والشرح الکبیر، ج ۴، ص۳۵و۲۵۶

(۴) نیل الاوطار، جلد۵، ص۳۳۳

(۵) بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، جلد۲، ص۱۵۳

ب:) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ:

إِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَتَبَايَعُوا بِالْعِينَةِ وَاتَّبَعُوا أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَ تَرَكُوا الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بَلَاءً فَلَا يَرْفَعُهُ حَتّٰى يُرَاجِعُوا دِينَهُمْ.

جب لوگ درہم ودینار کے خرچ کرنے میں بخل سے کام لیں گے اور ان کے درمیان بیع عینہ رواج پائے گی اور وہ کھیتی باڑی کے کاموں میں مصروف ہوکر جہاد کو ترک کریں گے تو خدا ان پر ایسا عذاب نازل فرمائے گا جس سے دین کی طرف پلٹ آنے تک اپنی جان نہیں چھڑا سکیں گے۔

یہی حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی نقل ہوئی ہے۔(۱)

ج:) بیع عینہ سود کا ذریعہ ہے۔ جسے انجام دینے والا ہزار روپے کے عوض پانچ سو روپے کے معاملہ کو مباح کرتا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں: میں اس معاملہ کو جس میں ریشم کے کپڑے کا لین دین بھی شامل ہو، سو روپے کو پچاس روپے کے بدلے انجام دیے جانے والا معاملہ جیسا سمجھتا ہوں۔(۲)

ان فقہاء کی نظر میں اصل مال سے زیادہ وصول کرنے کی نیت کے ساتھ بیع عینہ کرنا حرام ہے۔ البتہ اگر لین دین بغیر سود کے انجام پائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ چنانچہ یہ فقہاء بیع عینہ کی درج ذیل صورتوں کو جائز سمجھتے ہیں:

۱۔ دوسرے معاملہ میں اس چیز کو اسی قیمت پر یا اس سے زیادہ پر فروخت کرنا۔

۲۔ اس چیز میں تبدیلی (Changes) لائے، مثلاً کپڑے کو اس طرح سے ٹکڑے کردیا جائے کہ اس کی قیمت گرجائے پھر اسے کم قیمت پر فروخت کرے۔

۳۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ بطور نسیہ معاملہ کرے پھر اسے سکہ کے عوض خرید لے یا اس کے برعکس عمل کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ جنس اور نقد پیسوں کے لین دین میں سود نہیں ہوتا ہے۔

۴۔ سکے اگر مختلف ہوں، مثلاً ایک چیز کو دو سو درہم میں بطور نسیہ فروخت کرنے کے بعد اسی کو دس دینار میں بطور نقد خرید لے تو کوئی اشکال نہیں۔

چونکہ یہاں جنس مختلف ہے اس لئے حنبلی فقہاء اسے جائز سمجھتے ہیں، مگر ابو حنیفہ، اس دلیل کی بناء پر کہ دونوں سکے ((ثمن)) ہیں، اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ ابن قدامہ بھی ابو حنیفہ کی دلیل کو قبول کرتا ہے۔(۳)

---

(۱) سنن ابوداود، کتاب البیوع، باب ۵۴؛ نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۳۳

(۲) المغنی والشرح الکبیر، جلد ۴، ص ۴۵ و ۲۵۷

(۳) المغنی والشرح الکبیر، جلد ۴، ص ۴۵ و ۲۵۷

۲۔ تورّق

ایک چیز کو بطور نسیہ خرید کر اسے فروخت کرنے والے کو کم قیمت پر بطور نقد فروخت کرنا بیع عینہ کہلاتا ہے، لیکن اگر اسی چیز کو کسی تیسرے فرد کے ہاتھوں فروخت کیا جائے، تو اسے ((تورّق)) کہتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اگر تورّق کرنے والے کے بارے میں علم ہو، کہ وہ ضرورت کے پیش نظر یہ معاملہ کر رہا ہے اور اس حیلہ کے ذریعے اپنی مطلوبہ رقم حاصل کرنا چاہتا ہے تو تورق انجام دینے والے تینوں افراد گناہگار ہونگے۔ البتہ اگر مال کے مالک اور تیسرے شخص کو تورق کرنے والے کی نیت کا علم نہ ہو تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر کوئی مجبوری کے تحت تورق کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس پر گناہ نہیں بلکہ مجبوری کی صورت میں تورق کرنا سود پر قرضہ لینے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ تورق میں اس کی عزت پر کوئی آنچ نہیں آتی اس کے علاوہ دوسروں کی منت واحسان کے بوجھ تلے دبنے سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

اہلسنت کے بعض فقہاء تورق کو بیع عینہ کی ایک قسم قرار دیتے ہیں۔ (۱)

تورق میں تیسرا شخص اگر اس چیز کو اسی کے پہلے مالک کو فروخت کرے تو اسے ((محلل الربا)) کہتے ہیں جو کہ ((محلل النکاح)) جس کا حکم قرآن میں آیا ہے سے استعارہ ہے۔ (۲)

شیعہ فقہاء میں سے کسی نے بھی تورق پر اشکال نہیں کیا ہے۔اس کے علاوہ اس قسم کے معاملات کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

۳۔ بیع المعاملہ:

بیع المعاملہ کو بیع محابات بھی کہتے ہیں جس کی وضاحت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بیع المعاملہ میں قرض دینے والا انتہائی کم قیمت کی چیز کو مقروض کے ہاتھ مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔

بیع المعاملہ ((بیع وسلف)) کے مصادیق میں سے ایک مصداق ہے جس سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے، چنانچہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے اس حدیث کو نقل کیا ہے:

نَهَى رَسُولُ اللهِ عَنْ بَيْعٍ وَ سَلَفٍ .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع اور سلف کو ایک ساتھ انجام دینے سے منع فرمایا ہے۔

maablib.org

(۱) الجامع فی اصول الربا، ص ۱۷۳ اور ۱۷۵

(۲) سورہ بقرہ، آیات ۲۲۹ و ۲۳۰

جس طرح حرام سود سے بچنے کے لئے (سدّ ذرائع کے طور پر) بیع عینہ سے منع کیا ہے اسی طرح بیع وسلف سے بھی منع کیا ہے، کیونکہ کبھی معاملہ سلف کرنے والا (یعنی قرض دینے والا) بیع وسلف کے ذریعے قرضی سود حاصل کرتا ہے اسی طرح ((صرف وسلف)) یا ((اجارہ وسلف)) کے ذریعے حرام سود کا ارتکاب کرسکتا ہے جس کی اہلسنت کے فقہاء اجازت نہیں دیتے ہیں۔

خلافت عثمانیہ کے دوران بعض سنی فقہاء نے شرح منافع پانچ فیصد اور بعض نے پندرہ فیصد سے زیادہ نہ لینے کی شرط کے ساتھ اس حیلہ کو انجام دینے کی اجازت دی اور اس سے زیادہ لینے والوں کے لئے قید وغیرہ کی سزائیں مقرر کیں۔ وہ اس امر کو جائز امور میں سلطان کی اطاعت کے باب میں شمار کرتے تھے جبکہ ان میں سے بعض قرض اور بیع کے ایک ساتھ انجام پانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔(۱)

۴۔ بیع الوفاء

بیع الوفاء کا دوسرا نام بیع شرط ہے، جس کے بارے میں شیعہ فقہاء کے نقطہ نظر سے سود کے حیلوں کی بحث میں ہم وضاحت کرچکے ہیں۔ بعض تعبیرات کے مطابق اسے (بیع بشرط التراد) بھی کہتے ہیں۔ بیع الوفاء میں جسے نقد رقوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اپنی زمین یا مکان اس کی قیمت لوٹانے کی صورت میں دوبارہ خود کو واپس کرنے کی شرط پر فروخت کرتا ہے تاکہ زمین یا مکان دوبارہ اس کی ملکیت میں آجائے۔

بیع الوفاء اہلسنت کی فقہ میں عام بیع کا حکم رکھتی ہے اور بیع کے بعض احکام اس میں بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً قرارداد کے بعد مالک قیمت سے اور خریدار مال سے استفادہ کرسکتا ہے۔ بیع الوفاء میں ایک جہت سے رہن کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ بیع الوفاء حقیقت میں بیع رہن ہے، کیونکہ اس میں مدت ختم ہونے کے بعد جب مالک قیمت واپس کرے تو خریدار اس مال کو واپس کرنے کی شرط عائد کرتا ہے۔ ان دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ (بیع الوفاء کے برعکس) رہن میں مرتہن (گروی رکھنے والا) مال رہن سے استفادہ نہیں کرسکتا ہے۔ بیع الوفاء میں ((اقالہ)) کا معنی بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ جب قیمت کو واپس کرتا ہے، خریدار بھی مبیع (مال) کو واپس کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔

کتاب ((الاشباہ والنظائر)) میں ابن نجیم، حنفی فقہاء کا نظریہ بیان کرتا ہے کہ بیع الوفاء صحیح ہے، کیونکہ ایسے معاملات لوگوں کی ضرورت ہیں اور جو چیز لوگوں کے لئے حرج اور سختی کا باعث بنتی ہے خدا

---

(۱) الجامع فی اصول الربا، ص ۱۷۵ اور ۱۷۶

نے لوگوں کے لئے اس حکم میں آسانی رکھی ہے۔

اہلسنت کے بعض محققین ،حنفی علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حنفی فقہاء استحسان کے مطابق اور قیاس کے برخلاف بیع الوفاء کے جواز کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے درمیان استحسان اتنا عام ہوا ہے کہ اس قسم کے حیلوں ۔کے در کو بند کرتے ہیں جس کی وجہ سے "تخصیص اکثر" لازم آتا ہے ،یعنی حنفیوں کے ہاں اصل قاعدہ سے استثناء کے موارد زیادہ ہوتے ہیں۔(۱)

۵۔ بیع الاستغلال

بیع الاستغلال بھی بیع شرط جیسی ہے۔البتہ یہاں زمین یا مکان وغیرہ کو فروخت کرنے والا' قیمت لوٹانے کی صورت میں زمین یا مکان کو واپس کرنے کی شرط کے ساتھ مکان کو اُسے کرایہ پر دینے کی بھی شرط کرتا ہے۔

حنفی فقہاء جس طرح سے بیع الوفاء کو جائز سمجھتے ہیں اسی طرح سے از باب استحسان بیع الاستغلال کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

اس قسم کے عقد کو ((بیع الاستغلال)) کہا جاتا ہے، کیونکہ اس معاملہ میں خریدار مالک کو مکان کرایہ پر دے کر فائدہ اٹھاتا ہے۔(۲)

maablib.org

(۱) الجامع فی اصول الربا،ص ۱۷۷ و ۱۷۸

(۲) الجامع فی اصول الربا،ص ۱۷۷ و ۱۷۸

فصل دوم:

ربا کے استثناءات

سود سے بچنے کے حیلوں کا مقصد سود کے موضوع کو تبدیل کرنا ہوتا ہے اور حیلہ کے ذریعے ایک خاص مورد میں حرام سود کا موضوع بدل دینا ہے، جبکہ استثناءات کا مقصد خروج حکمی ہوتا ہے، جیسے شرعی دلیل نہ ہونے کی صورت میں عرف، باپ اور بیٹے یا دوسرے افراد کے درمیان انجام پانے والے سود میں کوئی فرق روا نہیں رکھتا ہے، مگر اس روایت: لَيْسَ بَيْنَ الرَّجُلِ وَوَلَدِهِ رِبًا "باپ اور بیٹے میں سود نہیں ہے" کے بعد باپ اور بیٹے کا ایک دوسرے سے سود لینا حرمت کے حکم کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ یہی استثناء کا لازمہ ہے۔

حرام سود کے حکم سے خارج ہونے والے موارد جن کا ذکر روایات میں آیا ہے، درج ذیل ہیں:

ا۔ باپ اور بیٹے کے درمیان سود:

استثناء کے موارد میں سے ایک' باپ اور بیٹے کا ایک دوسرے سے سود لینا ہے، جس کے جائز ہونے کے بارے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ البتہ اس مسئلہ کی بعض جزئیات کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جس کی وضاحت ہم بعد میں کریں گے۔

صاحب جواہر فرماتے ہیں: یہ مسئلہ اجماعی ہے حتی کہ اس کے بارے میں اجماع محصل کا بھی احتمال ہے، کیونکہ سوائے سید مرتضیٰ کے کسی نے اس حکم سے اختلاف نہیں کیا ہے، البتہ بعد میں سیّد مرتضیٰ نے بھی اپنے سابقہ نظریے سے رجوع کر لیا تھا۔(۱)

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۳۷۸

سید مرتضیٰؒ ، اپنی کتاب الانتصار میں لکھتے ہیں کہ: پہلے تو میں باپ اور بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان سود کو جائز قرار دینے والی روایات کے متعلق پوچھے گئے سوالوں کے جواب میں روایات میں تاویل کر کے کہا کرتا تھا کہ: ((لَا رِبَـا)) اگرچہ لفظ خبر کے ساتھ آیا ہے مگر حقیقت میں اس سے مراد امر (انشاء) ہے، یعنی مذکورہ افراد کے لئے ایک دوسرے سے سود کا نہ لینا واجب ہے۔اس مطلب کی تقویت کے لئے وَ لَا تَـاْكُلُوا الرِّبٰوا کی عمومیت سے استدلال کیا جاتا تھا کہ: آیت کے عموم (یعنی سود کی حرمت کے حکم) میں باپ بیٹا ،میاں بیوی سب شامل ہیں۔اس کے بعد میں نے جب اس مسئلہ پر مزید غور وفکر کیا اور اجماع اصحاب کو ملاحظہ کیا تو اپنے پرانے نظریے سے رجوع کرنا پڑا، کیونکہ اجماع اصحاب حجت ہے اور ظواہر قرآن کو اس کے ذریعے تخصیص دیا جا سکتا ہے۔ سود چونکہ ایک حکم شرعی ہے اس لئے ممکن ہے کسی چیز میں سود ہو تو کسی میں نہ ہو اور کہیں اس کا موضوع ثابت ہو تو کہیں ثابت نہیں ہوتا ہے۔(۱)

اس مسئلہ کے اجماعی ہونے کے باوجود اس کی بعض فروعات میں فقہاء اختلاف کرتے ہیں، چنانچہ ابن جنید کے مطابق صرف والد کا بیٹے سے سود لینا جائز ہے۔ (۲)

اسی طرح بعض دوسرے حکم کو صرف لڑکوں کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور لڑکیوں کو اس میں شامل نہیں کرتے ہیں ۔ (۳)

اس حکم میں اولادوں کی اولاد اور رضاعی اولاد کے شامل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

باپ بیٹے اور میاں بیوی وغیرہ کے درمیان سود کے جواز پر اجماع کے علاوہ اس سلسلہ میں نقل ہونے والی روایات بھی اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

الف:) عَنْ عَمْرِو بْنِ جَمِيعٍ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، قَالَ: قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : لَيْسَ بَيْنَ الرَّجُلِ وَوَلَدِهِ رِبًا وَ لَيْسَ بَيْنَ السَّيِّدِ وَعَبْدِهِ رِبًا .

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:

باپ اور بیٹے اور آقا اور غلام کے درمیان سود نہیں ہے۔ (۴)

---

(۱) الانتصار، سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، ص۴۴۱-۴۴۲

(۲) مختلف الشیعہ ،جلد۵، ص۷۹

(۳) جواہر الکلام ،جلد۲۳، ص۳۸۰؛ العروۃ الوثقی ، جلد۲، ص۳۶

(۴) وسائل الشیعہ ، جلد۱۲، ص۴۳۶، حدیث۱

ب:) عَنْ زُرَارَةَ وَ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ، قَالَ:
لَیْسَ بَیْنَ الرَّجُلِ وَوَلَدِهٖ وَبَیْنَهٗ وَ بَیْنَ عَبْدِهٖ وَ لَا بَیْنَ اَهْلِهٖ رِبًا .

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

آدمی کے اپنے بیٹے، غلام اور زوجہ کے درمیان سود نہیں ہے۔ (۱)

ج:) فقہ رضوی میں آیا ہے کہ:

وَلَیْسَ بَیْنَ الْوَالِدِ وَ وَلَدِهٖ رِبًا وَلَا بَیْنَ الزَّوْجِ وَالْمَرْاَةِ وَ لَا بَیْنَ الْمَوْلٰی وَالْعَبْدِ وَ لَا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَ الذِّمِّیِّ .

نہ تو باپ اور بیٹے میں سود ہے اور نہ شوہر اور زوجہ میں اور نہ آقا اور غلام میں اور نہ مسلمان اور کافر ذمّی کے درمیان سود ہے۔ (۲)

باپ اور بیٹے کے درمیان سود کے جواز پر ہونے والے قدیم علماء کے اجماع کے باوجود علمائے متاخرین میں سے مقدس اردبیلی اور سبزواری جواز کے حکم پر اعتراض کرتے ہیں، مرحوم سبزواری اشکال کرتے ہیں کہ: اس باب کی مستند اور مشہور احادیث زرارہ اور محمد بن مسلم کی روایات ہیں جن کی تائید عمرو بن جمیع کی روایت کے ذریعے ہوتی ہے، جن میں سے کوئی ایک بھی صحیح احادیث کا درجہ نہیں رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ عمومات قرآن اور دوسری روایات ان کے خلاف ہیں۔ ایسے میں اجماع اگر ثابت ہوجائے تو ٹھیک، ورنہ عمومات قرآن پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (۳)

صاحب حدائق مرحوم سبزواری کے اشکال کا یوں جواب دیتے ہیں کہ: ان روایات پر عمل کرنے کے سلسلہ میں فقہائے امامیہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ احادیث چونکہ صحیح اور صریح ہیں اس لئے سید مرتضٰی علم الھدیٰ اور ان کے نظریات سے متفق چند فقہاء کے علاوہ کسی نے ان روایات کے برخلاف فتویٰ نہیں دیا ہے۔ متقدمین کے نزدیک ان روایتوں کا صحیح ہونا اظہر من الشمس ہے اور عمل اصحاب کے ذریعے ان کی سند کی کمزوری دور ہونے کی وجہ سے متاخرین نے عمومات قرآن کو انہی کے ذریعے تخصیص دی ہے۔ اس کے علاوہ باپ بیٹے کے درمیان سود کے جواز کی دلیل صرف انہی روایات تک منحصر نہیں بلکہ بہت سی دوسری روایات۔ جن میں سے بعض روایات صحیحہ ہیں، جیسے علی بن جعفر کی روایت جس کی سند صحیح ہے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۳۶، حدیث ۳ و ۴

(۲) مستدرک الوسائل، جلد ۲، ص ۴۸۰

(۳) کفایۃ الاحکام، ص ۹۸

کے مضمون سے بھی یہی مطلب نکلتا ہے۔(۱)

مقدس اردبیلی کا اعتراض بھی یہی ہے کہ مذکورہ موارد میں سود کے جواز پر اجماع نہیں ہے جس کی وجہ سے سید مرتضیٰ نے سود ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔اس کے علاوہ مذکورہ سود کے جواز پر دلالت کرنے والی روایات صحیح نہیں جبکہ حرمت پر دلالت کرنے والی ادلہ عموم زیادہ قوی ہیں، لہٰذا: لَا رِبًا بَيْنَ الرَّجُلِ وَوَلَدِهٖ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف والد کا بیٹے سے سود لینا جائز ہے، جس کی تائید: اَلْوَلَدُ وَمَالُهٗ لِوَالِدِهٖ جیسی روایات کرتی ہیں۔(۲)

صاحب حدائق مقدس اردبیلی کے اشکال کے جواب میں کہتے ہیں:

اوّل: مرحوم سبزواری کے اشکال کے جواب میں ہم نے جو کچھ کہا ہے وہی اس اشکال کا بھی جواب ہے۔

دوم: عدم اجماع ثابت کرنے کے لئے سید مرتضیٰ کے قول کو دلیل بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ سید مرتضیٰ نے بعد میں اجماع ثابت ہونے کے بعد اپنے سابقہ نظریے سے رجوع کرلیا تھا۔

سوم: روایت کے ظاہری معنی میں تاویل کرتے ہوئے صرف والد کا اپنے بیٹے سے سود لینے کا جواز ثابت کرنا اور اس کی تائید کے لئے اِنَّ الْوَلَدَ وَمَالَهٗ لِوَالِدِهٖ جیسی روایات کو پیش کرنا قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایسی روایات قرآن وحدیث اور عقل کے خلاف ہیں، اس کے علاوہ بعض روایات ایسی بھی ہیں جو ان کے ساتھ تعارض کرتی ہیں، اس لئے ان روایات میں تقیہ کا زیادہ احتمال ہے۔ چنانچہ ان روایات میں دوسرے مطلب کے لئے قرینہ بننے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔(۳)

۲۔شوہر اور بیوی کے درمیان سود:

یہ مسئلہ فقہاء قدیم کے درمیان مورد اتفاق اور متاخرین کے درمیان مشہور ہے اور باپ اور بیٹے کے درمیان سود کے مسئلہ میں اجماع کی بحث میں جو مطالب بیان ہوئے ان میں شوہر اور بیوی کے درمیان سود کا مسئلہ بھی شامل ہے اور اس میں جن روایات سے استدلال کیا گیا تھا یہاں بھی انہی سے استدلال کیا جاتا ہے، البتہ ان کے ساتھ یہاں ایک مرسلہ روایت کا اضافہ کرتے ہیں:

(۱) الحدائق الناضرہ، جلد۱۹، ص۲۵۹؛ وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۳۷، حدیث۱۹اس حدیث کا مورد صرف مولا اور غلام کے درمیان سود ہے

(۲) مجمع الفائدہ والبرہان، جلد۸، ص۴۶۹

(۳) الحدائق الناضرہ، جلد۱۹، ص۲۶۰

قَالَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَيْسَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَبَيْنَ الذِّمِّيِّ رِبًا
وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَبَيْنَ زَوْجِهَا رِبًا.

نہ تو مسلمان اور کافر ذمّی کے درمیان سود ہوتا ہے اور نہ شوہر اور زوجہ کے درمیان سود ہے (۱)

فقہائے معاصر نے باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان سود کے متعلق مختلف فتوے دیئے ہیں۔ صاحب عروۃ الوثقیٰ (۲)، آیت اللہ حکیم (۳) اور امام خمینیؒ (۴) اور دیگر فقہاء نے مشہور کے نظریے کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے ان موارد میں سود لینے کو جائز قرار دیا ہے، مگر آیت اللہ خوئیؒ کے فتویٰ کے مطابق احتیاط واجب کے بنا پر اس سود سے اجتناب کرنا چاہئے (۵) جبکہ حاشیہ منہاج میں شہید صدرؒ کا نظریہ ہے کہ باپ بیٹے اور میاں بیوی کو احتیاط کے بنا پر ایک دوسرے سے سود نہیں لینا چاہئے۔(۶)

۳۔ آقا اور غلام کے درمیان سود

استثناء کے موارد میں سے ایک آقا اور غلام کے درمیان سود ہے، جس کے بارے میں صاحب جواہر الکلام (۷) فرماتے ہیں کہ آقا اور غلام کے درمیان سود کے جواز پر اجماع کی دونوں قسمیں (اجماع منقول اور اجماع محصل) دلالت کرتی ہیں۔ اس حکم پر گزشتہ روایات (۸) کے علاوہ یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے:

صَحِيْحَةُ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرٍ، سَأَلَ أَخَاهُ مُوْسَى بْنَ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ رَجُلٍ
أَعْطَى عَبْدَهُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ عَلَى أَنْ يُؤَدِّيَ الْعَبْدُ كُلَّ شَهْرٍ عَشَرَةَ
دَرَاهِمَ، أَيَحِلُّ ذَالِكَ؟ قَالَ: لَا بَأْسَ.

علی بن جعفر نے اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنے غلام کو ہر مہینے دس درہم لوٹانے کی شرط پر دس درہم بطور قرضہ دیتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۹)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۳۷، حدیث ۵
(۲) عروۃ الوثقیٰ، جلد ۲، ص ۴۵، مسئلہ ۵
(۳) منہاج الصالحین، جلد ۲، ص ۴۷، مسئلہ ۱۴
(۴) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، ص ۵۳۹
(۵) منہاج الصالحین، جلد ۲، ص ۵۴، مسئلہ ۲۱۸
(۶) منہاج الصالحین، حکیم، ص ۴۷، حاشیہ ۱۶۴
(۷) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۳۸۰
(۸) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۳۶ - ۴۳۷، حدیث ۱، ۳، ۴
(۹) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۳۶ - ۴۳۷، حدیث ۱، ۳، ۴

اس سؤال کے بعد علی بن جعفر نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ: ایک شخص ہر ماہ پانچ درہم یا اس سے کم یا زیادہ لوٹانے کی شرط پر کسی کو سو درہم (کاروبار کے لئے) دیتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: یہی تو سود ہے۔"

چنانچہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے پہلے سؤال کے جواب میں آقا اور غلام کے درمیان انجام پانے والے سود کو جائز قرار دیا مگر دو آزاد افراد کے درمیان انجام پانے والے اسی کام سے منع فرمایا۔ لہٰذا یہ حدیث آقا اور غلام کے درمیان سود کی استثناء پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ اگر ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اس لئے آقا اور غلام کے درمیان سود کا امکان ہی نہیں ہے، اس وقت اس مورد کو استثناء کے عنوان سے بیان کرنا لغو ہو جائے گا۔

۴۔ مسلمان اور کافر کے درمیان سود

الف:) مسلمان اور کافر حربی

مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود نہ ہونے کے اصل مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ صاحب جواہر الکلام کے مطابق اس مسئلہ میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے (۱) اور مشہور ہے کہ کافروں سے صرف لینا جائز ہے جبکہ انہیں سود دینا جائز نہیں ہے۔

ابن براج، کافروں سے سود لینے اور دینے دونوں کو جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: مسلمان اور کافر دونوں کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ایک درہم کا دو درہم کے عوض معاملہ کرنا جائز ہے۔ (۲)

مسلمان اور کافر کے درمیان سود کے جواز پر اجماع کے علاوہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں:

مرسلہ صدوقؒ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ اَهْلِ حَرْبِنَا رِبًا نَاْخُذُ مِنْهُمْ اَلْفَ اَلْفَ دِرْهَمٍ بِدِرْهَمٍ وَنَاْخُذُ مِنْهُمْ وَ لَا نُعْطِيْهِمْ.

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ہمارے اور کفار حربی کے درمیان سود نہیں ہے۔ ایک درہم کے عوض ہم ان سے ہزاروں درہم لیتے ہیں، ہم ان سے صرف لیتے ہیں دیتے نہیں ہیں۔ (۳)

---

(۱) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۳۸۲

(۲) الحدائق الناضرہ، جلد ۱۹، ص ۲۶۲

(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، ص ۴۳۶، حدیث ۲

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر عمل اصحاب اور کافر حربی کے اموال کے حلال ہونے کی دلیل اس کی کو پورا کرتی ہے۔اس حدیث کے مدمقابل زرارہ اور محمد بن مسلم (۱) کی روایات ہیں:

صَحِیْحَۃُ زُرَارَۃ: عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ، قَالَ: لَیْسَ بَیْنَ الرَّجُلِ وَ وَلَدِہٖ وَ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ عَبْدِہٖ وَلَا بَیْنَ اَھْلِہٖ رِبًا، وَاِنَّمَا الرِّبَا فِیْمَا بَیْنَکَ وَ بَیْنَ مَا لَا تَمْلِکُ، قُلْتُ: فَالْمُشْرِکُوْنَ بَیْنِی وَبَیْنَھُمْ رِبًا؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: فَاِنَّھُمْ مَمَالِیْکُ، فَقَالَ: اِنَّکَ لَسْتَ تَمْلِکُھُمْ اِنَّمَا تَمْلِکُھُمْ مَعَ غَیْرِکَ، اَنْتَ وَغَیْرُکَ فِیْھِمْ سَوَاءٌ فَالَّذِی بَیْنَکَ وَبَیْنَھُمْ لَیْسَ مِنْ ذَالِکَ لِاَنَّ عَبْدَکَ لَیْسَ مِثْلَ عَبْدِکَ وَعَبْدِ غَیْرِکَ. (۲)

مذکورہ روایت کے مطابق مسلمان اور کافر کے درمیان سود ہوتا ہے۔

مقدس اردبیلی کے مطابق اس حدیث کی سند کی صحت واضح ہے، مگر وہ اس حدیث کو صرف کافر ذمی پر تطبیق کرتے ہیں (۳) اور کہتے ہیں کہ صدوق کی مرسلہ روایت، زرارہ کی صیحہ کی تخصیص (یعنی اس کے دائرے کو محدود) کرتی ہے۔صدوق کی مرسلہ صرف سود لینے کو جائز قرار دینے کی وجہ سے بھی اخص ہے۔

معاصر فقہاء میں سے آیت اللہ خوئی احتیاط واجب کے بنا پر کافر حربی سے سود لینے سے منع کرتے ہیں۔مگر وہ معاملہ کے بعد از باب ((استنقاذ)) کافر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کھانے کو جائز سمجھتے ہیں کیونکہ کافر کا مال محترم نہیں ہے اس لئے مختلف طریقوں سے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔(۴)

ب:) مسلمان اور کافر ذمی

سید مرتضٰی، باپ اور بیٹے، شوہر اور بیوی، مسلمان اور کافر ذمی اور آقا وغلام کے درمیان سود کے جائز ہونے کو مذہب امامیہ کی خصوصیات میں سے قرار دیتے ہیں۔اور اس مسئلہ میں اپنا نظریہ تبدیل کرنے کی وجہ بیان کرنے کے بعد مذکورہ موارد میں 'جواز سود کو تمام فقہاء کے درمیان مورد اتفاق واجماع قرار دیتے ہیں۔(۵)

---

(۱) وسائل الشیعہ، جلد۱۲، ص۴۳۶، حدیث۳

(۲) اصول الکافی، جلد۵، حدیث ۱۴۷

(۳) مجمع الفائدہ والبرہان، جلد۸، ص۴۹۰

(۴) منہاج الصالحین، جلد۲، ص۵۴

(۵) الانتصار، ص۴۴۲

سید مرتضی کے کلام کے اطلاق کا تقاضا ہے کہ مسلمان اور کافر ذمی کے درمیان سود مکمل طور پر جائز ہے جبکہ فقہاء کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ کافر ذمی مسلمانوں سے سود نہیں لے سکتا اور مسلمانوں کا کافر ذمی سے سود لینا بھی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ طوسی(۱) ، ابن ادریس (۲) ، علامہ (۳) ، محقق اول (۴) ، محقق ثانی (۵) ، شہید اول (۶) ، شہید ثانی (۷) جبکہ فقہائے معاصر میں صاحب عروہ (۸) ، آیت اللہ حکیم(۹)، امام خمینی (۱۰) اور شہید صدر (۱۱) کافر ذمی سے سود لینے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

مشہور فقہاء اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

۱۔ سود سے نہی کرنے والی ادلہ عام ہیں جو مسلمان غیر مسلمان اور باپ بیٹے سب کو شامل ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کے اموال کی طرح کافروں کا مال بھی محترم ہے لہٰذا انہیں باطل طریقے سے کھانا جائز نہیں۔

۳۔ محمد بن مسلم اور زرارہ کی روایات جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان سود کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

مشہور کے برعکس ،شیخ مفید (۱۲) شیخ صدوق علی بن بابویہ (۱۳) اور صاحب ایضاح النافع (۱۴) مسلمان اور کافر ذمی کے درمیان سود کو جائز سمجھتے ہیں اور معاصر فقہاء میں، آیت اللہ خوئی خرید و فروخت کے

---

(۱) النہایہ، ص۳۷۶

(۲) السرائر، جلد۲، ص۲۵۲

(۳) مختلف الشیعہ، جلد۵، ص۸۱

(۴) جواہر الکلام، جلد ۲۳، ص ۳۸۳

(۵) جامع المقاصد، جلد۴، ص۲۸۱

(۶) الدروس، جلد۳، ص۲۹۹

(۷) مسالک الافہام، جلد۳، ص ۳۲۸

(۸) عروۃ الوثقی، جلد۲، ص ۳۸، مسئلہ۵۵

(۹) منہاج الصالحین، جلد۲، ص ۷۵، مسئلہ۱۶

(۱۰) تحریر الوسیلہ، جلد۱، ص۵۳۹

(۱۱) منہاج الصالحین، آیت اللہ حکیم، حاشیہ شہید صدر، ص ۷۵

(۱۲) مختلف الشیعہ، جلد۵، ص۸۱

(۱۳) المقنع، ص۱۲۶

(۱۴) حاشیہ مسالک، جلد۳، ص ۳۲۸

بعد قاعدہ الزام کے تحت لئے جانے والے سود کو جائز سمجھتے ہیں۔ (۱)

آیت اللہ خوئی کے مطابق، مشہور کی نظر میں شراب پینے، سود اور سور کا گوشت کھانے جیسے منکرات کو علانیہ انجام دینے کی وجہ سے کافر معاہدہ ذمہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قاعدہ الزام کے تحت اصل مال سے زیادہ وصول کرنے کے لئے ایسا طریقہ اپنانا چاہئے جو علانیہ سود کھانے کے زمرے میں نہیں آتے ہوں۔

اہلسنت کا اشکال:

آقا اور غلام اور مسلمان و کافر حربی کے درمیان سود کا جائز ہونا ایک حد تک فقہی قواعد کے ساتھ سازگار ہے، شیعہ اور سنی فقہاء کے ایک گروہ کا نظریہ یہی ہے۔ (۲)

مگر باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان سود کا جائز ہونا مذہب امامیہ کی خصوصیات میں سے ہے، جبکہ اہلسنت کے فقہاء ان دونوں موارد میں عدم جواز کے قائل ہیں، ان کے علاوہ بعض شیعہ فقہاء بھی ان دونوں موارد میں مشہور کے برعکس سود کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے اہلسنت کے بعض علماء کو شیعوں کے خلاف انگلی اٹھانے کا موقع ملا۔ چنانچہ رفیق یونس المصری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

کافر حربی، آقا اور غلام اور شرکت مفاوضہ میں سود کے بارے میں مخصوص نظریہ رکھنے کے باوجود حنفی فقہاء، باپ اور بیٹے کے درمیان سود کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ باپ بیٹے، آقا و غلام اور دوسرے تمام حرام موارد کے درمیان کسی قسم کے فرق کا قائل نہ ہونے کی وجہ سے شافعی، حنبلی، مالکی اور ظاہری مسلک کے فقہاء نے اس بحث میں پڑنے سے اجتناب کیا ہے۔ اس کے باوجود شیعہ امامیہ اور بعض اقاضیہ، باپ بیٹے کے درمیان سود کو جائز سمجھتے ہیں۔

---

(۱) منہاج الصالحین، جلد ۲، ص ۵۳، مسئلہ ۲۱۹

توضیح: قاعدۂ الزام: فقہ کے قواعد میں سے ایک قاعدہ 'قاعدۂ الزام' ہے۔ فقہاء باب نکاح، طلاق اور ارث وغیرہ میں اس قاعدہ سے مدد لیتے ہیں۔ قاعدہ الزام یہ ہے کہ اگر کسی پر اپنے مذہب کے تحت کسی حکم کی پابندی لازمی ہو مگر مذہب امامیہ میں ان امور کی پابندی لازمی نہ ہو تو اسے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے اور ان امور کو بجا لانے کا پابند کیا جا سکتا ہے۔ یہ قاعدہ اس مورد میں اس طرح استعمال ہوگا کہ چونکہ کافر لین دین میں سود ادا کرنے کو لازمی امر سمجھتے ہیں اس لئے قاعدہ الزام کے تحت ان سے سود لیا بھی جا سکتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کی کتاب القواعد الفقہیہ، جلد ۲، ص ۱۵۷-۱۶۷ سے رجوع فرمائیں۔

(۲) المغنی، جلد ۸، ص ۵۱۲؛ المغنی والشرح الکبیر، جلد ۴، ص ۱۸۲-۱۸۶، مسئلہ ((و یحرم الربا بین المسلم والحربی))۔

بالفرض اگر والد دولت مند اور بیٹا غریب ہو تو، کیا والد اپنے بیٹے کو سودی قرضہ دیگا، اور اگر اس نے ایسا کیا تو یہ کام عاقلوں والا کہلائے گا؟ ہم تو غیروں سے سود لینا پسند نہیں کرتے تو کیسے اپنے بیٹے سے سود لینا صحیح ہوگا۔ اس کے برعکس اگر بیٹا دولت مند ہو اور والد غریب ہو تو کیا بیٹا اپنے والد کو سود پر قرضہ دے گا؟ اور کیا اس کا یہ کام بھی عاقلانہ کہلائے گا؟ بلکہ یہ کام تو پہلی صورت سے بھی زیادہ بدتر ہے، کیونکہ قرآن مجید ہمیں اپنے ماں اور باپ سے نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ اسی طرح حدیث میں بھی آیا ہے کہ:

﴿أَنتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ﴾ (۱)

اور ﴿أَنتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ﴾ (۲)

اس کے علاوہ تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ ماں باپ اگر تنگدست اور اولاد امیر ہو تو ماں باپ کا نفقہ اولاد پر واجب ہے۔ جب ماں باپ کا نفقہ ان پر واجب ہو تو وہ کیسے ان سے سود لے سکتے ہیں؟! مذکورہ حدیث بھی والد کے بیٹے سے سود لینے کے جواز پر دلالت نہیں کرتی بلکہ حدیث کے مطابق تنگ دست ماں اور باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے۔ حتی کہ کسی بھی فقیہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ ضرورت پڑنے پر والد اپنے بیٹے کے مال سے جیسے چاہے (حتی کہ سود کے ذریعے) لے سکتا ہے۔ بلکہ والد اگر بیٹے کا مال چوری کرتا ہے تو چور کہلاتا ہے، البتہ ﴿شِبْهِ مِلْك﴾ کی وجہ سے اس پر حد جاری نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ادرؤا الحدود بالشبهات "شبہ کے موارد میں حد جاری مت کرو" چنانچہ باپ کا ہاتھ نہ کاٹنا اس وجہ سے نہیں کہ اس نے کوئی چوری نہیں کی ہے، بلکہ شبہ ملک کی وجہ سے اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

شیعہ فقہاء کا باپ اور بیٹے کے درمیان سود کو جائز قرار دینے کا مقصد اگر اس مسئلہ سے چشم پوشی کرتا ہے تو انہیں سود کو، جس کی حرمت عقل وشرع وعرف اور فطری قوانین سے ثابت شدہ ہے، حلال قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح زیادہ لینے کو احسان اور حسن ادائیگی قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہماری بحث مشروط ربا کے متعلق ہے نہ کہ شرط کے بغیر زیادہ ادا کرنے کے بارے میں۔

اسی طرح دوسرے تمام مذاہب کے برعکس شیعہ، میاں بیوی کے درمیان سود کو بھی جائز سمجھتے ہیں!
بیوی کا نان ونفقہ نہ صرف شوہر پر واجب ہے بلکہ شوہر کے تمام عزیز واقارب پر بیوی کا حق مقدم

---

(۱) سنن ابن ماجہ ۲، ۷۶۹/
(۲) سنن احمد بن حنبل ۲، ۱۷۹/، ۲۰۴، ۲۱۴ اور سنن ابی داود ۳/ ۲۸۹

ہے، اس لئے اپنے نان ونفقہ کے لئے بیوی کا شوہر سے قرض لینا قابل تصور نہیں ہے، چنانچہ ابوسفیان کی بیوی ہندنے جب نان ونفقہ دینے میں بخل کرنے کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کی تو آپ نے اسے اپنا اور اپنے بچوں کا نفقہ ابوسفیان کے مال سے لینے کی اجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

خُذِیْ مَا یَکْفِیْكِ وَوَلَدِكِ بِالْمَعْرُوْفِ .

یعنی اپنے اور اپنے بچوں کا بطور معمول خرچہ شوہر کے مال سے حاصل کرو۔

اور اگر دوسری ضروریات کے لئے بیوی اپنے شوہر سے قرضہ لیتی ہے پھر بھی اسے قرض حسنہ دینا شوہر کی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ قرض کے سود کی حرمت میں بیوی اور غیر بیوی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زوجیت سود کا نہیں بلکہ احسان اور مدد کا اقتضاء کرتی ہے۔

اسی طرح شوہر اگر محتاج ہو اور اپنی دولت مند بیوی سے قرض مانگے تو بیوی کو چاہئے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کو قرض حسنہ دے، اس لئے کہ وہ اپنے شوہر کی سب سے زیادہ قریب اور اس کی ضروریات سے دوسروں سے کہیں زیادہ آگاہ ہوتی ہے۔ چنانچہ سود جب تمام انسانوں کے لئے حرام ہے تو کیسے میاں بیوی کے لئے جائز ہوسکتا ہے؟

کیا شیعہ فقہاء پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان: اِتَّقُوا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فِی النِّسَاءِ فَاِنَّهُنَّ عَوَانٍ بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ "عورتیں تمہارے پاس امانت ہیں" کو بنیاد بنا کر میاں بیوی کے درمیان رشتہ کو آقا اور کنیز کے رشتہ کی مانند سمجھتے ہیں جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور خدا کی خاطر ان کے حقوق کی رعایت کریں۔ آپ کے فرمان کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ عورتیں تمہاری ملکیت ہیں اور دونوں کے مال کا مالک صرف شوہر ہے۔ اس لئے کہ اگر ان دونوں کا مال مشترک ہوتا تو قرآن مجید میں خداوند عالم یہ ارشاد نہ فرماتا کہ:

وَ آتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً .

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔" (۱)

اگر مال مرد اور عورت کا مشترکہ ہوتا تو ہند، نفقہ کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوسفیان کی شکایت نہ کرتی۔

چنانچہ، بیوی وشوہر کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے درمیان کوئی سود نہیں ہے۔ ہاں اگر ہم اس

---

(۱) سورہ نساء، آیت ۴

بات کے قائل ہوجائیں کہ دونوں مستقل طور پر مال کے مالک نہیں بن سکتے بلکہ دونوں مشترکہ طور پر مالک ہیں، اس وقت ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی سود نہیں ہے، جبکہ میاں بیوی کا مستقل اپنے اموال کا مالک ہونا مسلمات میں سے ہے۔ چنانچہ ان دونوں کے درمیان سود بھی دوسرے تمام انسانوں کے درمیان سود کی مانند حرام ہے۔(۱)

جواب:

۱۔تمام فقہائے اسلام کے مطابق تنگدستی کی صورت میں والد کا نفقہ بیٹے پر اور بیٹے کا نفقہ والد پر واجب ہوجاتا ہے۔اسی طرح زوجہ کے نفقہ کا شوہر پر واجب ہونا فقہ کے مسلمات میں سے ہے۔

رفیق یونس المصری کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر شوہر تنگدست اور بیوی مالدار ہو تو شوہر کی مدد کرنا بیوی پر واجب ہے، بلکہ ابن حزم کی صراحت کے مطابق اس وقت بیوی کا نان ونفقہ خود اپنے اوپر واجب ہوجاتا ہے۔شوہر کی تنگدستی برطرف ہونے کی صورت میں بیوی اپنے مال کا (جو اس نے اپنے شوہر پر خرچ کیا ہے) مطالبہ نہیں کرسکتی ہے۔(۲)

ایسے نظریات رکھنے والے اہلسنت کے فقہاء دوسروں پر کیسے اعتراض کرسکتے ہیں۔جبکہ ان کے نظریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تنگدستی کی صورت میں باپ کا نفقہ بیٹے پر اور بیٹے کا نفقہ باپ پر واجب ہوتا ہے اسی طرح بیوی کا نفقہ شوہر پر اور شوہر کا نفقہ بیوی پر بھی واجب ہوجاتا ہے۔لہٰذا صحیح روایات کے مطابق باپ کا بیٹے سے اور بیٹے کا باپ سے اسی طرح شوہر کا بیوی سے اور بیوی کا شوہر سے نفقہ کے علاوہ لینے والے قرضوں پر سود لینا جائز ہے،یہی وجوب نفقہ اور سود کے استثناء پر دلالت کرنے والی روایات کے جمع عرفی کا تقاضا بھی ہے۔چنانچہ باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان سود جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قرض لینے والا تنگدست نہ ہو اور قرضہ اتارنے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔بنابر ایں المصری نے جو تصویر کشی کی ہے کہ افراد خانہ میں سے کسی کا سود جائز ہونے کے بہانے سے نان ونفقہ کے محتاج کو سود پر قرضہ دے کر ایک دوسرے سے سود لینا کمال بے رحمی ہے،یہاں ایسی صورتحال پیش ہی نہیں آتی ہے،کیونکہ نفقہ نہ ملنے کی صورت میں واجب النفقہ شخص قرض سے اپنا نفقہ منہا کرسکتا ہے۔اس وقت سود تو درکنار خود اصل قرض لوٹانا بھی اس پر واجب نہیں ہوتا ہے۔

---

(۱) الجامع فی اصول الربا،ص ۱۹۸-۲۰۱

(۲) المحلی،جلد ۱۰،ص ۹۲،مسئلہ ۱۹۳۰؛ نیل الاوطار،جلد ۶،ص ۳۸۶

۲۔ باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان تعلق اور رشتہ کو عام لوگوں کے ساتھ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ شارع مقدس نے عام لوگوں کے برعکس خاندان کے افراد کے لئے مخصوص احکامات بیان فرمائے، جنہیں اہلسنت کے فقہاء بھی تسلیم کرتے ہیں جیسے:

الف:) اہلسنت کی فقہی کتابوں میں ہے کہ ماں باپ اگر اپنی اولاد کے مال سے چوری کریں تو ان پر چور (یعنی ہاتھ کاٹنے) کی حد جاری نہیں ہوتی ہے۔امام مالک ، شافعی ،ابو حنیفہ ،احمد بن حنبل،سفیان ثوری اور اسحاق کا یہی فتویٰ ہے،شافعی ماں باپ کے حکم میں دادا اور دادی کو بھی شامل کرتے ہیں۔اسی طرح امام مالک کے علاوہ تمام فقہاء کے مطابق اولاد اگر اپنے ماں باپ کے مال سے چوری کرے تو ان پر بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم لاگو نہیں ہوتا ہے۔جبکہ ابو حنیفہ اور ان کے ہم نوا تمام قریبی رشتہ داروں کے ساتھ میاں بیوی کو بھی اس حکم میں شامل کرتے ہیں (۱) جبکہ شافعی اپنی کتاب میں ایک عمومی حکم سے قریبی رشتہ داروں کو استثناء کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ (۲)

ب:) اہلسنت کے فقہاء کی اکثریت کے فتویٰ کے مطابق باپ اگر اپنے کسی بچے کو قتل کرے تو اس پر کوئی قصاص نہیں ہے۔(۳)

احمد بن حنبل کے مطابق اولاد اگر اپنے والد کو قتل کرے تو ان پر بھی کوئی قصاص نہیں ہے۔(۴)

جبکہ اولاد کا اپنے ماں باپ کو قتل کرنا اخلاقی طور پر بہت ہی زیادہ قبیح فعل ہے،اس کے باوجود شارع مقدس یہاں استثناء کے قائل ہوئے ہیں آخر کیوں؟

ج:) قذف کی حد مخصوص شرائط کے ساتھ جاری ہوتی ہیں:

ا۔جس پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہے وہ حدّ قذف کا مطالبہ کرے۔

۲۔قذف کرنے والا (تہمت لگانے والا) چار عادل گواہوں کو پیش نہ کرپائے۔

اس کے علاوہ شوہر اگر اپنی بیوی پر قذف (زنا کی تہمت) لگائے تو اس پر قذف کی حد جاری کرنے کے لئے ایک اور (تیسری) شرط بھی ہے وہ یہ کہ شوہر لعان کے مراسم جاری کرنے سے منع کرے۔(۵)

---

(۱) المحلی، جلد ۱۱، ص ۳۴۳، مسئلہ ۲۲۷۸؛ الام مختصر المزنی ص ۲۶۴

(۲) المحلی، جلد ۱۱، ص ۳۴۳، مسئلہ ۲۲۷۹؛ الام مختصر المزنی ص ۲۶۴

(۳) المغنی والشرح الکبیر، جلد ۹، ص ۳۵۹ و ۳۷۱

(۴) المغنی والشرح الکبیر، جلد ۹، ص ۳۶۵

(۵) المغنی والشرح الکبیر، جلد ۱۰، ص ۲۱۳

یعنی عام افراد کے برعکس شوہر لعان جاری کرتے ہوئے اپنے آپ کو قذف کی شرعی حد سے بچاسکتا ہے، جبکہ عام افراد پر چار عادل گواہ پیش نہ کرسکنے کی صورت میں قذف کی حد جاری ہوجاتی ہے۔ چنانچہ شوہر کی طرف سے اپنی ہی بیوی پر زنا کی تہمت لگانا دوسروں کی نسبت زیادہ قبیح ہونے اور قذف کی حد کے زیادہ مستحق ہونے کے باوجود اسے اس حکم سے استثناء کیا گیا ہے۔ یہاں شارع نے شوہر کے لئے کیوں راہ فرار فراہم کیا ہے؟

ان تمام موارد کے جواب میں المصری کے پاس اس کے علاوہ کہ "یہ تمام احکامات آیات اور صحیح روایات کے مطابق ہیں" کوئی اور جواب ہے؟ مذکورہ موارد کے استثناء پر دلالت کرنے والی صحیح روایات شیعوں کی کتابوں میں بھی موجود ہیں، پس اصل مسئلہ صحیح روایات کو پہچاننا اور جانچنا ہے کہ صحیح روایات کو جھوٹی روایات سے الگ کرنے کا ملاک ومعیار کیا ہے؟ لہٰذا تند وتیز جملوں کے ذریعے فقہاء کے فتاوای کا مذاق اڑانا انصاف نہیں کیونکہ اس طرح کے اشکالات اسلام کے بعض ضروری احکامات پر بھی وارد ہوسکتے ہیں۔

خونی رشتہ داروں کے احکام کے استثناء کی مثالیں فقہ کے مختلف ابواب میں جابجا ملتی ہیں جن میں باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان سود کی حرمت کے حکم کا استثناء بھی شامل ہونا کوئی خلاف عادت بات نہیں ہے۔

۳۔ مشہور شیعہ فقہاء نے باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان سود کے مستحب ہونے کا نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اس کے باوجود شیعہ گھرانے کے کسی فرد نے آج تک اپنے خونی رشتہ داروں سے نہ تو سود لیا ہے اور نہ انہیں سود دیا ہے، کیونکہ خاندان کے افراد کے درمیان محبت کا ماحول، جس کو برقرار رکھنے کی تاکید خود شارع مقدس کرتا ہے، انہیں ایک دوسرے سے سود لینے اور ایک دوسرے کو اقتصادی طور پر ہراساں کرنے سے باز رکھتا ہے۔

مذکورہ دونوں موارد میں سود کو جائز قرار دینے کا مقصد گھر کے افراد کے درمیان اقتصادی اور مالی روابط میں آسانیاں پیدا کرنا ہے، شارع چاہتا ہے کہ مالی بدحالی کی صورت میں افراد خانہ سود کے گڑھے میں نہ پھنس جائیں۔ سود کی حکمت میں بیان ہونے والا "ظلم" مسلمان گھرانوں میں شاذ ونادر ہی وقوع پذیر ہوتا ہے، بلکہ ان گھرانوں میں ظلم ماں باپ کے ساتھ بے ادبی اور بیوی بچوں کے ساتھ بدسلوکی کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔

استثناء کے موارد کے ساتھ قیاس

حیلوں کے ذریعے جس طرح بعض موارد کو حرام سود کے موضوع سے خارج کیا جاتا ہے اسی طرح استثناءات سود کے نام پر بعض افراد یہی کام دہرانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حکومت اور رعایا کے درمیان سود کو باپ بیٹے کے درمیان سود کے ساتھ قیاس کرتے ہوئے اس مورد کو حرام سود کے حکم سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ شیعہ اور سنی دونوں کے ہاں اس نظریے کے حامی افراد موجودہ صدی میں پیدا ہوئے ہیں جن کی تعداد سود کے حیلوں کے قائلین کی نسبت بہت کم ہے۔ ان استثناءات میں سے بعض کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

اوّل: حکومت اور رعایا کے درمیان سود

اہل سنت کے بعض معاصر فقہاء حکومت اور عوام کے درمیان سود کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ وہ حکومت اور عوام کے درمیان سود کو آقا اور غلام کے سود کی مانند سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق حکومتی بینک عوام کو دیئے گئے قرضوں پر سود لے سکتا ہے۔(۱)

مذکورہ فقہاء کی اتباع کرتے ہوئے فقہ سے آشنائی رکھنے والے بعض معاصرین کہتے ہیں کہ:

"سود کے استثناءات پر دلالت کرنے والی شرعی دلیلوں کی مدد سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ: حکومت کا عوام سے اصل مال قرض سے زیادہ لینا اسی طرح عوام کا حکومت سے اصل قرض سے زیادہ لینا سود نہیں ہے، کیونکہ حکومتی بینکوں کے سود میں عام سود کے مفاسد نہیں پائے جاتے ہیں، بلکہ یہ سود بھی باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان سود کی طرح سرے سے سود شمار ہی نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ سود حرام سود کے موضوع سے پہلے ہی خارج ہے۔" (۲)

بعض فرماتے ہیں: "حکومتی بینکوں میں جو سرمایہ ہے وہ عوام کا ہے، بینک جب عوام سے منافع لیتا ہے تو اس کا تعلق فرد واحد سے نہیں بلکہ عوام سے ہوتا ہے، ممکن ہے سود کی حرمت کی دلیل اس مورد کو شامل نہ ہو کیونکہ یہاں بینک عوام سے منافع لے کر عوام ہی کو واپس کرتا ہے۔ چنانچہ سود کی حرمت کی دلیل انفرادی اور شخصی قرضوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس میں فرد واحد کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لہٰذا حرمت کی

---

(۱) الجامع فی اصول الربا، ص ۲۰۱

(۲) ربا از گناہان کبیرہ و استثناء ناپذیر است، محمد ہادی معرفت، نامہ مفید، شمارہ ۱۳، ص ۴۸

دلیل حکومت اور عوام کے درمیان سود کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ سود کی حرمت پر دلالت کرنے والی دلیل اگرچہ مطلق ہے، مگر صدر اسلام میں اس قسم کے قرضوں کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے حرمت سود کی دلیل کو موجودہ دور میں رائج سود کی صرف ان قسموں سے مخصوص کرنا چاہئے جن میں شخصی اور انفرادی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ مورد باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان سود کے مانند ہے جو کہ حرام نہیں ہے۔ کیونکہ سود جس ظلم وزیادتی کی وجہ سے حرام ہوا ہے وہ ظلم یہاں وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ حکومت سے لینے والے قرضے ایک جیب سے دوسرے جیب میں منتقل ہونے والے پیسوں کی طرح ہیں۔ (۱)

جواب:

حکومت اور رعایا کے درمیان سود کے متعلق تین احتمالات پائے جاتے ہیں:

پہلا احتمال:

اگر اس سے مراد حکومتی بینکوں اور عوام کے درمیان ردّوبدل ہونے والا سود ہے، تو یہ واضح ہے کہ حکومت کی جانب سے لوگوں کو قرضہ دینے والی رقوم کا بڑا حصہ انہی رقوم پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں عوام بینکوں میں بطور امانت رکھواتے ہیں جس کے عوض بینک انہیں کچھ فیصد تک منافع دیتا ہے، پھر انہی جمع شدہ رقوم کو دوسرے افراد کو قرضہ دے کر ان سے کئی فیصد منافع وصول کرتا ہے، جو کہ بینکوں کی جانب سے ادا کی جانے والی شرح منافع سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔ شرح منافع کی ادائیگی اور وصولی کے درمیان یہ فرق، یعنی لوگوں سے بیس فیصد شرح منافع وصول کرکے اور پندرہ فیصد ادائیگی کے بعد بچنے والی پانچ فیصد رقم، بینکوں کا حصہ ہوتی ہے۔ یہ کام پوری دنیا کے بینکوں کی سرگرمیوں (Activities) میں شامل ہے۔

اس طرح بینک دراصل سود کے دلال کے طور پر کام کرتے ہیں، اور بینکوں کو قرضہ دینے والے اسی طرح بینکوں سے قرضہ لینے والے افراد شمار ہوتے ہیں۔ سود کے لئے رابطہ کار بن کر کمائی کرنا بغیر کسی شک وشبہ کے حرام اور ناجائز ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں سود لینے اور دینے والوں کے علاوہ سود کے گواہوں، کاتب اور رابطہ کار و واسطہ بننے والوں پر بھی لعنت کی گئی ہے اور رابطہ کار و واسطہ کو کاتب اور گواہوں کے مساوی قرار دیا ہے۔ (۲)

---

(۱) طرح ہای جدید برای حل مشکل بانک ہا، واعظ زادہ خراسانی، جلد ۳، ص ۱۱۸

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۱۲، باب ۴، حدیث ۱-۴

لہٰذا قرض پر منافع لینا جس طرح سے عام افراد اور نجی بینکوں کے لئے حرام ہے اسی طرح حکومتی بینکوں کے لئے بھی حرام ہے۔

دوسرا احتمال:

حکومت اپنے محفوظ ذخائر، کاشتکاروں اور صنعتکاروں کو قرض دینے کے لئے بجٹ میں رکھی گئی رقوم، مالیات(Taxes) کی مد میں جمع شدہ رقوم یا پھر عوام سے بطور قرض لی گئی رقوم سے قرض لینے والوں کو قرضہ دے کر فی صد کے حساب سے منافع وصول کرتی ہے۔

یہ مسلّم ہے کہ حکومت کی جانب سے سروس چارجز(Service Charges) اور مالیات (Taxes) کے علاوہ لوگوں سے قرض کے اصل مال سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔اس لئے کہ سود صرف چار موارد میں استثناء ہوا ہے ،جنہیں ہم گذشتہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کرچکے ہیں۔اس کے باوجود اگر کوئی حکومت کی طرف سے لوگوں سے لینے والے سود کو استثناء کے دیگر موارد کے ساتھ قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دینا چاہتا ہے تو ان کا جواب یہ ہے کہ:

اول، فقہ جعفری میں قیاس باطل ہے مگر یہ کہ قیاس منصوص العلت ہو جو اصل میں قیاس نہیں اور اس مورد میں قیاس منصوص علت بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سود کی حرمت اور استثناء ات کی حقیقی علت ہمارے لئے واضح نہیں ہے، ان کی علت کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ دراصل علت نہیں بلکہ ان کی حکمت ہیں۔

دوم، اہلسنت کی پیروی کرتے ہوئے قیاس کو اگر صحیح مان بھی لیا جائے پھر بھی یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے کیونکہ حکومت اور عوام کے درمیان سود اور مسلمان و کافر یا میاں بیوی کے درمیان سود میں کوئی وجہ مشترک نہیں ہے۔ لہٰذا عوام پر حکومت کے تسلّط اور غلبہ کو، بیوی پر شوہر کے تسلط اور کافر پر مسلمانوں کے تسلّط سے تشبیہ نہیں دیا جاسکتا۔

حکومت کی جانب سے اپنے عوام سے لینے والے سود کو باپ بیٹے اور آقا و غلام کے سود کے ساتھ قیاس کرتے ہوئے اگر کوئی یہ دلیل دیتا ہے کہ: جس طرح حدیث ((اَلْوَلَدُ وَ مَالُهُ لِوَالِدِهِ)) کے مطابق باپ اپنی اولاد کے اموال کا مالک ہے اسی طرح حکومت بھی چونکہ لوگوں کے اموال اس کے دائرہ اختیار میں ہوتے ہیں اور حکومت کے مفادات عوام کے مفادات شمار ہوتے ہیں اس لئے عوام سے سود لے سکتی ہے،تو یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ (بنابر اجماع) اولاد کی ملکیت اور (ایک قول کے مطابق) غلام کی ملکیت ثابت شدہ ہے۔جو اس بات کی علامت ہے کہ استثناء کی علت مالک نہ ہونا نہیں ہے،ورنہ فرزند اور غلام مالی طور پر مستقل مالک ہونے کے باوجود مستثنٰی نہ ہوتے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ استثناء کی علت مالی

طور پر مستقل نہ ہوتا ہے پھر بھی آپ کی دلیل کمزور ہے اس لئے کہ یہ مسلم ہے کہ حکومت عوام کے اموال کی مالک نہیں ہے۔لوگ مالی طور پر خود اپنے اموال کے مستقل مالک ہیں اور اپنے ذاتی اموال سے حکومت کو سود ادا کرتے ہیں۔چنانچہ حکومت کے سود کو باپ بیٹے اور آقا و غلام کے سود کے ساتھ قیاس کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

اس کے علاوہ شرعی احکام اور حلال وحرام کا خیال رکھنا جس طرح سے عام لوگوں کی ذمہ داری ہے اسی طرح اسلامی حکومت کی بھی ذمہ داری ہے بلکہ اس سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داری زیادہ بھاری ہے، اس لئے کہ لوگوں کے کردار ورفتار میں حکومت کا زیادہ عمل دخل ہوتا ہے:

((اَلنَّاسُ عَلیٰ دِینِ مُلُوکِھِمْ)) اس کے علاوہ اسلامی حکومت کا ایک جانب لوگوں کو سود سے منع کرنا اور دوسری جانب انہی عوام سے سود وصول کرنا زیب نہیں دیتا ہے۔

سوم، حکومت تمام لوگوں سے برابر سود نہیں لیتی بلکہ صرف انہی لوگوں سے لیتی ہے جو حکومت سے قرضے لیتے ہیں۔اسی طرح قرض سے حاصل کردہ منافع کو بھی بطور مساوی تقسیم نہیں کرتی بلکہ ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے خرچ کرتی ہے۔چنانچہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ بعض لوگ سود لیتے ہیں اور بعض سود دیتے ہیں۔

چہارم، سود کی حرمت کی دلیل مطلق ہے جو حکومت کی جانب سے لینے والے سود کی حرمت پر بھی دلالت کرتی ہے۔بنابر ایں یہ کہنا کہ: دلیل حرمت کی دلالت کے لئے کثرت مال کی نہیں بلکہ کثرت استعمال شرط ہے۔کیونکہ جس وقت سود حرام ہوا تھا اس وقت شخصی اور ذاتی سود کا زیادہ رواج تھا، چنانچہ حرمت کی دلیل بجائے مطلق سود کے انفرادی اور ذاتی سود پر دلالت کرتی ہے، صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ظہور اسلام کے وقت عرب میں قبائلی نظام رائج تھا اور حکومت وعوام کے درمیان سودی لین دین کا پہلے سے کوئی طریقہ کار موجود نہیں تھا البتہ قبائل کے درمیان عمومی طور پر سودی قرضوں کا لین دین ہوتا تھا۔بنی مغیرہ پر بنی ثقیف کا سود واجب الاداء تھا وہ اسلام لانے کے بعد بھی ان سے سود وصول کرنا چاہتے تھے، مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور حکم نہ ماننے کی صورت میں ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔جزیرۃ العرب میں اسلام کی حاکمیت کے دوران پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں لوگوں کو سود پر قرضے کبھی نہیں دیے گئے، کسی کو اگر قرض کی ضرورت پڑتی تو انہیں قرض حسنہ یا مضاربہ کے لئے قرضے دیئے جاتے تھے۔چنانچہ تاریخ میں ملتا ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر نے عتبہ کی بیٹی ہند کو بیت المال سے تجارت کے لئے چار ہزار دینار قرضہ دیا اسی

طرح ابوموسیٰ اشعری نے خلیفۂ ثانی کے بیٹوں کو تجارت کے لئے بیت المال سے قرضے دیئے۔(۱)

سود لینا اگر جائز ہوتا تو یہ دونوں بزرگوار مذکورہ افراد سے سود لے لیتے اس لئے کہ سود لینا مسلمانوں کا وطیرہ نہیں تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کی حکومت آمدنی (Income) کے اعتبار سے کافی مستحکم تھی، عام لوگوں حتیٰ کہ ذمی افراد کو تجارت کے لئے قرضہ دینا اس وقت عام تھا اس کے باوجود بھی کسی سے سود لینے کا تذکرہ تاریخ میں نہیں ملتا ہے، جبکہ حکومت اپنی آمدن میں اضافہ کے لئے بطور مضاربہ لوگوں کو وقتاً فوقتاً قرضے دیتی رہتی تھی۔(۲)

تیسرا احتمال:

بالفرض حکومت اگر عوام سے ذاتی طور پر یا بونڈز (Bonds) وغیرہ کے ذریعے قرضہ لیتی ہے اور مغربی ممالک کی طرح اپنی عوام کی تشویق کے لئے کئی فی صد سود دیتی ہے تو مذکورہ دلیلوں کی روشنی میں یہ بھی حرام ہے۔اس لئے کہ سود ادا کرنے والا چاہے کوئی بھی ہو، سود ہی کہلاتا ہے۔

صدر اسلام میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ تھی اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے امور کی انجام دہی اور ان کے مسائل کے حل کے لئے کبھی کسی سے سود پر قرضہ نہیں لیا بلکہ سود لینے کے بجائے شرعی طریقوں سے مثلاً؛ دولت مندوں سے کئی سالوں کی زکات ایک ساتھ لے کر اپنی ضروریات پوری کرتے تھے، جو کہ دولت مندوں کی جانب سے بلاسود قرض کا ایک بہترین نمونہ تھا، کیونکہ وقت سے پہلے یکمشت زکات ادا کرنے کی وجہ سے ان کا سرمایہ کئی سالوں کے لئے محبوس ہو جاتا تھا۔(۳)

مذکورہ تمام مطالب سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ حکومت اور عوام کے درمیان کسی بھی طریقے سے سود کا لین دین کرنا جائز نہیں ہے۔ ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو ایک طرف اقتصادی معاملات میں منافع کی شرح تعین کرنے کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلامی حکومت کو موجودہ بینکنگ سسٹم کو سودی نظام کے تحت چلانے کے مشورے دیتے نہیں تھکتے!

---

(۱) الجامع فی اصول الربا،ص۲۰۳، ۲۹۳

(۲) الجامع فی اصول الربا،ص ۲۹۳، ۲۹۳

(۳) الجامع فی اصول الربا،ص۲۰۳

دوّم: مالیاتی و اقتصادی کمپنیوں کا سود

مالی اور اقتصادی کمپنیوں میں شریک افراد کے درمیان سود کے مسئلہ کے بارے میں تحقیق ضروری ہے۔ کیونکہ بعض علماء کے مطابق کاروبار میں شریک افراد کا بعض صورتوں میں ایک دوسرے سے سود لینا جائز ہے، جیسے:

ا۔ شرکت مفاوضہ میں سود:

کاروباری شراکت داری کی قسموں میں سے ایک شرکت مفاوضہ (۱) ہے جس میں دو افراد نفع اور نقصان میں بطور مساوی شراکت کی شرط کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوتے ہیں۔ شیعہ فقہاء اس قسم کی شرکت کو باطل سمجھتے ہیں، حتی کہ بعض فقہاء نے اس کے باطل ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ (۲)

اہلسنت کے فقہاء میں ظاہری، شافعی اور حنبلی مذہب کے بعض فقہاء بھی شیعوں کی طرح شرکت مفاوضہ کو باطل سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ شافعی اپنی کتاب ام میں تحریر کرتے ہیں کہ: شرکت مفاوضہ باطل ہے۔ اگر یہ شرکت باطل نہیں تو دنیوی امور میں سے کسی چیز کو میں باطل نہیں سمجھوں گا۔ ان کے برعکس حنفی اور حنبلی فقہاء شرکت مفاوضہ کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ حنفی علماء شرکت مفاوضہ میں سود کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

---

(۱) شرکت کی قسمیں: کتاب تذکرہ میں علامہ حلی فرماتے ہیں کہ شرکت کی چار قسمیں ہیں: شرکت عنان، شرکت ابدان، شرکت مفاوضہ اور شرکت وجوہ۔ ان کی تعریف کرتے ہوئے علامہ حلی فرماتے ہیں کہ:

۱۔ شرکت عنان: شرکت عنان یہ ہے کہ دو افراد مل کر کام کرنے اور منافع کمانے کی شرط کے ساتھ سرمایہ لگاتے ہیں۔

۲۔ شرکت ابدان: دو یا دو سے زیادہ افراد ایک دوسرے کی کمائی میں شریک ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ایک علیحدہ کمائی کرتے ہیں پھر اپنی اپنی کمائی کو مخلوط کر کے آپس میں بطور مساوی یا پھر حسب قرارداد تقسیم کرتے ہیں۔

۳۔ شرکت مفاوضہ: اس شرکت میں دو شخص ایک دوسرے کے تمام مال و جائداد اور کمائی اور ایک دوسرے کے نقصانات میں مساوی شریک ہوتے ہیں۔ اس شرکت کے تحت دو میں سے ایک کو غصب، جنایت، ضمانت یا کفالت کی وجہ سے نقصان پہنچے تو دونوں مساوی طور پر اس نقصان کو برداشت کرتے ہیں۔ اسی طرح دو میں سے ایک کو اگر ارث، معدن ہاتھ لگنے، لقطہ یا تجارت کے ذریعے کوئی فائدہ حاصل ہو جائے تو دونوں برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں۔

۴۔ شرکت وجوہ: لوگوں میں دو معتبر افراد جن کے پاس کاروبار کے لئے سرمایہ نہیں ہوتا، ایک دوسرے کے ساتھ چیزیں بطور نسیہ خریدنے پھر انہیں فروخت کر کے حاصل ہونے والے سرمایہ کو آپس میں برابر تقسیم کرنے کا معاہدہ کرتے ہیں۔ علامہ حلی فرماتے ہیں کہ ان چاروں قسموں میں صرف شرکت عنان صحیح باقی باطل ہیں۔ (الحدائق الناضرہ، جلد ۲۱، ص ۱۵۸، ۱۵۹)

(۲) جواہر الکلام، جلد ۲۶، ص ۲۹۸

وضاحت:

فرض کیجئے کہ شرکت مفاوضہ میں شریک دو افراد ایک دوسرے کو سو روپے سود ادا کرتے ہیں تو شرکت مفاوضہ کی شرط کے مطابق (نفع اور نقصان میں تمام افراد برابر شریک ہوتے ہیں) ہر ایک کی جیب سے پچاس روپے جاتے ہیں۔دوسری جانب ہر شریک سو روپے سود لیتا ہے تو دونوں کی جیب میں پچاس روپے آجاتے ہیں،گویا شرکت مفاوضہ میں شریک افراد کی جیب سے اگر پچاس روپے جائے تو دوسری جانب ہر ایک کی جیب میں پچاس روپے آرہے ہوتے ہیں۔ان میں سے ہر ایک جتنا ادا کرتا ہے اتنا وصول بھی کرتا ہے اس لئے ان کے مال میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوتی ہے۔جوکہ سود کی صوری قسم ہے جس کے صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔شرکت مفاوضہ میں شریک تمام افرادایک شخص کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ان کے درمیان سود پر حرام سود کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔(۱)

شیعہ فقہ میں شرکت مفاوضہ چونکہ باطل ہے اس لئے اس قسم کی شرکت کے سود کے جائز ہونے یاحرام ہونے کی بحث کرنا فضول ہے۔اس کے باوجود شرکت مفاوضہ بالفرض صحیح بھی ہو تب بھی جن دلیلوں کی بنیاد پر اس کے سود کو جائز سمجھا جاتا ہے وہ مخدوش ہیں،کیونکہ:

۱۔سود کی وصولی اور ادائیگی کی مقدار برابر کا ہونا اس کے جواز کے لئے دلیل نہیں بنتی ہے،کیونکہ بالفرض اگر زید اور بکر میں سے ہر ایک سو روپے سود ادا کرنے کی شرط پر ہزار روپے ایک مہینہ کے لئے ایک دوسرے کو قرضہ دے تو اس صورت میں بھی دونوں کے مال میں (Zero Percent) بھی اضافہ نہیں ہوتا ہے۔اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک سود دینے اور لینے کے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

۲۔شرکت مفاوضہ میں شریک افراد تمام اموال کی ملکیت میں بطور مساوی شریک ہونے کے باوجود ہر ایک علیحدہ فرد شمار نہیں ہوتا ہے کیونکہ ہر قسم کی وصولی اور ادائیگی اس میں شریک تمام افراد کی جانب سے ہوتی ہے۔چنانچہ حرمت سود کے تمام اطلاقات اور عمومات اس مورد کو بھی شامل ہیں۔

۲۔ذاتی کمپنیوں کا سود

جیسے جیسے اقتصادی سرگرمیاں پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جارہی ہیں اور ان میں شریک افراد کے درمیان مختلف عنوانات کے تحت سود کے لین دین میں اضافہ ہو رہا ہے،اسی حساب سے سود کے موضوع کی تشخیص

---

(۱) الجامع فی اصول الربا، ص۱۹۳-۱۹۷

بھی مشکل سے مشکل تر ہوتی جارہی ہے۔جن میں سے بعض کے جواز پر فقہاء بحث کرتے ہیں ان میں سے ایک 'پرائیویٹ کمپنیوں کا سود ہے۔جسے بعض فقہاء خاص شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں اور اسے صوری ربا کا نام دیتے ہیں۔ہم یہاں پرائیویٹ کمپنیوں کے سود کی دو مثالوں کے ضمن میں وضاحت کرتے ہیں:

الف:) کبھی تجارتی یا صنعتی کمپنی کا سربراہ (Manager) کمپنی کو وسعت دینے کے لئے اس کے مالک سے مزید مالی معاونت کی درخواست کرتا ہے۔مالک چونکہ کمپنی کو وسعت دینے کے حق میں نہیں ہے اس لئے وہ بازار یا بین الاقوامی شرح سود کے مطابق کمپنی کو قرضہ دیتا ہے اور مالی سال کے آخر میں ہر قسم کا نفع ونقصان مالک ہی کے حساب (Account) سے جاتا ہے اس لئے حقیقت میں مالک سود دیتا بھی ہے اور وصول بھی کرتا ہے۔

ب:) کبھی پرائیویٹ کمپنی اتنی وسیع ہوتی ہے کہ ایک مرکزی ادارہ کے تحت کئی کمپنیاں یا ادارے کام کررہے ہوتے ہیں،یہ ذیلی ادارے یا کمپنیاں کبھی ایک دوسرے سے اور کبھی مرکزی ادارہ سے سودی لین دین کرتے ہیں۔

اشکال:

پہلی صورت (الف) میں مالک کی جانب سے اپنی ہی کمپنی کو قرضہ دینا، قرضہ شمار نہیں ہوتا ہے کیونکہ کمپنی کا منیجر یا تو مالک کا تنخواہ دار یا پھر مالک کا وکیل ہوتا ہے اور مالک سے ذاتی طور پر قرضہ نہیں لیتا ہے یعنی درحقیقت مالک اپنی کمپنی کے منیجر کو ذاتی قرضہ نہیں دیتا ہے، لہٰذا یہاں قرض واقع ہی نہیں ہوتا ہے۔چنانچہ سود کی شرط بھی شرعاً کالعدم ہوجاتی ہے کیونکہ خارج میں قرضہ لینے والا کوئی بھی موجود نہیں ہے بلکہ مالک اپنے منیجر کو کچھ دیتا ہے وہ بطور امانت دیتا ہے۔

دوسری صورت (ب) میں،مرکزی ادارہ (Head Office) اپنی ذیلی کمپنیوں کو یا پھر ذیلی کمپنیاں آپس میں ایک دوسرے سے قرضے لیتی ہیں اور سود ادا کرتی ہیں تو اس صورت میں بھی مرکزی اور ذیلی کمپنیوں کے تمام ذمہ داران (Directors & Managers) مالک کے ملازم یا پھر وکیل ہوتے ہیں،یوں اس صورت میں بھی قرض نہیں کہلاسکتا اور یہ مال مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا ہے۔چنانچہ اس صورت میں بھی سود کی شرط لغو ہوجاتی ہے اور شرعی اعتبار سے کوئی ضامن بھی نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ مشترکہ کمپنی کا سود

الف:) کمپنی اور حصہ داروں کے درمیان سود: مشترکہ کمپنیاں اپنی سرگرمیاں (Activities) بڑھانے کے لئے بونڈز (Bonds) وغیرہ فروخت کرنے یا دوسرے افراد کو کمپنی میں شریک کرنے کی بجائے موجودہ حصہ داروں سے قرض مانگتی ہیں اور وہ بھی معین شرح سود پر کمپنی کو قرضے دیتے ہیں۔ بعض فقہاء درج ذیل شرائط کے ساتھ حصہ داروں کی جانب سے لینے والے سود کو جائز سمجھتے ہیں:

ا۔ لیا جانے والا قرضہ، حصہ داروں (Share Holders) کے حصے (Share) کے تناسب سے ہو۔

۲۔ نقصانات کی طرح منافع کی تقسیم بھی حصہ داروں کے حصہ (Share) کی تناسب سے ہو۔

ب:) بھی مشترکہ کمپنی (شرکت) بھی ایک مرکزی اور کئی ذیلی کمپنیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ہر ذیلی کمپنی کے حسابات اگرچہ علیحدہ ہوتے ہیں مگر مالی سال (Financial Year) کے آخر میں مجموعی طور پر نفع ونقصان کے حسابات کے بعد حصہ داروں کو ان کا حصہ دیا جاتا ہے۔

کبھی بعض ذیلی کمپنیاں اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسری ذیلی کمپنیوں یا پھر مرکزی کمپنی سے سود پر قرضے لیتی ہیں۔ ذیلی کمپنی کی جانب سے ادا کیا جانے والا سود قرضہ دینے والی کمپنی کے لئے منافع اور سود ادا کرنے والی کمپنی کا خرچہ شمار ہوتا ہے، مگر حصہ داروں کی نسبت یہ حقیقی سود اور نقصان شمار نہیں ہوتا کیونکہ قرض دینے اور لینے والی دونوں کمپنیاں انہی کی ملکیت ہوتی ہیں۔

اشکال:

پہلی صورت (الف) کے مطابق مشترکہ کمپنی (شرکت) اگر اپنے حصہ داروں (Share Holders) سے قرضہ لیتی ہے اور انہیں اس کے عوض سود ادا کرتی ہے تو اس کے جواز کے لئے درج ذیل شرائط کو مدنظر رکھنا ضروری ہے:

ا۔ کمپنی اپنے تمام حصہ داروں سے بغیر کسی استثناء کے قرضہ لے کیونکہ حصہ داروں میں سے کسی ایک سے قرضہ نہ لینے کی صورت میں اس کے حصہ سے دوسروں کو (جنہوں نے قرضے دئے ہیں) ادا کرنے والا منافع حرام سود کے زمرے میں آتا ہے۔

۲۔ تمام حصہ داروں سے ان کے حصہ کی تناسب سے قرضہ لیا جائے۔

۳۔ نقصانات (Losses)، مخارج (Expenses) اور منافع (Profits) کی تقسیم بندی تمام حصہ داروں کے حصص (Shares) کی تناسب سے ہو۔ کیونکہ اگر ایک حصہ دار اپنے حصہ سے زیادہ منافع

اٹھاتا ہے تو وہ دوسروں کی نسبت کم خرچ (Expense) ادا کرتا ہے، اسی طرح اگر اپنے حصہ کی نسبت سے کم منافع لیتا ہے تو دوسروں کے لئے منافع کا زیادہ خرچہ ادا کرتا ہے، یہ بھی سود کے موارد میں سے ہے۔

۴۔ کمپنی اگر چند مخصوص لوگوں کی ملکیت ہے تو ان سے قرضہ لے کر سود ادا کرنے تک ان کی ملکیت میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہونا چاہئے تاکہ جو منافع اٹھاتا ہے اسی سے وصول بھی کر سکے۔لیکن اگر کمپنی مخصوص افراد کی ملکیت نہ ہو بلکہ عمومی ہو جس کے حصص (Shares) اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) میں آزادانہ خرید وفروخت ہوتے ہوں تو سرمایہ کے حساب سے تمام حصہ داروں سے قرض لینا (جن کا ایک گروہ مسلسل تبدیل ہوتا رہتا ہے) اگر ناممکن نہ ہو تو مشکل ضرور ہے۔

مذکورہ تمام شرائط کو پورا کرنا بہت ہی مشکل ہے اس لئے کمپنی کے حصہ داروں سے سود پر قرضہ لینے کے بجائے ان سے بلاسود قرضہ لے کر خود کو اس جھنجھٹ میں ڈالنے اور مشکل شرائط کو پورا کرنے کے عذاب سے نجات دے سکتے ہیں۔اس کے علاوہ چاہے سودی قرضہ لے یا غیر سودی، کمپنی کی اقتصادی حالت (Economy) کو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کیونکہ چاہے سود پر قرضہ دیں یا غیر سود پر دونوں صورتوں میں کمپنی کے حصہ داروں کو برابر منافع ملتا ہے۔

مثلاً، ایک کمپنی کے تین (A,B,C) حصہ دار ہیں اور کمپنی کا کل سرمایہ پانچ سو روپے ہے۔جس میں سے A اور B بالترتیب دو دو سو اور C سو روپے کا حصہ دار ہے۔کمپنی اگر اپنے حصہ داروں سے ان کے حصص کی تناسب سے پانچ سو روپے بیس فیصد شرح سود پر قرضہ لیتی ہے تو اس کا کل سرمایہ ایک ہزار روپے بنتا ہے۔یوں کمپنی کو اگر مالی سال کے آخر میں پانچ سو روپے کا منافع ہوتا ہے تو اس میں سے سو روپے قرض کے سود کے عنوان سے منہا ہوتے ہیں اور باقی چار سو روپے کھاتہ داروں میں ان کے حصے کی تناسب سے تقسیم ہوتے ہیں۔دوسری جانب سو روپے کمپنی کی آمدنی شمار ہوتے ہیں اور وہ بھی حصہ داروں میں تقسیم ہوں گے۔

کل منافع: ۱۰۰

خالص منافع: ۵۰۰-۱۰۰=۴۰۰

۴۰۰x۱/۵=۸۰

۱۰۰x۱/۵=۲۰

C کا حصہ ۸۰+۲۰=۱۰۰

۴۰۰x۲/۵=۱۶۰

۱۰۰x۲/۵ =۴۰

maablib.org

A اور B میں سے ہر ایک کا حصہ......۲۰۰ = ۴۰+۱۶۰

سود کے بغیر قرض لینے کی صورت میں بھی ہر ایک کو اتنا ہی منافع ملتا ہے:

خالص منافع : ۵۰۰

C کا حصہ: ۱۰۰= ۵۰۰x۱/۵

A اور B میں سے ہر ایک کا حصہ ۲۰۰ = ۵۰۰x۲/۵

دوسری صورت (ب) میں بھی مرکزی یا ذیلی کمپنیوں سے سود پر قرضہ لینے کی صورت میں کمپنی کے سرمایہ کا ایک حصہ ایک سے دوسرے شعبے میں منتقل ہوتا ہے اور چونکہ کمپنی کے ڈائریکٹر اور منیجر وغیرہ حصہ داروں کے ملازم یا وکیل ہیں اور وہ اپنے لئے قرضہ نہیں لیتے ہیں اور تمام ذیلی کمپنیاں مستقل نہیں بلکہ حصہ داروں کی ملکیت میں ہیں اس لئے جو لین دین واقع ہوا ہے وہ قرض نہیں بلکہ بطور امانت ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ میں سرمایہ منتقل ہونے کے مترادف ہے۔ چنانچہ سود کی شرط شرعاً کالعدم ہے۔

کلی اشکالات:

مشترکہ اور مخصوص کمپنیوں کے مختلف شعبوں کے سود پر ہونے والے اشکالات کے علاوہ کئی عمومی اشکالات بھی وارد ہوتے ہیں:

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی اقتصادی ماہرین کے اس نظریہ پر ''شرح منافع کی تعیین، اقتصادی امور کو بہتر انداز میں سمجھنے اور تولید و مصرف کو منظم کرنے کا صحیح ذریعہ ہے'' بعض دوسرے اقتصادی ماہرین اشکال کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ بالفرض اگر یہ نظریہ کہ ''شرح منافع تعیین کرنا اقتصادی امور کو بہتر انداز میں سمجھنے کا ذریعہ ہے'' صحیح ہے تو ایسے ممالک مثلاً: امریکہ اور یورپ وغیرہ میں کارآمد ہے جہاں پہلے سے سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہے، اور شرح منافع بازار میں رائج اقتصادی نظام کے تحت خود بخود معین ہوتا ہے جبکہ کسی بھی اسلامی ملک میں حقیقی اور صاف وشفاف رسمی شرح منافع کا کوئی نظام موجود نہیں ہے بلکہ جو نظام رائج ہے وہ بازار کے غیر رسمی شرح منافع کا تخمینہ ہے۔ چنانچہ اس بہانہ سے سود کھانا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ اقتصادی امور کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے کسی کمپنی سے سود لینے اور کسی کو دینے کی ضرورت

---

(۱) بانکداری ربوی موجد تورم وعامل اصلی عدم تعادل اقتصادی، ایرج توتونچیان، موسسہ تحقیقات پولی و بانکی، ص۱۲۷-۱۶۹؛ پس انداز وسرمایہ گذاری در اقتصاد اسلامی، سید عباس موسویان، ص۷۵-۹۰

نہیں بلکہ کمپنی کا اکاونٹنٹ (Accountant) خالص منافع کو کمپنی کی مصنوعات سے موازنہ کرکے سمجھ سکتا ہے۔یعنی سرمایہ کے وقت (Time Period) کی قیمت (شرح منافع) کو حاصل شدہ منافع سے کم کرکے خالص منافع کو الگ کرسکتا ہے۔اس صورت میں کسی قسم کا سود ادا کئے بغیر کمپنی کے تمام عہدیداروں کا پیداواری تخمینہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔مگر یہ کہ کوئی یہ کہے کہ سود لینے کی وجہ کمپنی کے منیجر اور دوسرے عہدیداروں کو اقتصادی اہداف حاصل کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے،جو کہ انہیں حقیقی صورت میں قرضہ دئے بغیر اوران سے حقیقی سود لئے بغیر ممکن نہیں ہے۔جس پر گزشتہ اشکالات کے علاوہ یہ اشکال بھی ہوتا ہے کہ یہ کام کمپنی کی ملکیت کواس کے اندر کام کرنے والے ماتحت افراد کی تحویل میں دینے کا باعث بنتا ہے جو شارع کی نظر میں بھی حرام ہے۔

۴۔اس قسم کا سود شرعی اعتبار سے اگر صحیح بھی ہو تو شرح منافع کی تعیین وترویج کرنا اسلامی ممالک کی اقتصاد اور اقتصادی معاملات اور ان کے معیارات کو کنٹرول کرنے کا بہترین ہتھیار بن سکتا ہے اور لوگوں کو سودخوری کی ترغیب اور بہت سے دوسرے مفاسد کا باعث بنتا ہے۔

maablib.org

فہرست مطالب

۱	پیش لفظ	۵
۲	مقدمہ	۱۱
۳	ربا پر تحقیق اور گفتگو کی ضرورت	۱۳
۴	الف: ربا (کے موضوع) کی اہمیت	۱۳
۵	ب: ربا کے بارے میں مختلف شبہات اور ان کے جوابات	۱۴

پہلا باب: ربا کا تاریخی پس منظر

	پہلی فصل: ربا گذشتہ ادیان اور معاشروں میں	۱۹
۶	ا۔ ربا ماضی کے معاشروں میں:	۲۰
۷	ربا سومر میں	۲۰
۸	ربا مصر میں	۲۰
۹	ربا قدیم ایران میں	۲۰
۱۰	ربا ہندوستان اور چین میں	۲۱
۱۱	ربا یونان میں	۲۲
۱۲	افلاطون	۲۲
۱۳	ارسطو	۲۲

۱۴	یونانیوں میں سودی قرض کی قسمیں:	۲۳
۱۵	ا۔ بری یا عادی قرضے	۲۳
۱۶	۲۔ دریائی یا بحری قرضے	۲۳
۱۷	قدیم روم میں سودی لین دین:	۲۳
۱۸	۲۔ مختلف ادیان میں ربا کی حرمت:	۲۴
۱۹	ا۔ یہودیت میں ربا کی حرمت	۲۴
۲۰	۲۔ ربا عیسائیت میں	۲۵
۲۱	کلیسا کے پادریوں کا نظریہ	۲۶
۲۲	عیسائیت میں سود خوری کی ابتدا	۲۷
۲۳	کالوین	۲۸
۲۴	ڈیمولان	۲۹
۲۵	بوزولد	۲۹
۲۶	سالمازیوس	۳۰
۲۷	ربا کے خلاف آخری جنگ	۳۲
	دوسری فصل: ربا جزیرۃ العرب میں	۳۵
۲۸	جزیرۃ العرب کے مشہور سودی لین دین کے مراکز:	۳۷
۲۹	ا۔ مکہ	۳۷
۳۰	۲۔ طائف	۳۷
۳۱	۳۔ مدینہ	۳۸
۳۲	ربائے جاہلیت کی حقیقت	۳۹
۳۳	ربائے جاہلیت کی اقسام:	۴۰
۳۴	ا۔ یہودیوں میں رائج سود	۴۰
۳۵	۲۔ مسیحیوں میں رائج سود	۴۱
۳۶	۳۔ قرض کے ساتھ مشروط سود	۴۱

۳۷	۴۔ ماہانہ ادائیگی کے ساتھ مشروط سود	۴۲
۳۸	۵۔ بیع نسیہ اور سود	۴۲
۳۹	۶۔ بیع سلف میں سود	۴۳
۴۰	۷۔ حیوانات میں ''عمر رسیدہ'' کا مطالبہ	۴۳
۴۱	۸۔ مدت مہلت میں اضافہ پر سود	۴۴
۴۲	۹۔ مہلت میں اضافہ کے عوض مال کو دگنا ادا کرنا	۴۴
۴۳	۱۰۔ روز مرہ ضروریات کے لئے لینے والے قرضوں پر سود	۴۵
۴۴	۱۱۔ تولیدی اور تجارتی قرضوں پر سود	۴۵
۴۵	نتیجہ	۴۶

دوسرا باب: ربا قرآن وسنت میں

	فصل اول: ربا قرآن کی نظر میں	۴۹
۴۶	ربا کا لغوی معنی	۴۹
۴۷	قرآن میں ربا کی حرمت کا قانون	۵۱
۴۸	نظریہ تدریج کے قائلین کے مطابق آیات ربا کی زمانی ترتیب وتفسیر:	۵۳
۴۹	الف: سورۂ مدثر آیات ۲ تا ۶:	۵۳
۵۰	تاریخ وشان نزول	۵۳
۵۱	وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کی تفسیر	۵۴
۵۲	نتیجہ	۵۶
۵۳	ب: سورۂ روم آیت ۳۹:	۵۷
۵۴	زمان نزول	۵۷
۵۵	آیت کی تفسیر	۵۷
۵۶	نتیجہ	۶۱
۵۷	ج: سورۂ نساء آیات ۱۶۰ و ۱۶۱	۶۲

۵۸	شان نزول	۶۲
۵۹	آیت کی تفسیر	۶۳
۶۰	نتیجہ	۶۴
۶۱	د: سورۂ آل عمران آیات ۱۳۰ و ۱۳۱	۶۵
۶۲	شان نزول	۶۵
۶۳	تفسیر:	۶۵
۶۴	لَا تَاْكُلُوْا	۶۶
۶۵	اَلرِّبٰوا	۶۶
۶۶	اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً "دگنا چگنا اضافہ"	۶۶
۶۷	دو نظریات کا رد:	۷۰
۶۸	پہلا نظریہ: صرف تجدید مہلت کے بدلے سود لینا حرام ہے	۷۰
۶۹	اس نظریہ پر اعتراض	۷۲
۷۰	دوسرا نظریہ: صرف مرکب سود یا سود در سود حرام ہے	۷۴
۷۱	اس نظریہ پر اعتراض	۷۶
۷۲	نظریہ تدریج کا نتیجہ	۸۱
۷۳	ہ: سورۂ بقرہ آیات ۲۷۵ تا ۲۸۱	۸۳
۷۴	ترجمہ	۸۳
۷۵	زمان نزول	۸۳
۷۶	ربا اور انفاق کا تعلق	۸۳
۷۷	تفسیر آیت :۲۷۵	۸۵
۷۸	يَاْكُلُوْنَ	۸۵
۷۹	اَلرِّبٰوا	۸۵
۸۰	لَا يَقُوْمُوْنَ	۸۶
۸۱	ذٰلِكَ	۸۸

۸۲	إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا	۸۹
۸۳	پہلا نکتہ	۹۰
۸۴	دوسرا نکتہ	۹۰
۸۵	وَ أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا	۹۱
۸۶	وَ أَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ	۹۳
۸۷	وَمَنْ عَادَ فَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	۹۵
۸۸	ایمان کی اقسام	۹۶
۸۹	اول۔صوری (دکھاوے کا) ایمان	۹۶
۹۰	دوم۔حقیقی ایمان	۹۶
۹۱	تفسیر آیت: ۲۷۶	۹۷
۹۲	صدقات کے دنیوی فائدے	۹۹
۹۳	صدقات کے اخروی فائدے	۱۰۰
۹۴	تفسیر آیت: ۲۷۸	۱۰۱
۹۵	شان نزول	۱۰۱
۹۶	تفسیر	۱۰۳
۹۷	تفسیر آیت: ۲۷۹	۱۰۵
۹۸	تفسیر	۱۰۵
۹۹	سود خوروں کا مقابلہ	۱۰۷
۱۰۰	لَا تَظْلِمُوْنَ	۱۰۹
۱۰۱	تفسیر آیت: ۲۸۰	۱۱۰
۱۰۲	شان نزول	۱۱۰
۱۰۳	تفسیر	۱۱۱
۱۰۴	اعسار (تنگدستی) کی حد	۱۱۱
۱۰۵	میسرہ (فراخی)	۱۱۱

۱۰۶	نَظِرَۃٌ (انتظار)	۱۱۲
۱۰۷	تصدق (صدقہ دینا)	۱۱۳
۱۰۸	تفسیر آیت : ۲۸۱	۱۱۳
۱۰۹	زمان نزول	۱۱۴
۱۱۰	تفسیر	۱۱۵
۱۱۱	سود خوری بدترین گناہ	۱۱۵
۱۱۲	سورہ بقرہ کی آیات کس قسم کے سود کو حرام کرتی ہیں؟	۱۱۶
۱۱۳	صحیح قول	۱۱۸
۱۱۴	پہلے قول کا جواب	۱۱۹
۱۱۵	تیسرے قول کے دلائل کا جواب	۱۱۹
	دوسری فصل : ربا پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کی سنت میں	۱۲۱
۱۱۶	ربا کی مذمت میں چند احادیث :	
۱۱۷	۱۔ سود کھانا گناہان کبیرہ میں سے ہے	۱۲۱
۱۱۸	۲۔ بدترین کسب' سود کی کمائی	۱۲۲
۱۱۹	۳۔ ربا ایک پیچیدہ معاملہ	۱۲۳
۱۲۰	۴۔ سود خوری کے بہانے	۱۲۳
۱۲۱	۵۔ سود خور کا انجام	۱۲۳
۱۲۲	۶۔ سود پر گواہ بننے اور کتابت کی حرمت	۱۲۵
۱۲۳	۷۔ سود کے حرام ہونے کی علت	۱۲۶

تیسرا باب : ربا کی اقسام

	پہلی فصل : معاملی ربا (معاملات میں واقع ہونے والا سود)	۱۳۱
۱۲۴	معاملی ربا کی تعریف	۱۳۱
۱۲۵	منصوص ربوی اشیاء	۱۳۲

۱۲۶	معاملی ربا کی شرائط:	۱۳۳
۱۲۷	پہلی شرط: عوضین کا مکیل وموزون ہونا	۱۳۳
۱۲۸	کیا معاملی ربا صرف مکیل وموزون میں ہی منحصر ہے؟	۱۳۴
۱۲۹	۱۔ مشہور فقہاء کا نظریہ	۱۳۵
۱۳۰	۲۔ مشہور فقہاء کے برعکس بعض فقہاء کا نظریہ	۱۳۵
۱۳۱	۳۔ شہید اولؒ، محققؒ اور صاحب جواہرؒ کا نظریہ	۱۳۶
۱۳۲	۴۔ شیخ طوسیؒ، ابن حمزہؒ اور عمانیؒ کا نظریہ	۱۳۶
۱۳۳	معدود کسے کہتے ہیں؟	۱۳۶
۱۳۴	مستند اقوال	۱۳۹
۱۳۵	جواز	۱۳۹
۱۳۶	(تحریم) حرمت (معدودات میں ربا کی حرمت کے دلائل)	۱۳۹
۱۳۷	۱۔ ربا کے لفظ کا اطلاق	۱۳۹
۱۳۸	۲۔ صحیحہ محمد بن مسلم	۱۴۰
۱۳۹	۳۔ صحیحہ ابن سکان	۱۴۰
۱۴۰	مذکورہ دلائل کا جواب	۱۴۱
۱۴۱	چند نکات کا بیان	۱۴۳
۱۴۲	قول تفصیل (معدودات میں نقد معاملہ جائز جبکہ غیر نقد حرام ہے):	۱۴۷
۱۴۳	۱۔ صحیحہ زرارہ	۱۴۷
۱۴۴	۲۔ صحیحہ عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ	۱۴۷
۱۴۵	بعض روایات جو ان دونوں روایتوں سے مقید کی صلاحیت چھین لیتی ہیں:	۱۴۸
۱۴۶	۱۔ صحیحہ زرارہ	۱۴۸
۱۴۷	۲۔ موثقہ سعید بن یسار	۱۴۸
۱۴۸	کراہت	۱۴۹
۱۴۹	ناپ تول کا معیار	۱۴۹

۱۵۰	دوسری شرط: جنس میں اتحاد	۱۵۱
۱۵۱	موثقہ سماعہ	۱۵۱
۱۵۲	موثقہ منصور بن حازم	۱۵۱
۱۵۳	چیزوں کے ہم جنس ہونے کا معیار	۱۵۲
۱۵۴	ا۔ نام میں اتحاد	۱۵۲
۱۵۵	ا۔ مبداء میں اتحاد	۱۵۲
۱۵۶	اضافہ سے مراد	۱۵۳
۱۵۷	معاملی ربا کی اقسام:	۱۵۴
۱۵۸	الف: نقد معاملات میں سود	۱۵۴
۱۵۹	ب: نسیہ معاملات میں سود	۱۵۵
۱۶۰	معاملی ربا کی عمومیت	۱۵۶
۱۶۱	عمومیت کے دلائل	۱۵۷
۱۶۲	الف: عمر بن یزید کی صحیح روایت	۱۵۸
۱۶۳	ب: لَا یَکُوْنُ الرِّبَا اِلَّا فِیْ مَا یُکَالُ اَوْ یُوْزَنُ	۱۵۸
۱۶۴	ج: ابو بصیر کی صحیح روایت	۱۵۹
۱۶۵	د: محمد بن مسلم کی صحیح حدیث	۱۵۹
۱۶۶	سود کی حرمت تجارت کے ساتھ مخصوص ہونے کے دلائل	۱۶۰
۱۶۷	سودی لین دین کی صحت وفساد	۱۶۱
۱۶۸	معاملی ربا کی حرمت کی علت	۱۶۶
۱۶۹	معاملی ربا کی حرمت کے بارے میں اہلسنت کے مختلف مذاہب کے نظریات:	۱۶۹
۱۷۰	مذہب حنبلی	۱۶۹
۱۷۱	پہلا نظریہ	۱۷۰
۱۷۲	اس نظریے کے حق میں دلائل	۱۷۰
۱۷۳	دوسرا نظریہ	۱۷۰

۱۷۴	اس نظریے کے حق میں دلائل	۱۷۱
۱۷۵	تیسرا نظریہ	۱۷۱
۱۷۶	اس نظریے کے حق میں دلائل	۱۷۱
۱۷۷	مذہب مالکی	۱۷۲
۱۷۸	مذہب حنفی	۱۷۳
۱۷۹	الف: نقد معاملات میں ربا کی علت	۱۷۳
۱۸۰	ب: نسیہ معاملات میں ربا کی علت	۱۷۵
۱۸۱	مذہب شافعی	۱۷۶
۱۸۲	سونا اور چاندی میں ربا کی علت	۱۷۶
۱۸۳	سونا اور چاندی کے علاوہ چیزوں میں ربا کی علت	۱۷۷
۱۸۴	مذہب ظاہری	۱۸۰
۱۸۵	مذکورہ مذاہب کے نظریات پر اشکالات	۱۸۲
۱۸۶	معاملی ربا کی حرمت کی حکمت	۱۸۵
۱۸۷	اہلسنت کے علماء کا نظریہ	۱۸۸
۱۸۸	ا۔ ابن قیم	۱۸۸
۱۸۹	۲۔ رشید رضا	۱۹۲
۱۹۰	مذکورہ نظریات پر اشکالات	۱۹۳
۱۹۱	بعض شیعہ فقہاء کا نظریہ:	۱۹۶
۱۹۲	آیت اللہ شہید مطہریؒ کا نظریہ	۱۹۶
۱۹۳	آیت اللہ ناصر مکارم شیرازیؒ کا نظریہ	۱۹۶
۱۹۴	چند اہم نکات:	۱۹۷
۱۹۵	پہلا نکتہ	۱۹۸
۱۹۶	دوسرا نکتہ	۱۹۸
۱۹۷	تیسرا نکتہ	۲۰۰

	دوسری فصل: قرضی ربا	۲۰۳
۱۹۸	قرض کی تعریف	۲۰۳
۱۹۹	قرض اور دَین میں فرق	۲۰۳
۲۰۰	دَین کے دو اسباب ہیں	۲۰۳
۲۰۱	قرض کا معنی	۲۰۳
۲۰۲	قرض کا تذکرہ قرآن میں	۲۰۵
۲۰۳	قرض دینا سنت کی رو سے	۲۰۹
۲۰۴	قرض دینا ہم خرما ہم ثواب	۲۱۱
۲۰۵	قرض اور دوسرے عقود و معاملات میں فرق:	۲۱۱
۲۰۶	ا۔ قرض اور بیع	۲۱۲
۲۰۷	۲۔ قرض اور سلف	۲۱۲
۲۰۸	۳۔ قرض اور امانت	۲۱۳
۲۰۹	۴۔ قرض اور ہبہ	۲۱۴
۲۱۰	۵۔ قرض اور عاریہ	۲۱۴
۲۱۱	۶۔ قرض اور اجارہ	۲۱۵
۲۱۲	قرض کا حکم	۲۱۶
۲۱۳	قرض دینا	۲۱۶
۲۱۴	قرض لینا	۲۱۷
۲۱۵	تجارت کے لئے قرض لینا	۲۲۰
۲۱۶	کونسے اموال بطور قرضہ دیئے جاسکتے ہیں؟	۲۲۱
۲۱۷	مثلیات کا قرض	۲۲۳
۲۱۸	قیمیات کا قرض	۲۲۳
۲۱۹	قیمیات میں قرض کی ادائیگی کی کیفیت	۲۲۵
۲۲۰	مذکورہ نظریات پر اعتراضات	۲۲۷

۲۲۱	توضیح	۲۲۸
۲۲۲	بطور قرض دی جانے والی چیزوں کی شرائط	۲۳۰
۲۲۳	قرض میں مدت کی تعیین	۲۳۱
۲۲۴	پہلی صورت	۲۳۱
۲۲۵	دوسری صورت	۲۳۱
۲۲۶	الف: عقد قرض حال ہے	۲۳۱
۲۲۷	ب: قرض کا مدت دار ہونا	۲۳۳
۲۲۸	قرض کے مدت دار ہونے کے حق میں دلائل	۲۳۳
۲۲۹	۱۔ آیت دَین	۲۳۳
۲۳۰	۲۔ ثواب اعمال کی حدیث	۲۳۴
۲۳۱	۳۔ حسین بن سعید کی روایت	۲۳۵
۲۳۲	۴۔ عقد اور شرط کی پابندی واجب ہونے کی دلیل	۲۳۶
۲۳۳	قرض لوٹانے کی اہمیت	۲۳۷
۲۳۴	قرض کیسے ادا کیا جائے؟	۲۴۰
۲۳۵	قرض کے چند متفرق مسائل	۲۴۰
۲۳۶	اعسار (تنگدستی) کا حکم	۲۴۳
۲۳۷	سرمایہ کاری اور مصرفی قرضوں میں ربا کی حرمت	۲۴۷
۲۳۸	کاروباری قرضوں میں ربا کو حرام سمجھنے والوں کے دلائل	۲۴۸
۲۳۹	پہلی دلیل	۲۴۸
۲۴۰	دوسری دلیل	۲۴۸
۲۴۱	تیسری دلیل	۲۴۹
۲۴۲	مذکورہ دلائل کا جواب:	۲۴۹
۲۴۳	پہلی دلیل کا جواب	۲۴۹
۲۴۴	دوسری دلیل کا جواب	۲۵۱

۴۳۵	الف: آیات	۳۵۱
۴۳۶	ب: روایات	۳۵۲
۴۳۷	تیسری دلیل کا جواب	۳۵۳
۴۳۸	چند اہم فروع:	۳۵۵
۴۳۹	۱۔ اضافہ کی ہر قسم سود ہے	۳۵۵
۲۵۰	۲۔ قرض کے معاملے اور عقد سے ہٹ کر اضافہ کی شرط کرنا	۳۵۷
۲۵۱	۳۔ زیادہ کسی اور کے لئے	۳۵۸
۲۵۲	۴۔ ضمانت اور رہن کی شرط کرنا	۳۵۸
۲۵۳	۵۔ تحفہ لینا	۳۶۱
۲۵۴	۶۔ شرط کئے بغیر زیادہ لینا	۳۶۳
۲۵۵	۷۔ قرض کی ادائیگی کسی اور جگہ کرنا	۳۶۵
۲۵۶	۸۔ قرض کی مقدار سے کم لوٹانے کی شرط کرنا	۳۶۷
۲۵۷	۹۔ قبل از وقت ادائیگی کی صورت میں کم لینا	۳۶۸
۲۵۸	اہلسنت کا اس بارے میں نظریہ	۳۷۰
۲۵۹	۱۰۔ سودی قرض کا لین دین صحیح ہے یا باطل؟	۳۷۲

چوتھا باب: ربا سے فرار

	پہلی فصل: ربا سے فرار کے حیلے	۳۷۷
۲۶۰	حیلہ کی تعریف	۳۷۷
۲۶۱	شرعی حیلوں کی اقسام	۳۷۸
۲۶۲	ایک اہم نکتہ	۳۸۰
۲۶۳	ربا کے حیلوں کا حکم	۳۸۱
۲۶۴	۱۔ صحت و بطلان کے لحاظ سے ربا کے حیلوں کا حکم	۳۸۱
۲۶۵	ربا کے حیلوں کو باطل سمجھنے والوں کی دلیلیں	۳۸۲

۲۶۶	پہلی دلیل: حیلے سود کی حرمت یا حکمت کے ساتھ منافی ہیں	۲۸۴
۲۶۷	دوسری دلیل: سود کے حیلوں میں اصل قصد حیلہ نہیں ہوتا	۲۸۵
۲۶۸	تیسری دلیل: جس معاملہ میں سود کے قانون میں تبدیلی آتی ہو، وہ عرف کی نظر میں سود ہے	۲۸۵
۲۶۹	چوتھی دلیل: يعامل المكلف بنقيض مقصوده	۲۸۶
۲۷۰	پانچویں دلیل: روایات	۲۸۷
۲۷۱	چند اہم نکات	۲۸۹
۲۷۲	روایات معارض اور انہیں جمع کرنے کے طریقے	۲۹۰
۲۷۳	الف: بیع عینہ سے متعلق روایات	۲۹۰
۲۷۴	ب: بیع محابات سے متعلق روایات	۲۹۱
۲۷۵	ج: بیع ضمیمہ سے متعلق روایات	۲۹۴
۲۷۶	د: تیسری چیز کو واسطہ قرار دینے سے متعلق روایات	۲۹۵
۲۷۷	بحث کا نتیجہ	۲۹۷
۲۷۸	۲۔ حرام اور حلال ہونے کے لحاظ سے ربا کے حیلوں کا حکم	۲۹۷
۲۷۹	ربا کے حیلوں کے حرام ہونے پر دلائل	۲۹۸
۲۸۰	ا۔ قرآنی آیات	۲۹۸
۲۸۱	۲۔ سنت	۳۰۱
۲۸۲	۳۔ عقل	۳۰۲
۲۸۳	چند اہم نکات	۳۰۳
۲۸۴	ربا کے حیلوں کی اقسام	۳۰۴
۲۸۵	معاملی ربا سے بچنے کے حیلے	۳۰۵
۲۸۶	پہلی صورت: غیر جنس کو قیمت یا مال کے ساتھ ضمیمہ کرنا	۳۰۵
۲۸۷	حیلہ ضمیمہ کے مخالفین کی دلیل	۳۰۸
۲۸۸	اس استدلال کے دو جوابات	۳۰۹

۲۸۹	دوسری صورت: غیر ہم جنس اشیاء کو واسطہ قرار دینا	۳۱۰
۲۹۰	تیسری صورت: دو طرفہ ہبہ کرنا	۳۱۲
۲۹۱	چوتھی صورت: اضافی مقدار کو ایک کے نام ہبہ کرنا	۳۱۲
۲۹۲	پانچویں صورت: قرض اور ابرا (کسی کا ذمہ بری کرنا)	۳۱۲
۲۹۳	قرضی ربا سے بچنے کے حیلے	۳۱۲
۲۹۴	پہلی صورت: نقد اور نسیہ (غیر نقد) معاملہ	۳۱۳
۲۹۵	اصل مفروضات کا حکم	۳۱۴
۲۹۶	قول مشہور کی دلیلیں	۳۱۵
۲۹۷	ا۔ اجماع	۳۱۵
۲۹۸	۲۔ عقود اور لین دین کی صحت پر دلالت کرنے والی دلیلیں مطلق و عام ہیں	۳۱۵
۲۹۹	۳۔ روایات	۳۱۶
۳۰۰	بیع عینہ	۳۱۸
۳۰۱	کیا پہلے معاملے میں دوسرے معاملے کی شرط کرنا جائز ہے؟	۳۲۰
۳۰۲	پہلے معاملے میں دوسرے معاملے کی شرط کو باطل سمجھنے والوں کی دلیلیں	۳۲۰
۳۰۳	ا۔ دلیل عقلی	۳۲۰
۳۰۴	الف: دور	۳۲۰
۳۰۵	ب: عدم قصد	۳۲۱
۳۰۶	۲۔ دلیل نقلی	۳۲۲
۳۰۷	دوسری صورت: بیع شرط	۳۲۳
۳۰۸	بیع شرط کے صحیح ہونے پر دلائل	۳۲۳
۳۰۹	ا۔ اجماع	۳۲۳
۳۱۰	۲۔ دلیل عام	۳۲۵
۳۱۱	۳۔ دلیل خاص	۳۲۵
۳۱۲	تیسری صورت: بیع محابات	۳۲۷

۳۱۳	چوتھی صورت: نوٹوں کی خرید وفروخت	۳۲۷
۳۱۴	ا۔معاملی سود میں پڑنے کے اعتبار سے	۳۲۷
۳۱۵	۲۔معاملہ کا عرفی ہونا	۳۲۸
۳۱۶	۳۔سود کی حرمت کی حکمت کے ساتھ منافات	۳۲۹
۳۱۷	پانچویں صورت: زرمبادلہ کی خرید وفروخت	۳۲۹
۳۱۸	چھٹی صورت: جگہ کی تبدیلی کے عوض زیادہ لینا	۳۳۰
۳۱۹	ساتویں صورت: قرضہ دینے کے عوض زیادہ لینا	۳۳۱
۳۲۰	آٹھویں صورت: اضافی مال کو ادائیگی کے حکم کا عوض قرار دینا	۳۳۲
۳۲۱	فقہ اہلسنت میں ربا سے بچنے کے حیلے	۳۳۳
۳۲۲	ا۔ بیع العینہ	۳۳۵
۳۲۳	بیع عینہ کی حرمت پر اہلسنت کے فقہاء کے دلائل	۳۳۶
۳۲۴	۲۔تورق	۳۳۸
۳۲۵	۳۔ بیع المعاملہ	۳۳۸
۳۲۶	۴۔ بیع الوفا	۳۳۹
۳۲۷	۵۔ بیع الاستغلال	۳۴۰
	دوسری فصل: ربا کے استثناءات	۳۴۱
۳۲۸	ا۔ باپ اور بیٹے کے درمیان سود	۳۴۱
۳۲۹	۲۔میاں بیوی کے درمیان سود	۳۴۴
۳۳۰	۳۔آقا اور غلام کے درمیان سود	۳۴۵
۳۳۱	۴۔مسلمان اور کافر کے درمیان سود	۳۴۶
۳۳۲	الف: مسلمان اور کافر حربی	۳۴۶
۳۳۳	ب: مسلمان اور کافر ذمی	۳۴۷
۳۳۴	اہلسنت کا اشکال	۳۴۹
۳۳۵	جواب	۳۵۲

۳۳۶	استثناء کے موارد کے ساتھ قیاس	۳۵۵
۳۳۷	اوّل: حکومت اور رعایا کے درمیان سودد	۳۵۵
۳۳۸	جواب	۳۵۶
۳۳۹	پہلا احتمال	۳۵۶
۳۴۰	دوسرا احتمال	۳۵۷
۳۴۱	تیسرا احتمال	۳۵۹
۳۴۲	دوم: مالیاتی اور اقتصادی کمپنیوں کا سود	۳۶۰
۳۴۳	ا۔ شرکت مفاوضہ مین سود	۳۶۰
۳۴۴	وضاحت	۳۶۱
۳۴۵	۲۔ شخصی کمپنیوں کا سود	۳۶۱
۳۴۶	اشکال	۳۶۲
۳۴۷	۳۔ مشترکہ کمپنیوں کا سود	۳۶۳
۳۴۸	اشکال	۳۶۳
۳۴۹	کلی اشکالات	۳۶۵
۳۵۰	فہرست مطالب	۳۶۷

maablib.org

شہید مطہری فاؤنڈیشن پاکستان

1	اسلام میں خواتین کے حقوق	300/-	21	سچی کہانیاں (جلد اوّل)	200/-
2	انسان اور ایمان	100/-	22	سچی کہانیاں (جلد دوم)	175/-
3	مفکر اسلام شہید مطہری	100/-	23	سبق آموز واقعات	250/-
4	محبت حق	125/-	24	سیرت آل محمد ﷺ	250/-
5	وحی اور نبوت	125/-	25	اسلامی علوم کا تعارف علم العرفان	100/-
6	اسلامی علوم کا تعارف علم فلسفہ	75/-	26	اخلاق جنسی	75/-
7	ختم نبوت ﷺ	75/-	27	فلسفہ اخلاق	125/-
8	الٰہی تصور کائنات	100/-	28	مقام ولایت	100/-
9	امامت اور رہبری	125/-	29	انقلاب اسلامی کی فکری بنیادیں	100/-
10	قرآن کی معرفت	75/-	30	ہدف زندگی	100/-
11	انسان قرآن کی نظر میں	100/-	31	قرآن فہمی (جلد دوم)	200/-
12	اسلامی علوم کا تعارف علم الاصول	75/-	32	قرآن فہمی (جلد سوم)	200/-
13	ابدی زندگی اخروی زندگی	75/-	33	اجتہاد اور تقلید	50/-
14	بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں	100/-	34	نبی امی	100/-
15	انسان اور تقدیر	125/-	35	حکایتیں و ہدایتیں	150/-
16	اسلامی علوم کا تعارف علم منطق	100/-	36	تحریفات کربلا	175/-
17	اسلامی علوم کا تعارف علم الکلام	75/-	37	شہید	50/-
18	اسلامی علوم کا تعارف علوم فقہ	100/-	38	تقویٰ	50/-
19	تاریخ اور معاشرہ	200/-	39	ہجرت اور جہاد	50/-
20	فطرت	175/-	40	قرآن فہمی (جلد چہارم)	100/-

نوٹ: مکمل سیٹ کے علاوہ اپنی پسند کی کتب بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

مزید 40 کتب کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے

نیز مصباح القرآن ٹرسٹ اور معراج کمپنی لاہور

کی 100 سے زائد ٹائٹل پر خصوصی رعایت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

رابطہ کیلئے: معراج کمپنی اُردو بازار لاہور

0423-7361214-0321-4971214

www.facebook.com/merajcompanypakistan

کتب معراج کمپنی

نمبر	نام کتاب	قیمت	نمبر	نام کتاب	قیمت
1	چودہ ستارے	500/-	33	مصائب معصومین	100/-
2	معراج کائنات	700/-	34	عظمت قم	125/-
3	[illegible]	800/-	35	چودہ سے عقائد	100/-
4	نہج البلاغہ	450/-	36	احکام میت	200/-
5	سعادت الدارین	600/-	37	مجالس امام حسین	150/-
6	صدیقہ کائنات (سوانح حیات حضرت خدیجہ)	300/-	38	رہنمائے اسلام	150/-
7	جامع المصائب	250/-	39	روح زندگی	125/-
8	انبیائے قرآن ۲ جلد سیٹ	600/-	40	امام مہدی کی بشارتیں آسمانی کتب میں	125/-
9	توضیح المسائل حضرت آیت اللہ فاضل لنکرانی	300/-	41	سیرت حضرت عباس علمدار	200/-
10	مکاشفۃ الابرار	300/-	42	کتب اہل بیت	175/-
11	مصائب آل محمد	500/-	43	کربلا کی تصویر معصومین کی نظر میں	125/-
12	صحیفہ کاملہ (سجادیہ)	300/-	44	انقلاب امام حسین	150/-
13	آداب اسلامی	600/-	45	آداب معاشرت	125/-
14	آداب نماز	500/-	46	اصول و اصول شیعہ	150/-
15	عمل ماہی	300/-	47	فضائل صلوات	125/-
16	فضائل آل محمد	300/-	48	بازار اسلامی	125/-
17	مجالس ابو طالب	250/-	49	کامیابی کا راز	125/-
18	[illegible]	650/-	50	بہلول دانا	100/-
19	[illegible]	750/-	51	دلیل تفسیر	150/-
20	معراج الصلوٰۃ	600/-	52	صحیفہ معصومین	100/-
21	مکاشفہ بار سوال	200/-	53	پیروی ابو طالب	100/-
22	چودہ ستارے سوال	200/-	54	نماز معصومین	100/-
23	تحفۂ عجم	100/-	55	مبانی حکومت اسلامی	100/-
24	قرآن اور نظریہ سیاست	125/-	56	نکات امید	100/-
25	تاریخ آقائے دہر سوال	150/-	57	تاریخ آقائے سید ستائیس سوال	250/-
26	مکاشفۃ القرآن	175/-	58	آئین تربیت	250/-
27	مجموعہ دعا	55/-	59	مفاتیح الجنان (18) 23 x 36	250/-
28	تاریخ سہو	50/-	60	مفاتیح الجنان (18) 20 x 30	200/-
29	بارہ امام معصوم	70/-	61	مقتل حسین	125/-
30	سجدہ	50/-	62	قصص حیات (امام حسین)	100/-
31	قصہ خواب	125/-	63	آداب مجالس	275/-
32	روٹی	200/-	64		

معراج کمپنی [illegible] میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0321-0324-4971214,0423-7361214

www.facebook.com/merajcompanypakistan

maablib.org

مطبوعات معراج کمپنی

معراج کمپنی

وسط میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0423-736 12 14

0321-497 12 14

www.facebook.com/merajcompanypakistan

سٹاکسٹ

محمد علی بک ایجنسی، اسلام آباد۔

Ph: 051-2557471 - 0333-5234311